عذرا

یعنی

عجائباتِ شہر کور

جسے

منشی محمد خلیل الرحمٰن صاحب

مترجم نفح الطیب۔ اخبار الاندلس وغیرہ نے ترجمہ کیا

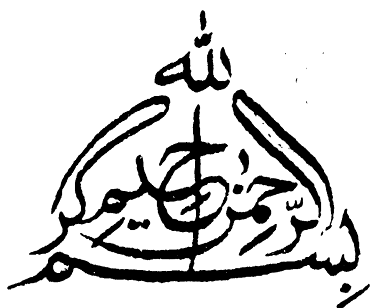
۱۹۳۸ء

دار الاشاعتِ پنجاب۔ لاہور

عذرا

لِلّٰهِ كَوْرٌ فَاقَ كُلَّ مَدِيْنَةٍ　　فِي حُسْنِهِ وَصِفَاتِهِ وَعُجَابِهِ

وَلَقَدْ وَقَفْتُ وَرُفْقَتِيْ نَبْكِيْ عَلَى　　أَبْوَابِهِ وَسُقُوْفِهِ وَقِبَابِهِ



زبانِ عشق مے فہمی حدیث نازمیدانی
خطِ عفوِ گناہاں بادِ بسم اللہِ دیوانت

اے ناظرین اگرچہ بادی النظر میں یہ قصہ ایک فرضی افسانہ معلوم ہوگا۔ جس میں بیش بریں نیست کہ مصر قدیم کے چند مناظر اور آثارِ قدیمہ دکھلائے گئے ہیں۔ لیکن اس میں آپ کو کلام نہ ہوگا کہ اس میں وہ عجیب وغریب مشاہدات ملیں گے جو آج تک کسی انسان کی نظر سے نہ گزرے ہونگے۔ اور نہ گزر سکیں گے۔

مجھے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنا تعلق اس کتاب سے ظاہر کردوں۔ تاکہ یہ محض میرے خیالات پریشاں کا مجموعہ نہ سمجھا جائے۔ میری حیثیت اس میں ایک مترجم کی ہے۔ یا اگر آپ زیادہ سے زیادہ رعایت کریں تو مؤلف کہ دیجئے۔

اس کتاب کا مسودہ میرے ہاتھ کیونکر لگا۔ اس کا بھی ایک عجیب قصہ ہے۔ میں ایک روز اتفاقاً بازار میں کھڑا ایک دوست سے باتیں کر رہا تھا کہ دو شخص کوٹ پتلون پہنے ترکی ٹوپی اوڑھے ہوئے نظر آئے۔ ان میں سے ایک شخص تو ایک ادھیڑ بدرُو سا تھا۔ جس پر کوٹ پتلون کسی طرح زیب نہ دیتے تھے۔ دوسرا

ایک گورا چٹا۔ بلند و بالا نہایت خوب صورت سجیلا جوان تھا۔ مردانہ حُسن جیسا کمال کے ساتھ مَیں نے اِس شخص میں دیکھا بلا مبالغہ یقین کیجئے گا۔ کہ شاید کسی دوسرے میں نظر نہ آئیگا۔ یا کم سے کم میری نظر سے تو نہیں گزرا۔ اِس شخص کے بال چمکیلے سُنہری تھے۔ مگر آنکھیں سیاہ تھیں۔ جو ایشیائی مذاقِ حُسن کے موافق حسین کے لئے سونے پر سُہاگہ سمجھا جاتا ہے۔ سچ جانئے کہ میں اس شخص کو دیکھ کر نقشِ حیرت بنا رہ گیا۔ اور بہت دیر تک دیکھتا رہا۔ میرے دوست سے شاید ان کو کچھ سابقہ معرفت تھی۔ علیک سلیک کرتے ہوئے نکل گئے۔ حُسن یوں ہی دلکش ہوتا ہے۔ اور انسان کو حسین کی طرف ایک اضطراری کشش ہونا ایک طبعی امر ہے۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور اُن سے ان کی تعریف پوچھی۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں صاحب مصر کے رہنے والے ہیں۔ اور یہاں بطریقِ سیاحت آئے ہوئے ہیں۔ ایک ہوٹل میں ٹھیرے ہیں۔ اور ہفتہ عشرہ میں جانے والے ہیں۔ مَیں نے اُن سے ملنے کا شوق ظاہر کیا۔ اور اُنھوں نے ملا دینے کا وعدہ کیا۔ مغرب کا وقت قریب تھا ہی۔ ہم نماز پڑھنے ایک مسجد میں گئے اتفاق کی بات کہ وہ دونوں صاحب نماز میں شامل تھے۔ میری گذارش سے میرے دوست نے وہیں میری تقریب کردی۔ اور یہ رواروی کی ملاقات دوسرے روز ملنے کے وعدہ پر ختم ہوگئی ؂

دوسرے روز علی الصباح مَیں ہوٹل جا کر اُن سے مِلا۔ میں کچھ عرض نہیں کرسکتا کہ ان دونوں صاحبوں کو مَیں نے کس قدر خلیق پایا۔ اثنائے گفتگو میں معلوم ہوا کہ ان کم رو حضرت کا نام **حنیف** تھا۔ اور دوسرے کا نام **امین**۔ (فی الاصل یہ نام فرضی ہیں۔ ان دونوں صاحبوں نے اپنے اصلی نام اور بتلائے ہیں۔ مگر چونکہ ان کے اخفا کی فرمائش ہے اور مذکورہ ناموں سے وہ قصہ بھر میں موسُوم کئے گئے ہیں۔ اِس لئے یہی نام بتلائے جاتے ہیں) امین نہایت کم گو شخص تھے۔ اور مطالعے کے نہایت شوقین۔ حنیف کو میں نے ایک متبحر فاضل پایا۔ اور جس مضمون پر ان سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا۔ اس میں اُن کا تبحر

ثابت ہؤا۔ اُردو وہ بہت ہی کم بول سکتے تھے اور انگریزی جانتے نہ تھے۔ لہٰذا اُن کو فارسی اور فرنچ پر دھر کرنا پڑتا تھا۔ فرنچ تو میں جانتا نہیں۔ لیکن فارسی کی نسبت یہ کہ سکتا ہوں کہ اس میں وہ بہت بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ اور عربی میں بھی ایسے ہی اعلیٰ درجہ کے ادیب تھے۔ چنانچہ لوح کے دو عربی شعروں سے ظاہر ہوگا۔ ان کا مذاقِ علمی دیکھ کر میں نے ان کی تقریب اپنے بعض ذی علم دوستوں سے بھی کرادی۔ مولوی سید ممتاز علی صاحب دیو بندی مالک مطبع رفاہ عام کی ملاقات سے وہ خصوصاً بے انتہا خوش ہوتے تھے۔ ہر روز بلاناغہ ان کے مطبع میں تشریف لاتے تھے۔ رات کے بارہ بارہ بجے تک احباب مخلص کا مجمع رہتا تھا اور عجیب لطائف و ظرائف بیان ہوتے تھے مگر افسوس کہ یہ لطف کی ملاقاتیں چند ہی دنوں میں تمام ہوگئیں۔ روانگی سے ایک ہی روز قبل انہوں نے جانے کا قصد ظاہر کیا۔ ایسی صحبتیں کہاں ملتی ہیں؟ میں نے قصد کیا تھا کہ اس روز ان کے رخصت کرنے تک میں ان کے ساتھ رہوں گا۔ لیکن دوسرے روز صبح ہی اُن کا رقعہ میرے پاس پہنچا۔ جس کو میں بجنسہ ذیل میں نقل کرتا ہوں:۔

تندیل کعبہ محبت! قربانت شویم۔ تصمیم عزم کردہ بودیم کہ فردا انشاءاللہ رخت سفر بربندیم۔ تا بہ یک سبب مخصوصے لازم شد کہ صبح زود براہ افتیم و تاسف اینکہ از جناب شما مرخص نشدیم ہمراہ بریم۔ و از خدائے بے ہمتا مسالت مے کنیم کہ ثانیاً بصحت و سلامتی جناب را زیارت کنیم کہ یار زندہ و صحبت باقی و بنا شدہ است کہ ہفتہ در دہلی اتراق کنیم۔ و ممکن کہ دو سہ روز در اجمیر شریف ہم توقف شود۔ و از انجا بمبئی رفتہ سوار داپور شویم۔ برائے دیدن رو نہار بابل و از بابل بجانب ملک چین حرکت کنیم۔ لیکن ؎

زقدرت ملکوتش یکے نشاں آں است
کہ کارہا بہ خلاف مرادِ ما باشد

و ماتدری نفسٌ ماذا تکسب غدا و ماتدری نفس بای ارض تموت

مصحوب حامل رقیمہ یک لفافہ دیگر ہم ابلاغ مے شود کہ تو سے آں مسودہ کتاب بے
ویک پارچہ ازچرم و بہ دیک انگشتری دستیاب جناب خواہد شد۔ البتہ موجب
تعجب خواہد شد کہ باایں کہ در خدمتِ جناب بے تکلف نشدہ بودیم باز ایں
تکلیف زیاد مے دہیم۔ امّا زود مشاہدہ خواہند کرد کہ جزاً ایں تکلیف بایشاں
عاید شود۔ ہر چند پیشتر ارادہ کردہ بودیم کہ تا زندہ ایم ایں مسودہ را بچاپ ندہیم۔
لیکن بعد از مکالمہ کہ درمیانِ ما و سیدی ممتاز علی رفت و دلائل دلنشیں کہ از
ایشاں شنیدیم یارا ے انکار نماند۔ و ہم خیال کردیم کہ در حوادثِ سفر نے دانم
کہ درکدام بیابان خاک شویم۔ و ایں ذخیرہ تجربات و مشاہدات ما ہم برباد رود۔
لاجرم۔ بمصداق آزردن دلِ دوستان جہل ست۔ و کفارہ یمین سہل۔ ابعد مُدتے
ایں خیال را تغیر دادیم۔ اگرچہ اکنوں ہم در باب اظہار و اعلانش خجالت مے کشیم۔
و باخود مے گوئیم کہ مردیم ایں ہمہ عجائب را کہ ما معائنہ دیدہ فوق العادۃ پنداشتہ
اعتبارے نخواہند گرفت۔ و بہمیں جہت مے خواہیم کہ نامہائے اصلی ما را بروز
ندہند تا عامہ بکماں غلط ما را مطعون نہ کنند ۰

ہر قدر کہ مے توانستیم دریں روزنامہ حالات را بہ ترتیب و وضاحت نوشتہ
ایم و در ہیچ باب ضرورت نمے بینیم کہ چیزے دیگر عرض بکنیم۔ لاسیما نسبت بہ **عذرا**
و تا حال حیرت آں طلسم کہ مادر خراہبار کور دیدہ ایم نمے گذارد کہ حرف بدہیم یا چیزے
زیاد بنویسیم۔ البتہ افسوس اینکہ ما از **عذرا** سوانح عمر ماضیش را نہ پرسیدیم۔
ہنوز باقی است و خواہد بود۔ می بایست کہ از اصل و نسب و مذہب او و از سبب
آمدن او بجز ابہار کور و غیر ذالک استطلاع و استفسار مے کردیم۔ امّا چوں فرصت
از دست رفت۔ افسوس بے فائدہ است۔ ترصد کہ ایں اوراق را بہ خدمت
حضرت سیدی ممتاز علی بگذارند۔ و از ما عرض دارند کہ ایں غریب الوطن را حسرت
ترخیبش باقی ماند۔ بہ تلافی ایں تقصیر ایں اوراق بشما مے سپاریم۔ اگر شیوع
ایں کتاب بہ سعی جناب انجام پذیرد۔ از ما مجاز ہستند کہ نفعش ہر چہ باشد در
حیطہ تصرف خود آرند۔ وگرنہ بشرائط مذکورہ شخص آخر را کہ بر قابلیت و رشادت

او اعتماد کلی باشد برائے ایں کار اختیار کنند +

پارچہ دیہ و خاتم بعد از ملاحظہ و معائنہ بہ نشان نارتھ بروک ہوٹل دہلی
در ہمیں ہفتہ ابلاغ دارند۔ والعافیۃ بالخیر ؎

مابرفتیم و تو دانی دل آتش خور ما
بخت بد تا بکجا می برد آبش نور ما

اس رقعہ کو دیکھ کر جیسا کچھ مجھے اُن سے رخصت نہ ہونے کا افسوس
ہوا محتاج بیان نہیں ہے۔ غرض میں نے اپنے تمام کام ہرج کرکے اس مسودے
کو دیکھا سخت تعجب ہوا۔ اور زیادہ تر افسوس کہ کاش اُن کے مواجہ میں بعض
بعض مقامات کی تصریح کرا لی جاتی۔ بہرحال میں نے اس کپڑے کے ٹکڑے کا فوٹو
لوالیا۔ اور مہر کی باحتیاط نقل لیکر دونوں کو تیسرے ہی روز دہلی واپس بھیج دیا +

میرا خیال تھا کہ اس مسودے کو اصل فارسی میں چھپوا دوں۔ مگر مولوی ممتاز
علی صاحب نے کہا کہ انگریزی مدرسوں میں جو فارسی کی دُرگت بن رہی ہے اُس کو
دیکھتے مناسب نہیں کہ ریزۂ جواہر ان لوگوں کے ہاتھ میں دیا جائے۔ جن کو اس کی
قدر نہیں۔ بہتر ہو کہ سلیس اُردو میں تم اس کا ترجمہ کردو۔ میں نے سید صاحب
کی اس رائے کو پسند کیا۔ اور اپنی استعداد کے موافق اس مسودہ فارسی کا اُردو
میں ترجمہ کردیا۔ میں نے یہ بھی ارادہ کیا تھا کہ جستہ جستہ مقامات پر مناسب
نوٹ لکھوں۔ لیکن سید صاحب نے اس بات کو بھی بوجوہ منظور نہ کیا لہذا یہ
سمجھ لینا چاہئے کہ بجز اس کے کہ میں نے نام تبدیل کردئے ہیں۔ اور کوئی
تصرف اصل مسودہ میں (بجز ترجمہ کے) نہیں کیا +

امید ہے کہ بیان مفصلہ بالا سے ناظرین پر میری حیثیت کی کافی توضیح
ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر مقامات پر مجھے اس قدر حیرت ہوئی کہ کہنا
چاہئے: میں اپنی سٹی بٹی بھول گیا"۔ ابتداءً تو خیال ہوا کہ **حنیف** نے **عذرا**
کو بطور استعارہ کے استعمال کرکے کچھ اور مقصد نکالنا چاہا ہے۔ مگر جیسے جیسے آگے
پڑھتا گیا یہ خیال بھی غلط ہوتا گیا۔ بہرحال جہاں تک میں نے غور کیا مجھے تو اس

میں کوئی شک نہیں رہ گیا کہ اس قصہ کا ایک ایک حرف بالکل صحیح ہے۔ ناظرین اپنی اپنی جگہ غور و خوض کر کے جو کچھ مطلب اخذ کرلیں۔ اس پر مجھے دسترس نہیں و

اس قصہ کو بغور پڑھنے سے ایک امر مجھے بہت ہی عجیب معلوم ہوتا ہے جس کو ظاہر کئے بغیر مجھ سے نہیں رہا جاتا۔ ناظرین دیکھیں گے کہ امین کا تعلق اس قصہ بھر میں بہت ہی بے غرضانہ رہا ہے اور جہاں کہیں انہیں کچھ کہنے یا کرنے کا موقع ملا ہے۔ وہ محض **حنیف** کی تحریک سے **عذرا** گو ایک نہایت دور بین عورت تھی۔ مگر آخر عورت تھی۔ برسوں بلکہ صدیوں و حشیوں میں اس کو ایسا حسین جوان نظر نہ پڑا تھا۔ علاوہ ازیں وہ خود کو قرطلیس کی عاشق کہتی۔ اور امین شاید خاندانی اثر سے قرطلیس کی صورت میں بہت ہی ملتے تھے۔ اُن کو دیکھ کر اس کے جذبات روکے نہ رک سکے ہونگے یا ممکن ہے کہ امین میں اُس نے خاص صفات پائے ہوں۔ اور امید رکھی ہو۔ کہ ایک زمانہ میں یہ ہی صفات اُس کو اور اس کے ساتھیوں کو دنیاوی معراج پر پہنچائیں گے۔ لیکن قرطلیس اولے کی لاش ان تمام باتوں کو باطل کئے دیتی ہے۔ اس مختصر کے بعد میں ناظرین کو شہر کوس کے کھنڈرات میں **عذراء** کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ فقط

مؤلف

باب اوّل

بلاگردانِ جولانت دلِ دیوانۂ دارم
بیا اے سیلِ پا انداز نازت خانۂ دارم

کہتے ہیں کہ انسان کے دماغ کے اِس حصّہ کی ساخت جو حافظہ سے تعلق رکھتا ہے کچھ ایسی رکھی گئی ہے کہ گویا وہ آئینہ ہے۔ اور گرد و پیش جو کچھ ہم محسوس کرتے ہیں۔ خواہ وہ کسی حِس سے ہو اُس کا نقش اس آئینہ میں ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ نقش کہتے ہیں کہ تاز نوں بلکہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ مگر ہر وقت کے نئے اور پرانے محسوسات اس نقش کو کچھ ایسا گلڈ گوب کرتے ہیں۔ کہ آخر پہلے کو اپنا مُنہ چھپا لینا پڑتا ہے۔ یا یوں کہو کہ پُرانا نئے کو سجادہ دے کر فنا ہو جاتا ہے لیکن بعض وقت یہی نقش اس بلا کا پڑتا ہے کہ اس کو نئے نویلے محسوسات کتنے ہی کیوں نہ چھپانا چاہیں اُس کا ابھار اپنے اصلی جوبن پر ہی رہتا ہے۔ بعینہٖ یہی حالت ان واقعات کی ہے۔ جو میں بیان کرونگا۔ میں ہزار اُن کو بُھلا دینا چاہتا ہوں۔ مگر خدا جانے کون میری آنکھوں کے سامنے اُن سب کو لا رکھتا ہے۔ کہ چالیس برس کے واقعات یکے بعد دیگرے اس طرح معلوم ہوتے ہیں کہ جس طرح اسٹیج پر تھوڑی دیر میں برسوں کی سرگزشت کو دکھا دیا جاتا ہے۔

جاڑوں کی راتیں ستم۔ اس پر اولے پڑنا غضب۔ اُس پر تند ہوا اور قیامت کوچہ و بازار میں سناٹا ہے۔ لوگ اپنے گھروں میں چھپے ہوئے ہیں۔ اُمرا آتش دانوں

کے سامنے دنیا اور اہل دنیا کے حالات سے بے خبر بیٹھے ہوئے ہیں۔ احباب کا جلسہ ہے یا خوشامدیوں کا مجمع۔ کشمیری شال اوڑھے ہوئے سکڑے جاتے ہیں۔ اور سردی کی شکائتیں ہو رہی ہیں۔ بیچارے فلاکت زدہ غربا ایک چادر اوڑھے ہوئے طبّاخ کی دکان پر بیٹھے کانپ رہے ہیں۔ پچھلی رات بھی سردی نے کونچیں دے دے کر جگائے رکھا ہے۔ دن بھر کی محنت سے بدن چُور ہے۔ وہ ظالم نیند جو مشہور ہے کہ سولی پر بھی آتی ہے۔ اس وقت پھران کے گلے کا ہار ہو رہی ہے۔ غریب یاس و امید کی نظر سے طبّاخ کی صُورت دیکھ رہے ہیں کہ کہیں کل کی طرح آج بھی نہ دھتکار دے۔ میرا آخری امتحانِ فضیلت دو چار روز میں شروع ہونے والا تھا۔ میں اپنے حُجرہ کا دروازہ بند کئے ہوئے کتاب دیکھ رہا تھا۔ کچھ تکان معلوم ہوئی تو کھڑا ہو گیا اور دو چار منٹ تک اُسی حجرہ کی چار دیواری میں ٹہلتا رہا۔ امتحان کا فکر بُرا ہوتا ہے۔ اپنے نزدیک اتنا بھی وقت فضول ضائع کر کے افسوس کیا۔ سگریٹ سُلگانے کے خیال سے انگیٹھی پر سے دیا سلائی اُٹھانے کو بڑھا کہ وہیں آئینہ میں اپنی صُورت دیکھ کر ایسا محو ہوا کہ دیا سلائی نے میری اُنگلی کو داغ دیا۔ اس کو پھینک کر دوسری دیا سلائی سے سگریٹ سُلگایا۔ اور پھر خدا جانے کتنی دیر تک اپنی صورت کھڑا دیکھتا رہا۔ کب تک کھڑا رہتا۔ وہاں سے یہ کہتا ہوا ہٹا کہ صورت ظاہری سے تو ظاہر ہے کہ کوئی پاس بٹھانے کا بھی روادار نہ ہوگا۔ خدا اپنے فضل و کرم سے اگر حسنِ باطنی ہی عطا کرے۔ تو سارا عیب چھپ جائیگا۔ ورنہ زندگی جیسی گزرے گی ظاہر ہے ؞

ناظرین شاید خیال کرینگے کہ میں کسرِ نفسی کرتا ہوں۔ مگر نہیں۔ بلا تصنّع اپنا حُلیہ بیان کرنا گویا اپنے اوپر آپ پھبتیاں اُڑانی ہیں۔ پچیس برس کی عمر میں انسان میں گو گونہ قباحت سے ہی ہو۔ لیکن قدرت کاملہ کی طرف سے ایک طرح کی دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں اس کا سایہ بھی نہ پڑا تھا۔ میرا حلیہ ملاحظہ کیجئے۔ موٹا ہوں۔ پستہ قد ہوں۔ تمام جسم پر بال ہیں۔ چھوٹا سر ہے۔ بالوں کی زیادتی سے صرف تین انگل ماتھا کھلا ہوا ہے۔ اُبھری ہوئی بڑی بڑی آنکھیں چپٹی ناک کسی قدر آگے کو جھکی ہوئی۔ پچکے ہوئے کلّے۔ گھنی ڈاڑھی۔ یہ چہرہ کی قطع ہے۔ اس پر رنگ مصریوں میں بھی سانولا۔ قریب

کوتاہ گردن۔ لمبے لمبے ہاتھ کہ کھڑے ہونے سے گھٹنوں کے قریب تک پہنچتے ہیں۔ اس پر تمام حُسن میری چھوٹی چھوٹی ٹانگوں پر ختم ہوتا ہے جو اس قدر موزوں کے بارے کسی قدر خمیدہ ہوگئی ہیں۔ غرض یہ حلیہ ہے اس ضعیف کا جس کے پہلو بہ پہلو آپ کو بجبر واکراہ اس قصہ کے دوران میں بیٹھنا پڑیگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں جامع ازہر کے تمام طلبا میں سب سے زیادہ قوی اور ذہین سمجھا جاتا تھا۔ میں اُن دنوں میں منقول کی فضیلت پا چکا تھا اور معقول میں آخری امتحان دینے والا تھا۔ ریاضی وطبعیات میں جامع بھر میں ضرب المثل تھا۔ لاطینی اور فرنچ اوسط درجہ کی جانتا تھا۔ یونانی اور عبرانی بھی سیکھ چکا تھا۔ ترکی اور فارسی اچھی طرح بول لیتا تھا۔ عربی تو میری مادری زبان ہی ہے۔ جس زمانہ میں مَیں نے تاریخ عالم میں امتحان دیا ہے تو پرانے مصری کتبہ پڑھنے کی مہارت کی تھی۔ گو اب کسی قدر بھول گیا ہُونگا۔ یہ سب کچھ تھا۔ مگر میری ظاہری صُورت نے میرے تمام ہنروں پر خاک ڈال رکھی تھی۔ جامع کا کوئی طالب علم بھی چھوٹی جماعت کا ہو یا بڑی کا۔ میرے پاس آنے کا روادار نہ تھا۔ شاید کوئی اکا دکا اپنی غرض کو جی کڑا کر کے کبھی میرے پاس آجاتا ہو لیکن اتنا بھی کبھی مقدر نہ ہوا کہ کوئی طالب علم سیر ہی کے بہانہ میرا ساتھ دے۔ طالب علموں نے میرا نام ہشنو رکھ چھوڑا تھا۔ پُرانے طلبا نئے طالب علموں کو دُور سے مجھے دکھلایا کرتے تھے۔ ایک طالب علم کو تو مَیں نے اپنے کان سے یہ کہتے سُنا ہے کہ " هٰذَا شَیْءٌ عُجَابٌ "۔ اس حالت میں کہ نہ میرا کوئی یار تھا نہ مددگار اور مَیں اپنے حُجرہ میں زندہ درگور رہتا تھا۔ ایک صاحب البتہ میرے اُوپر عنایت کرنے لگے تھے۔ وہ بھی طالب علم تھے۔ اور اکثر مخلصانہ میرے پاس آجایا کرتے تھے۔ یہی وہ حضرت ہیں جو کہنا چاہئے کہ اس قصہ کے اصل اصول ہیں ۔

بازار میں اگر ضرورتاً کبھی نکل جاتا تو انگلیاں اٹھا کرتی تھیں۔ عجیب مصیبت تو یہ تھی کہ عورتیں چھیڑتی تھیں۔ پھبتیاں اُڑاتی تھیں۔ بناتی تھیں۔ اور یہاں ٹُک ٹُک دیدم دم نہ کشیدم۔ غصہ تو بہت آتا تھا۔ لیکن کیا کرتا؟ خودکشی کر لیتا؟ خدا جانے تمام دُنیا کی اُمرازادیاں شوخ ہوتی ہیں یا کچھ حضرت زلیخا کے اثر سے مصر میں ہی یہ خصوصیت ہے کہ انہوں نے بالکل میرا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ مجھے

دیکھتے ہی ان کو ہنس دینا۔ دو چار اُلٹی سیدھی باتیں کہ دینی فرض تھا۔ ایسا تو شاید کبھی ہوا ہو کہ کسی نے گاڑی یا خچر پر سے دیکھتے ہی عجیب الخلقت نہ کہ دیا ہو۔ اس فرقہ سے مجھے چھپنے جگہ بھی نہ ملتی تھی۔ آپ کو تعجب ہو گا کہ اس صورت پر میں ایک مرتبہ ایک ماہوش پر مائل بھی ہو چکا ہوں! اُن سے میرا دُور کا رشتہ بھی تھا مدتوں تو ان کے خیال میں میں گھلتا رہا۔ آخر کار نکاح کا پیغام دیا۔ اُن کے ولیوں نے تو ابھی کوئی جواب نہ دیا تھا کہ انہوں نے مجھے بلایا۔ میں نے سمجھا کہ بھاگ کھلے۔ پہنچا۔ وہ اپنے کمرہ میں لے گئیں۔ اور بے حجاب میرے ساتھ ایک قد آدم آئینہ کے سامنے کھڑی ہو کر ایک قہقہہ لگایا اور فرمانے لگیں کہ "ذرا اپنی صورت تو دیکھو اس جو پنج پر پیغام نکاح کا حوصلہ! میں اور تم دونوں کھڑے ہیں۔ ذرا غور کر کے دیکھو اور بتلاؤ کہ اگر میں حسین ہوں تو تم کون ہو؟ بس مُنہ دھو رکھو۔ چاند اپنی چلتے تو کبھی گوارا نہ کریگا کہ اُس کو گہن لگے"! اگرچہ یہ زخم مدتوں آلا رہا۔ لیکن آیندہ کے واسطے توبہ کر لی ؂

جمع است ز ماہ رویاں نظرم　　　من آئینہ دار آفتاب دگرم

قصّہ مختصر میں نے پھر پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ کسی نے میرے دروازہ پر دستک دی۔ طالبعلمی اور اس پر امتحان سر پر۔ سخت ناگوار ہوا۔ اور خاموش ہو رہا۔ اتنے میں رات کے بارہ بجے + پھر دستک کی آواز آئی۔ میں نے پھر ٹال دینا چاہا۔ باہر سے کھانسنے کی آواز آئی۔ میں آواز پہچانتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور دروازہ کھول دیا۔ پہلے میں نے سمجھا تھا کہ کوئی خود مطلب طالب علم ہو گا۔ مگر نہیں کھانسی کی آواز سے میں نے سمجھا کہ وہی میرے دوست ہیں جو مجھ سے خلوص کے ساتھ بے غرضانہ ملتے تھے۔ جتنا میں بدصورت ہوں اتنے ہی یہ خوب صورت تھے۔ ان کی کوئی تیس برس کی عمر ہو گی بیچارے سِل کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ اور مجھ سے کوئی برس روز پہلے آ کر جامع میں داخل ہوئے تھے۔ جہاں تک مجھے اُن سے گفتگو کا موقعہ ملا تھا۔ وہ یہودی معلوم ہوتے تھے۔

اُن کے ہاتھ میں ایک آہنی صندوقچہ تھا۔ غریب ضعف کی وجہ سے اس کا

بوجھ بھی بمشکل سنبھال سکتے تھے - میرے دروازہ کھولتے ہی انہوں نے وہ صندوقچہ میرے ہاتھ میں پکڑا دیا - اور وہیں فرش پر تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے - ابھی تک اُن کا سانس بھی ٹھیک نہ ہؤا تھا کہ پھر کھانسی اُٹھی - اور انہوں نے خون تھوکا - میں نے جلدی جلدی کر کے قہوہ تیار کیا - دو پیالیاں پی کر ان کو کچھ ہوش آیا - اور سب سے پہلے انہوں نے سوال کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ سردی میرے لئے قاتل ہے - اِس پر آپ نے آدھی رات کو مجھے اِتنی دیر کیوں کھڑا رکھا؟

مَیں "معاف کیجئیگا - میں یہ نہیں سمجھا تھا کہ آپ ہونگے - ایسے ناوقت آنے کا آپ کو کبھی اتّفاق بھی نہ ہؤا تھا"

دوست (مسکرا کر) "اور یقیناً یہ آخری موقعہ ہے - اب اس کے بعد ہماری ملاقات کہیں اور ہو گی - سچ جانئے کہ میرا خاتمہ ہو چکا - ممکن نہیں کہ میں کل تک زندہ رہوں"

مَیں "آپ اس قدر گھبراتے کیوں ہیں - دیکھئے میں ابھی کسی طبیب کو بلاتا ہوں" یہ کہہ کر مَیں کھڑا ہو گیا +

دوست (مجھے بٹھلا کر) "نہیں آپ اس کا فکر نہ کیجئے - مَیں خود طب پڑھ چکا ہوں - اور اپنی حالت خود اچھی طرح تشخیص کرتا ہوں - اب کوشش لاحاصل ہے - فرصت بہت کم ہے - جس غرض سے میں آیا ہوں - وہ ذرا غور سے سُن لیجئے - یہ میری آخری وصیّت ہے اور شاید مجھے اس کے اِعادہ کرنے کی مہلت نہ ملے - میری اور آپ کی ملاقات کو کوئی دو برس ہو گئے - آپ کو میرے کیا کیا حالات معلوم ہیں؟"

مَیں "صرف اسی قدر کہ آپ نے ایسی عمر میں عربی پڑھنے کا شوق کیا ہے کہ جب لوگ پڑھنا چھوڑ دیا کرتے ہیں - خدا آپ کے ارادوں میں برکت دے - بظاہر حال آپ امیر بھی ہیں - آپ نے شادی بھی کی تھی مگر بیوی مر چکی ہیں - اور سب سے زیادہ یہ کہ دنیا بھر میں آپ ہی ایک میرے مخلص دوست ہیں"

دوست "آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میرا ایک پانچ برس کا لڑکا بھی ہے - اس نے اپنے بدلہ میں اپنی ماں کی جان لی ہے - اسی وجہ سے مجھے اس سے سخت نفرت ہے

اور آج تک مَیں نے اُس کی صُورت بھی نہیں دیکھی۔ بس اب آپ سے صرف اِسی قدر کام ہے کہ اس بچّے کو آپ اپنی ولایت میں لے لیں "

مَیں (سخت متعجب ہو کر) "میں"!

دوست "جی ہاں آپ۔ مَیں نے دو برس ضائع نہیں کئے۔ آپکا تجسس کرتا رہا ہوں۔ آپ سے بہتر مجھے کوئی آدمی نظر نہیں آتا کہ جس کو وہ بچّہ اور یہ صندوقچہ سپرد کردوں۔ اب میں گور کنارے بیٹھا ہُوں۔ خدا کے لئے انکار نہ کرنا کہ دوسرے شخص کی تلاش کی مجھے مہلت نہیں ہے۔ اَب سنئے کہ یہ بچّہ چند روز میں آپ کی سرپرستی میں آئیگا۔ دُنیا بھر کی قدیم نسلوں میں سے ایک کا جانشین ہے۔ شاید بادی النظر میں آپ کو یہ غلط معلوم ہو۔ لیکن ایک روز اس میں آپ کو شبہ بھی نہ رہے گا کہ میرا مورثِ اعلےٰ (چھیاسٹھویں پشت میں) کیلکریٹیس[1] نامی ایک یونانی الاصل فرعون مصر کا فوجی حاکم تھا۔ اس کا جدِ اعلےٰ غالباً وہی کیلکریٹیس ہے جس کا ذکر ہیرڈوٹس نے اپنے سفرنامہ[2] میں کیا ہے۔ اور جس کو انتیسویں فرعون نے انتہاء عروج پر پہنچا دیا تھا۔ قریب زمانہ تباہی فراعنہ (کیا عجب ہے

---

[1] کیل کرٹیس کے معنی ہیں۔ وہ حسین جو قوی بازو ہو۔ میں آیندہ اس نام کو مختصر اور معرب کرکے قرطلیس کہوں گا۔ حنیف ؛

[2] جس قرطلیس کا تذکرہ میرے دوست نے کیا ہے۔ اس کا حال ہیروڈوٹس نے یوں لکھا ہے (سفرنامہ ہیروڈوٹس جلد ۹ صفحہ ۷۲ مطبوعہ لندن) یہ شخص فی الاصل سپارٹا کا رہنے والا تھا۔ اور اپنے حسن مردانہ میں شہرۂ آفاق تھا اور ۲۲ ستمبر ۴۷۹ قبل از مسیح میں مشہور جنگ پلی ٹائی میں مارا گیا۔ اسی جنگ میں یونانی بادشاہ پاسانیاس نے ایرانیوں کو شکست دی تھی اور تین لاکھ سے اوپر ایرانیوں کو قتل کیا تھا۔ قرطلیس کی موت دَوران جنگ میں واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ جنگ شروع ہونے سے پہلے اُس نے فوج مخالف کا ایک تیر کھایا اور بہزار حسرت جان دی۔ نزع کے وقت اس نے اپنے ایک دوست سے کہا تھا کہ مجھے اپنے مرنے کا رنج نہیں ہے بلکہ حسرت اس کی ہے کہ میں تلوار بھی میان سے نہ نکال سکا۔ بادشاہ کو میرا پیغام پہنچا دینا کہ جنگ میں میرا انتقام لینا نہ بھول جائے کہا جاتا ہے کہ تین لاکھ ایرانی اسی کے بدلے میں مارے گئے ؛

کہ ۹۳۳ سال قبل ازمسیح) میں مقدم الذکر قرطیس نے تمام مذہبی معاہدو مواثیق کے خلاف یہ حرکت کی کہ مصر کی ایک شہزادی کو جو اس پر عاشق تھی۔ افریقہ کی طرف لے اڑا۔ مگر اُس کا جہاز تباہ ہوگیا۔ لیکن خدا کی قدرت تمام ہمراہی توڈوب گئے لیکن یہ کسی طرح بچ رہے۔ اور ڈوبتے تیرتے کنارے جالگے۔ اور شدہ شدہ وحشی افریقیوں کی ایک ملکہ کے ہاتھ لگ گئے۔ یہ ملکہ نہایت حسین گورے رنگ کی عورت تھی۔ اس نے میرے اِس مورث اعلیٰ کو مار ڈالا مفصل حالات بشرطِ زندگی آپ کو ان چیزوں سے معلوم ہونگے جو اس صندوقچہ میں ہیں۔ میرے اس مورث کے ایک لڑکا بھی ہوچکا تھا۔ مصیبت زدہ عورت اس بچے کو گود میں دبا کر کسی طرح وہاں سے نکل آئی اور ایتھنز (دارالسلطنت یونان) میں پہنچ گئی۔ اس لڑکے کا نام ماں نے ٹیستھینس یعنی منتقم رکھا۔ پانچ سو برس کے بعد ہمارا خاندان رومۃ الکبریٰ کو چلا گیا۔ اس ترکِ وطن کی مجھے وجہ نہیں معلوم ہوئی۔ پانچ سو برس یہاں رہ کر میرے ایک مورث نے شارلمین شاہِ فرانس کی ملازمت کرلی۔ اسی تقریب سے ہمارا خاندان وہاں منتقل ہوگیا۔ اور وہاں سے انگلستان۔ اب میرے پردادا پھر یونان میں آ بسے تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے خاندان پر ابتدا سے لے کر آج تک کبھی فلاکت نہیں آئی۔ اور ہر جگہ اور ہر وقت نہایت معزز و موقر رہا ہے۔ اور نیز یہ کہ دو ہزار برس سے برابر ہر شخص وحشیوں کی ملکہ سے انتقام لینے کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہا ہے۔ ۱۷۹۰ء مسیحی میں میرے دادا نے تجارت سے بڑا نفع اٹھایا۔ ۱۸۲۱ء میں جب انہوں نے انتقال کیا تو والد نے بھی وہی پیشہ اختیار کیا۔ دس برس والد کے انتقال کو ہوگئے۔ مجھے روپیہ ورثہ میں اس قدر ملا تھا کہ اگر میں فضول خرچ بھی ہوتا تو میری عمر کے لئے کافی تھا۔ میں نے کمانے کا کچھ فکر نہ کیا۔ اور اسی انتقام کی فکر میں سفر کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ انجام اچھا نہ ہوا۔ جہاز تباہ ہوگیا۔ اور میں خدا خدا کرکے بیک بینی و دو گوش واپس آگیا۔ اور ایتھنز میں شادی کرلی۔ میری بیوی شہر بھر میں حسن کے لحاظ سے ضرب المثل تھی۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی اور سال ہی بھر کے بعد اس بچہ کی پیدائش کے وقت بیچاری ناشاد و نامراد چل بسی۔

اِسی صدمہ نے مجھے اِن دہاڑوں کو پہنچا دیا۔ لیکن اس پر بھی اس انتقام کا خیال دل سے نہیں نکلا ہے۔ لیکن افسوس کہ اب مہلت نہیں۔ موت تقاضا کر رہی ہے اور میں پابرکاب بیٹھا ہوں ؎

غرض میری شادی نے چند روز کے لئے میرے خیال میں ایک طرح کی بددلی پیدا کردی تھی۔ پھر تو موقعہ ہی نہیں رہا۔ وقت ہی جاتا رہا۔ بیوی کے مرنے کے بعد پھر مجھے خیال پیدا ہوا تھا۔ لیکن میں نے کچھ اپنے تجربہ سے اور کچھ (صندوقچہ کی طرف اشارہ کرکے) اس سے یہ معلوم کیا تھا کہ اِس کام میں عربی دانی شرط ہے۔ چنانچہ اسی تقریب سے میں نے یہاں آکر عربی سیکھنی شروع کی۔ اب تو پیغامِ اجل آپہنچا۔ بس تمام دنیوی خرخشوں کا خاتمہ ہے"؎

اِس کے بعد اُن کو پھر کھانسی کا دَورہ ہوا۔ خون تھوکا اور کچھ مضمحل ہو گئے میں نے پھر قہوہ پلایا۔ وہ سستا کر کہنے لگے کہ" میں نے اس بچّہ کو چند ہفتوں کا چھوڑا تھا پھر اس کی طرف نظر کرنا مجھے گوارا ہی نہ ہوا۔ لیکن سُنا ہے کہ خاندانی اثر سے وہ نہایت خوب صورت اور ذہین بچّہ ہے (ایک لفافہ دے کر) اس میں میں نے اس کی تعلیم کا نصاب لکھ دیا ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اسی طریقہ پر اس کی تعلیم ہو۔ بادی النظر میں یہ آپ کو عجیب سا معلوم ہوگا۔ لیکن خاندانی ضرورتوں کے لئے لابُد ہے۔ اور سوا آپ کے اَور کسی پر بظاہر اتنا اطمینان نہیں ہے کہ اس کی ولایت و کفالت کریگا۔ ایک مرتبہ پھر کہئے کہ آپ اس کو منظور کرتے ہیں؟"؎

مَیں" میں ابھی تک پُوری طرح یہی نہیں سمجھا کہ مجھ سے کیا منظور کرایا جاتا ہے"؎

دوست" مفصل سُنئے۔ اس بچّہ کی پچیسویں سالگرہ تک ولایت۔ اس کی تعلیم کی کفالت۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی مدرسہ یا مکتب میں نہ بھیجا جائے۔ اس کی پچیسویں سالگرہ کے روز آپ کی ولایت ختم ہو جائیگی۔ اُس روز آپ (ایک کنجی دے کر) اس کنجی سے اس صندوقچہ کو کھولئے اور لڑکے کو جو کچھ اس میں ہے دکھلا دیجئے۔ اور تحریرات کو پڑھا دیجئے (عام اس سے کہ وہ تحریرات کسی چیز پر ہوں) پھر اس سے دریافت کیجئے کہ آیا وہ اُن کی تعمیل کرنا چاہتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس پر

کوئی جبر تو ہوگا ہی نہیں - اب رہا آپ کے احسان کا معاوضہ - میری موجودہ آمدنی دو ہزار دو سو روپیہ سالانہ کی ہے - اس میں سے نصف میں اپنے وصیت نامہ میں آپ کے نام لکھ چکا ہوں - یعنی ایک ہزار تو محض آپ کا محنتانہ یا معاوضہ ہے - اور سو روپیہ ماہوار بچّہ کی دیکھ ریکھ اور تعلیم کا خرچ - باقی گیارہ سو روپیہ سالانہ پچیسویں سالگرہ تک جمع ہوتا رہیگا - تاکہ اگر وہ اس کام کو کرنا چاہے - تو اس کے لئے کافی خرچ ہو - بس صرف اسی قدر "

میں "لیکن فرض کیجئے کہ میں اس اثنا میں مر ہی جاؤں ؟"

دوست " اس صورت میں اُس بچّہ کی پرورش - آپ کے پاس مصر میں ہو یا یونان میں سلطنت کے ذمّہ ہے - میں یہ کل مراتب اپنے وصیت نامہ میں لکھ چکا ہوں - لیکن ہاں یہ آپ کے ذمّہ ہے کہ آپ اپنے وصیت نامہ کی رو سے یہ صندوقچہ یوں ہی مقفل اس لڑکے تک پہنچا دیجئے - دیکھئے آپ انکار نہ کیجئے گا - آپ کا بھی اس میں مفاد ہے (مسکرا کر) یقین کیجئے کہ آپ دنیا اور اہل دنیا کے لئے نہیں پیدا ہوئے ہیں - اگر آپ نے کہیں شادی بھی کر لی تو آپ کی زندگی اَور بھی تلخ گزریگی - معاف کیجئیگا - میں ذرا بے تکلف ہوتا جاتا ہوں - آپ کی صُورت کو دیکھ کر کوئی عورت آپ کے ہم پہلو ہونا گوارا نہ کرے گی - آپ کو ہمیشہ ایک طرح کی شرمندگی اُٹھانی پڑے گی - بیوی آپ کے حسب دلخواہ نہ ہو گی - آپ کو اپنے مذاقِ علمی کا مزہ بھی نہ آنے دیگی بس بہتر تدبیر یہی ہے کہ آپ اس طرح اپنا جی بہلائیں کہ اس بچّہ کو اپنا بچّہ سمجھیں "

وہ پھر جواب کا انتظار کرنے لگے - لیکن سچ کہوں مجھے ان تجاویز اور گونہ دور از کار باتوں پر ایسا تعجب آرہا تھا کہ کچھ کہتے نہ بن پڑتا تھا - وہ کچھ انتظار کرکے کسی قدر مایوس سے ہو گئے ء

دوست " دیکھنا حنیف! انکار کی گنجائش نہیں ہے - میری خاطر سے اور خدا کے واسطے اس کو منظور کر لو - مگر دل کے ساتھ "

میں " اچھا خیر - توکلت علی اللہ یوں ہی سہی - میں منظور کرتا ہوں - مگر اس شرط پر کہ (لفافہ دکھلا کر) اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو کہ مجھے پچھتانا پڑے "

دوست "خدا آپ کو جزا خیر دے۔ بس اب میں اطمینان سے جان دُونگا۔ یہ آپ یقین کیجئے کہ اس لفافہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا آپ کو خطرہ ہو۔ لیکن آپ مزید اطمینان کے لیے قسم کھائیے"

مَیں نے قسم کھائی اور ان کے بشرہ سے اطمینان ظاہر ہوا:

دوست "بس اب مجھے کامل اطمینان ہُوا۔ پر یاد رکھنا کہ اگر تم اپنی قسم میں حانث ہوئے تو کسی روز مَیں تم سے رو در رو ایک بڑے حاکم کے سامنے اس کا جواب مانگوں گا۔ کیونکہ گو میں مرجاؤں۔ اور بھولا بسرا ہوجاؤں۔ لیکن پھر ایک زندگی ملنے والی ہے اور وہی حقیقی اور سچی زندگی ہوگی۔ اور اسی زندگی میں اس عارضی زندگی یا خواب پریشاں کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ سچ جانئے کہ موت کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک خاص قسم کی قید بامشقت کا نام انسانوں نے زندگی رکھ لیا ہے۔ اور وطن اصلی کی طرف رُوح کے انتقال کا نام موت۔ آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ انسان اپنی عقلمندی یا حماقت سے اس قید بامشقت کی میعاد صدیوں تک بڑھا سکتا ہے۔ لیکن تا کجے؟

یہ الفاظ کچھ ایسے جوش کے ساتھ نکلے تھے کہ (گویا) ان کی تائید کھانسی نے کی اور جذبات کے رنگ کی خُون نے چغلی کھائی۔ لیکن اس وقت مَیں آخری فقروں کو قطعی نہیں سمجھا تھا۔ اور نہ ناظرین سمجھے ہونگے۔ مگر حالت کچھ ایسی تھی کہ مجھے دریافت کرنے کی جرأت بھی نہ ہوئی:

دوست (کھڑے ہوکر) "لیجئے۔ خدا حافظ اب میں قیامت تک کے لئے آپ سے رُخصت ہوتا ہُوں۔ یہ صندوقچہ تو آپ کے پاس ہے ہی۔ میرے وصیّت نامہ کا ایک مثنیٰ میرے مکان پر میرے کاغذات میں کہیں پڑا ملیگا۔ اسی سے آپ اس بچّہ کا دعوٰے کرسکتے ہیں۔ آپ کی دیانتداری میں مجھے تو کلام ہے نہیں۔ لیکن یاد رکھئے کہ اگر آپ نے ذرا بھی خلاف کیا۔ تو میدان حشر میں آپ کا دامن اور میرا ہاتھ ہوگا"

میں "آپ عجیب باتیں کرتے ہیں۔ تماشا تو یہ ہے کہ آپ نے بچہ کا نام نہ بتلایا"

دوست "اس کا نام ——— اچھا ——— امین ——— اس کا نام ہے"

اس میں ان کی نظر کہیں آئینہ پر پڑ گئی۔ اُٹھا کر دیکھا اور رکھ دیا +

دوست "یہ جسم جس کو میں نے کن کن نازوں سے پالا ہے۔ چند ہی گھنٹوں میں سرد اور سخت ہو گا۔ اور صبح تک حشرات الارض کی خوراک بن جائیگا۔ آج سفر کا آخری مقام ہے اور کھیل تماشے کا اختتام۔ بھائی یہ زندگی کسی طرح اس قابل نہیں ہے کہ جینے کے لئے آدمی یہ تمام کوفت اٹھائے۔ کم سے کم میری زندگی تو اس قابل نہیں رہی۔ ہاں البتہ ایک صورت میں ضرور زندگی کا لطف آتا ہے۔ یعنی بحالتِ عشق۔ اور وہ بھی ہجر وا نتظار میں نہ وصل و وصال میں۔ خدا کرے کہ امین کی زندگی ایسی گزرے کہ اس کو میری طرح پچھتانا نہ پڑے۔ لو خدا حافظ"!

میں مبہوت بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ وہ مجھے اپنی طرف بڑھتا نہ دیکھ کر خود بڑھے اور بغل گیر ہو کر چل دئے۔ وہ کوئی سو قدم گئے ہوں گے کہ مجھے کچھ خیال آیا دوڑا اور اُن سے کہا کہ مجھے آپ کی باتوں سے شبہ ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہیں آپ"!

دوست "تو بہ کیجئے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں خدا کی مشیّت کا انتظار نہ کر کے اپنی بھونڈی صنعت سے کام لے کر مروں۔ جائیے۔ آپ اطمینان رکھئے اور مجھے اور اپنے وعدہ کو ہمیشہ یاد رکھئے"

میں خاموش واپس چلا آیا۔ اور امتحان کو بھول کر وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔ خیالات کا تلاطم ہوا۔ اور طرح طرح کی باتیں اُمنڈ اُمنڈ کر دل میں آنے لگیں اور عجیب عجیب سوالات طبیعت نے پیدا کئے۔ یہ حضرت کہیں نشہ کی ترنگ میں تو نہ تھے؟ نہیں آجتک تو کبھی ایسا شبہ ان پر نہیں ہوا۔ بیماری نے کہیں دماغ کو تو نہیں بگاڑ دیا؟ سِل کو دماغ سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اس کا مریض تو جان توڑنے تک کامل ہوش میں رہتا ہے۔ صحت کی مایوسی نے تو یہ باتیں نہیں کہلوائی ہیں؟ یہ حالت بھی معلوم نہیں ہوتی۔ تماشے چلتے پھرتے ہیں۔ صندوقچہ کا بوجھ اُٹھا کر لائے ہیں اور کیا چاہئے مجھے تو ساری بناوٹ ہی معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس کی ضرورت ہی کون تھی؟ عجیب معاملہ ہے۔ کہ ایک شخص کے لڑکا ہو۔ اور وہ اس کو دیکھنا بھی گوارا نہ کرے۔ لطف یہ ہے کہ ایک شخص اپنی موت کی نہایت تیقّن کے ساتھ پیشینگوئی کر رہا ہو وہی اپنی نسل کو بائیس تیئیس صدیاں گزر جانے پر بھی صاف و بے لوث کہتا ہے۔

حیرت یہ کہ وہی شخص اپنے چند روزہ واقف کے لئے اپنا نصف ترکہ ہبہ کردے ساری باتیں ناممکن ہیں۔"

اپنے نزدیک تمام باتوں کو ناممکن قرار دے کر مجھے کچھ اطمینان ہوا اور نیند آگئی۔ اپنے اندازہ میں بہت تھوڑا سویا تھا کہ کسی کی آواز سے آنکھ کھلی۔ دیکھا تو کوئی آٹھ بج چکے ہونگے۔ دھوپ پھیلی ہوئی ہے۔ اور میرے اسی دوست کا آدمی زرد و سوگوار دروازہ پر کھڑا ہے۔ رات کی باتیں ابھی ذہن میں تھیں۔ گھبرا کر پوچھا کہ خیریت تو ہے۔ معلوم ہوا کہ اس دوست نے انتقال کیا اور جنازہ کے لئے میرا انتظار ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

باب دوم

من طفلے کہ شوخیہا بود گہوارۂ خوابش
نگنجد در کنارِ ہر دو عالم حسن بے تابش

ان حضرت کی دفعتہً موت سے جامع بھر میں ایک حیرت و افسوس تھا۔ ہر شخص تجہیز و تکفین کی فکر میں تھا۔ لیکن مجھے ایک اور دقت پیش آئی کہ مجھے ان کے خیالاتِ مذہبی کا پوری طرح علم نہ تھا۔ میں اپنے نزدیک یہ سمجھا تھا کہ وہ یہودی ہیں لیکن یہ قیاس ہی قیاس تھا۔ ممکن ہے کہ عیسائی ہوں یا شاید مسلمان۔ بہر حال میں فکر میں تھا کہ تجہیز و تکفین کس طریقہ پر ہونی چاہئے۔ غنیمت ہوا کہ اس کے اظہار کی نوبت نہ آئی تھی کہ میرے سوچتے ہی سوچتے لوگوں نے مسلمانوں کی طرح جنازہ تیار کر لیا۔ میں نے بھی خاموش نماز پڑھ لی۔ اور ظہر کے وقت تک دفن سے فراغت ہو گئی۔ وہاں سے میں سیدھا اپنے حجرہ میں آیا۔ اور کھانا کھا کر ان

دوست "یہ جسم جس کو میں نے کن کن نازوں سے پالا ہے۔ چند ہی گھنٹوں میں سرد اور سخت ہو گا۔ اور صبح تک حشرات الارض کی خوراک بن جائیگا۔ آج سفر کا آخری مقام ہے اور کھیل تماشے کا اختتام۔ بھائی یہ زندگی کسی طرح اس قابل نہیں ہے کہ جینے کے لئے آدمی یہ تمام کوفت اٹھائے۔ کم سے کم میری زندگی تو اس قابل نہیں رہی۔ ہاں البتہ ایک صورت میں ضرور زندگی کا لطف آتا ہے۔ یعنی بحالتِ عشق۔ اور وہ بھی ہجر وانتظار میں نہ وصل و وصال میں۔ خدا کرے کہ ابین کی زندگی ایسی گزرے کہ اس کو میری طرح پچھتانا نہ پڑے۔ لو خدا حافظ!"

میں مبہوت بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ وہ مجھے اپنی طرف بڑھتا نہ دیکھ کر خود بڑھے اور بغل گیر ہو کر چل دئے۔ وہ کوئی سو قدم گئے ہوں گے کہ مجھے کچھ خیال آیا دوڑا اور اُن سے کہا کہ مجھے آپ کی باتوں سے شبہ ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہیں آپ"

دوست "تو یہ کیجئے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں خدا کی مشیت کا انتظار نہ کر کے اپنی بھونڈی صنعت سے کام لے کر مروں۔ جائیے۔ آپ اطمینان رکھئے اور مجھے اور اپنے وعدہ کو ہمیشہ یاد رکھئے"

میں خاموش واپس چلا آیا۔ اور امتحان کو بھول کر وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔ خیالات کا تلاطم ہوا۔ اور طرح طرح کی باتیں اُمنڈ اُمنڈ کر دل میں آنے لگیں اور عجیب عجیب سوالات طبیعت نے پیدا کئے۔ یہ حضرت کہیں نشہ کی ترنگ میں تو نہ تھے؟ نہیں آجتک تو کبھی ایسا شبہ ان پر نہیں ہوا۔ بیماری نے کہیں دماغ کو تو نہیں بگاڑ دیا؟ سل کو دماغ سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اس کا مریض تو جان توڑنے تک کامل ہوش میں رہتا ہے۔ صحت کی مایوسی نے تو یہ باتیں نہیں کہلوائی ہیں؟ یہ حالت بھی معلوم نہیں ہوتی خاصے چلتے پھرتے ہیں۔ صندوقچہ کا بوجھ اُٹھا کر لائے ہیں اور کیا چاہئے مجھے تو ساری بناوٹ ہی معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس کی ضرورت ہی کون تھی؟ عجیب معاملہ ہے۔ کہ ایک شخص کے لڑکا ہو۔ اور وہ اس کو دیکھنا بھی گوارا نہ کرے۔ لطف یہ ہے کہ ایک شخص اپنی موت کی نہایت تیقن کے ساتھ پیشینگوئی کر رہا ہو وہی اپنی نسل کو بائیس تیئیس صدیاں گزر جانے پر بھی صاف و بے لوث کہتا ہے۔

حیرت یہ کہ وہی شخص اپنے چند روزہ واقف کے لئے اپنا نصف ترکہ ہبہ کر دے ساری باتیں ناممکن ہیں۔"

اپنے نزدیک تمام باتوں کو ناممکن قرار دے کر مجھے کچھ اطمینان ہوا اور نیند آگئی۔ اپنے اندازہ میں بہت تھوڑا سویا تھا کہ کسی کی آواز سے آنکھ کھلی۔ دیکھا تو کوئی آٹھ بج چکے ہونگے۔ دھوپ پھیلی ہوئی ہے۔ اور میرے اُسی دوست کا آدمی زرد و سوگوار دروازہ پر کھڑا ہے۔ رات کی باتیں ابھی ذہن میں تھیں۔ گھبرا کر پوچھا کہ خیریت تو ہے۔ معلوم ہوا کہ اس دوست نے انتقال کیا اور جنازہ کے لئے میرا انتظار ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

باب دوم

من و طفلے کہ شوخیہا بود گہوارۂ خوابش
نگنجد در کنارِ ہر دو عالم حسن بے تابش

ان حضرت کی دفعتہً موت سے جامع بھر میں ایک حیرت و افسوس تھا۔ ہر شخص تجہیز و تکفین کی فکر میں تھا۔ لیکن مجھے ایک اَور وقت پیش آئی کہ مجھے اُن کے خیالاتِ مذہبی کا پوری طرح علم نہ تھا۔ میں اپنے نزدیک یہ سمجھا تھا کہ وہ یہودی ہیں لیکن یہ قیاس ہی قیاس تھا۔ ممکن ہے کہ عیسائی ہوں یا شاید مسلمان۔ بہر حال میں فکر میں تھا کہ تجہیز و تکفین کس طریقہ پر ہونی چاہئے۔ غنیمت ہوا کہ اس کے اظہار کی نوبت نہ آئی تھی کہ میرے سوچتے ہی سوچتے لوگوں نے مسلمانوں کی طرح جنازہ تیار کر لیا۔ میں نے بھی خاموش نماز پڑھ لی۔ اور ظہر کے وقت تک دفن سے فراغت ہو گئی۔ وہاں سے میں سیدھا اپنے حجرہ میں آیا۔ اور کھانا کھا کر ان

واقعات پر غور کرنے لگا۔ جن باتوں کو میں رات اپنے نزدیک ناممکن قرار دے چکا تھا۔ اب وہ واقع ہوتی نظر آرہی تھیں۔ رات کو چونکہ اچھی طرح نہ سو سکا تھا۔ اس وقت نیند نے اس گہرے دریا سے نکال کر ایک اور دنیا میں پہنچا دیا۔ وہ دن تو خیر گزر گیا۔ دوسرے روز میں جاکر وصیت نامہ کا منشی لے آیا۔ کچھ روپیہ اُن کی جیب سے نکلا۔ اسی سے میں نے کرایہ مکان اور خدمت گار کی تنخواہ ادا کی۔ اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ مرحوم نے ایک خط اپنے خدمت گار کو دیکر کہا تھا۔ کہ یہ خط میرے دفن ہونے کے بعد ڈاک میں ڈال دینا۔ چنانچہ اس نے ڈال دیا۔ دو ہفتے گزر گئے۔ اور کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ بجز اس کے کہ میں نے امتحان دیا اور کامیاب ہو گیا۔ اب مجھے پھر اس طرف توجہ کرنے کی مہلت ملی۔ ابن کے بلانے کی تدابیر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ چٹھی رسان نے ایک بھاری نیا لفافہ مجھے لاکر دیا۔ کھولا تو معلوم ہوا کہ ایتھنز دار السلطنت یونان سے پیلیو لوگس نامی ایک وکیل کا ہے۔ فرنچ سے اس کا ترجمہ ذیل میں لکھتا ہوں:۔

جناب بندہ!

مجھ کو معتبر ذریعے سے اطلاع ملی ہے کہ میرے معزز مؤکل ـــــ صاحب نے بتاریخ ـــــ قاہرہ میں انتقال فرمایا۔ مرحوم نے میری معرفت وصیت نامہ لکھوایا تھا۔ جو بجنسہٖ ملفوف کرتا ہوں۔ اس سے آپ معلوم کرینگے کہ مرحوم کے متروکہ کی آئندہ نصف آمدنی آپ کی طرف اس شرط سے منتقل ہوتی ہے کہ آپ اُن کے اکلوتے پنج سالہ بیٹے ـــــ عرف ابن کی ولایت وکفالت اپنے ذمہ لیں۔

میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ اگر یہ وثیقہ خود میں نے مرحوم کے مواجہ میں خود ان ہی کی ہدایتوں کے بموجب۔ ان کے اثبات عقل و ہوش میں لکھا ہوتا تو میں اس کی تعمیل بلا خاص اجازت عدالت کبھی نہ کرتا۔ کیونکہ بادی النظر میں اس کی شرائط ہی نرالی ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ مرحوم ایک ذی ہوش صاحب فہم دور اندیش شخص تھے اور اپنے اکلوتے لڑکے کے بدخواہ نہیں ہو سکتے لہذا میں طوعاً و کرہاً تعمیل پر مجبور ہوں۔ اور اُس یتیم بچہ کے متعلق آپ کی ہدایات کا

منتظر ہوں ۔ میں ہوں آپ کا نیازمند

اینیفنر۔ پلیبولوگس

تاریخ ماہ سنہ وکیل ومختار صاحب

مَیں نے اس وصیت نامہ کو منشی ٰ سے مقابلہ کیا۔ اور ایک کو دوسرے کی نقل پایا۔ جو کچھ مرحوم نے مجھ سے زبانی کہا تھا۔ اُس کے سوا کوئی نئی بات اس میں نہ تھی۔ اب مجھے لفافہ یاد آیا۔ میرے ہی نام اس میں رقعہ تھا اور وہی ہدایتیں اُس میں تھیں امین کی تعلیم کے لئے عربی کا اعلیٰ علمِ ادب۔ اور ریاضی انتخاب کیا تھا۔ البتہ اتنی بات زیادہ تھی کہ اگر امین پچیس سال کی عمر سے پہلے ہی مرجائے۔ (جس کی مجھے امید نہیں ہے) تو آپ خود اس صندوقچہ کو کھول لیجئے۔ اور اگر آپ چاہیں۔ اور آپ سے ممکن ہو تو اس میں جو کچھ نکلے۔ ان ہدایتوں پر کاربند ہوجئے۔ ورنہ اُن تمام چیزوں کو ضائع کر دیجئے۔ کسی غیر شخص کے دکھلانے یا بتلانے کی میری طرف سے سخت ممانعت ہے ؛

عجیب قصہ تھا کہ آدمی کچھ رائے قائم ہی نہیں کرسکتا تھا۔ بہرکیف اب میں نے اس معاملہ میں زیادہ سوچنا فضول سمجھ کر یونان لکھ بھیجا کہ اس بچہ کو فوراً بحفاظت تمام میرے پاس بھیج دیا جائے ؛

مجھے جامع ازہر کے در و دیوار تک سے محبت تھی۔ اور سوچ رکھا تھا کہ اگر مَیں امتحان میں کامیاب ہوگیا۔ تب بھی اپنا حجرہ نہ چھوڑونگا۔ لیکن اب تو صورت ہی اور آن پڑی۔ اور بمجبوری مجھے الگ مکان لینا پڑا۔ جو اتفاق سے وہیں جامع کے قریب ہی مل گیا ؛

اب دوسرا فکر تھا۔ کھلائی کا بہم پہنچانا۔ اگر میں کوئی عورت تلاش کرتا تو شاید مل جاتی۔ لیکن مَیں نے بوجوہ مرد کا رکھنا مناسب سمجھا۔ اس تلاش میں مجھے جس قدر دقت اٹھانی پڑی ہے میرا ہی جی جانتا ہے۔ مگر شکر ہے کہ ایک شخص **ایوب** نامی حسب دلخواہ مل گیا۔ یہ شخص ایک شریف النسل مگر فلاکت زدہ خاندان سے تھا۔ غریب کی تیرہ چودہ اولادوں میں سے ایک بھی باقی نہ رہی

تھی۔ غضب یہ کہ پچھلے سال بیوی بھی مر چکی تھی۔ تنہائی میں بھی سخت عسرت کے ساتھ بسر کرتا تھا۔ مگر نہایت نیک دل اور قانع۔ کچھ شُدبُد پڑھا لکھا بھی تھا۔ اس کے بعد مَیں نے امراض صبیان اور پرورش اطفال کی چند کتابیں خریدیں اور پہلے ان کو بالاستیعاب خود دیکھا۔ اور پھر ایوب کو سُنایا سمجھایا ؂

اس کا مجھے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ امین ایک بڑھیا کے ہمراہ جلد میرے پاس پہنچ گیا۔ مَیں کیا عرض کروں کہ یہ بچہ کس قدر حسین تھا ؎

نمیدانم کدامیں آفتاب امروز طالع شد کہ مے گردد بچشم آئینہ آب از تماشایش

حقیقت یہ ہے کہ ایسا خوبصورت بچہ میری تو کیا بہت کم لوگوں کی نظر سے گزرا ہوگا۔ اس کا سُرخ و سپید رنگ تھا۔ بھرا بھرا بھولا چہرہ۔ بڑی بڑی نیلی آنکھیں چوڑا چکلا ماتھا۔ یونانیوں کے حُسن وعشق کے دیوتا کی تصویر۔ نورٌ علےٰ نور اس کے سُنہرے گھونگھریالے بال۔ دُور سے بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ قدرت کاملہ نے اپنی فیاضی سے ایک سونے کا ڈلا سر پر رکھ دیا ہے۔ ہوا میں تارِ زر کی طرح پھر پھراتے ہوئے۔ دُھوپ میں زریں مُقیش کی طرح چمکتے ہوتے۔ غرض سر کیا تھا۔ کانِ دلکشی و جان دلربائی تھا۔ ذہانت اس پر قربان ہوئی جاتی تھی۔ اور شوخی پیر چومتی تھی ؂

دوسرے روز پرانی کھلائی کے رخصت کے وقت امین کے رونے کا سماں اب بھی کبھی میری آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے تو قلب پر ایک صدمہ ہوتا ہے۔ اب اس کا بہلانا ذرا دقت طلب بات ہوتی تھی۔ میں الگ بے تابانہ اس کو گود میں لینے کی فکر میں تھا اور ایوب کھڑا ہوا الگ بہلانے کی کوشش میں تھا۔ باجا بجایا کھلونے دکھلائے۔ زنجیر کھڑکھڑائی۔ لیکن امین تھے کہ خبر بھی نہ ہوتے تھے۔ آخر کب تک؟ حضرتِ انسان جو پریوں کو شیشے میں اتار لیں۔ پڑھے جنوں کو قید کرلیں۔ اُن کے لئے ایک بچہ کا بہلا لینا کتنی بڑی بات تھی۔ دو گھنٹہ کامل کے بعد ادھر اُن کے آنسو تھمے۔ اور امین کچھ سوچ کر میری گود میں آبیٹھے۔ مَیں نے کھانا منگوا کر سامنے کیا۔ مجھے تو اندیشہ تھا کہ نظر نہ لگ جائے کیونکہ اس نے

اتنا کھایا کہ جو اس کی عمر و بساط سے زیادہ تھا۔ اس وقت سے اب تک امین کی خوراک ماشاء اللہ بہت اچھی ہے۔ گو میں فارغ التحصیل ہو چکا تھا۔ لیکن پھر بھی شوق و ذوق علمی مجھے ہر روز جامع ازہر میں کھینچ لے جایا کرتا تھا۔ اور اکثر دو دو چار چار گھنٹے میرے وہاں صرف ہوتے تھے۔ امین سایہ کی طرح میرے ساتھ ہوتے ہی تھے۔ جامع میں اُور بھی ہل مل گئے۔ اگرچہ قواعد جامع کی رو سے کوئی بچہ مدرسہ میں نہیں جا سکتا تھا۔ مگر امین کے واسطے سارے قاعدے نہ ہو گئے۔ یہ حضرت استادوں کی گود میں جا ڈٹتے۔ طالب علموں کے کندھوں پر چڑھ جاتے۔ کتابیں اُلٹ پلٹ کر دیتے یا خود لے بیٹھتے۔ دوات قلم کے مالک بن بیٹھنا۔ کتابوں پر لکیریں کھینچ دینی۔ عین سبق کے حلقہ میں اپنے گھوڑے سے کھیلنا۔ یہ حضرت کے جامع ازہر کے مشغلے تھے۔ ان کی بھولی بھالی باتیں بچپن کے تماشے۔ خوبصورت چہرہ کی دلربائی ایسی نہ تھی کہ اسے دیکھ کر کوئی قاعدے یاد رہ سکتے۔ مجھے بھی امین سے وہ عشق تھا (اور تھا کیا معنی اب تک ہے) کہ شاید کسی باپ کو اپنے بیٹے سے کبھی ہوا ہو ؛

غرض نام خدا اب امین بچہ سے لڑکا کہلانے کے قابل ہوا۔ اُور عمر کے ساتھ اس کے حسن خداداد نے ترقی کی۔ اور سلیم الطبعی اُور ذہانت کے جوہر نہایت وضاحت سے نظر آنے لگے۔ مَیں نے وصیت کے موافق ان کو خود پڑھانا شروع کیا۔ میری امید سے زیادہ انہوں نے توجہ کی۔ ذہین تھے ہی۔ چند ہی روز میں کہیں سے کہیں پہنچے۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ اٹھارہ برس کی عمر میں وہ اپنا نصاب تعلیم بالکل ختم کر چکے تھے۔ مَیں نے مزید اطمینان کے لئے چند روز ان کو جامع میں داخل کرا کر ادب و ریاضی کے اعلےٰ نصاب کا امتحان بھی دلوا دیا ؛

ایک روز مَیں نے موقع پا کر اُن کا اور اُن کے خاندان کا اپنے مبلغ علم کی حد تک قصہ سُنایا۔ بالطبع اس پر اُن کو تعجب ہوا۔ اور اُسی روز صندوقچہ کھولنے کی فرمائش کی۔ مگر مَیں نے ان کے والد کی وصیت سُنا دی اور وہ خاموش ہو رہے۔ مجھے شکار کی لت تھی۔ اُور اب تک ہے۔ امین کو بھی مَیں ہر جگہ ساتھ

لے جاتا تھا۔ چند ہی روز میں ان حضرت نے نشانہ بازی میں مجھے مات کر دیا۔ اب بھی یہ مجھ سے کہیں اچھا نشانہ لگاتے ہیں ؎

مجھے سب سے زیادہ دقت امین کے بالغ ہونے کے بعد یہ پڑی کہ قاہرہ بھر کی خواتین اس پر فدا تھیں۔ ہر طرف سے ڈورے ڈالے جاتے تھے۔ اور دن میں دو چار مشاطہ پیغام لئے موجود ہی رہتی تھیں ؎

یہ قصے بجائے خود نہایت دلچسپ ہیں۔ عورتوں کے عشق کا رنگ جس جس پہلو میں ظاہر ہوتا تھا۔ وُہ سُننے کے قابل ہے۔ مگر یہاں اس کا محل نہیں۔ بہرحال امین کا بچا رہنا کچھ میری احتیاط اور تربیت کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ وہ خود طبعاً سعید واقع ہوئے تھے۔ اور گو اُن کے آباو اجداد کا مذہب کچھ ہی رہا ہو۔ لیکن وہ اپنی ذات سے (بجز اس کے کہ ڈاڑھی کو قصر کراتے ہیں) اس وقت تک ایک متقی پابندِ فرائض مسلمان ہیں ؎

غرض میری زندگی کا یہ زمانہ نہایت لطف کے ساتھ گزرا۔ یہاں تک کہ امین پچیس برس کے ہو گئے۔ اور ان کی سالگرہ کی تاریخ آ گئی۔ درحقیقت یہ قِصہ اسی روز سے شروع ہوتا ہے ؎

افسانہ بود دریں جریدہ　　معجون دل و شراب دیدہ

باب سوم

گوہر مخزن اسرار ہماں است کہ بُود
حقۂ راز بداں مہر و نشاں است کہ بُود

جس روز امین کی چھبیسویں سالگرہ کی تقریب تھی۔ اُس روز صبح ہی سے میری طبیعت میں ایک طرح کی گھبراہٹ تھی۔ کسی کام میں جی نہ لگتا تھا۔ قلب کی

عجیب کیفیت تھی کہ کسی طرح بیان نہیں کی جا سکتی۔ قیاس چاہتا ہے کہ امین کی بھی یہی یا اسی کے قریب قریب حالت ہو۔ کیونکہ وہ بھی آج دن خاموش رہتے میں نے عصر کی نماز پڑھ کر اپنے مرحوم دوست کا صندوقچہ نکالا۔ اور امین نے دیکھتے ہی کھولنے کا تقاضا شروع کیا۔ مگر میں نے یہ کہ کر ٹال دیا کہ جہاں تم نے پچیس برس انتظار کیا ہے۔ وہاں کھانے کے بعد تک اَور انتظار کر لو ؛

ہم نے پہلے مصلیوں اَور پھر احباب کو کھانا کھلایا (ایوب سمیت) تینوں نے مل کر عشا کی نماز پڑھی۔ خود کھانا کھایا۔ ایوب اپنے گھر جانے لگا۔ مگر مَیں نے اس کو روک لیا۔ تاکہ وہ بھی ایک طرح کا گواہ رہے۔ دروازہ اندر سے بند کرا دیا ؛

مَیں نے آج بیس برس کے بعد وہ کنجیاں نکالیں جو امین کے والد اپنے مرنے کی رات مجھے سپرد کر گئے تھے۔ ان میں سے ایک تو معمولی زمانہ حال کے قفل کی کنجی تھی۔ دوسرے ذرا پرانے زمانہ کی۔ تیسری بہت ہی پرانی چھوٹی سی چلیپا کی شکل کی تھی۔ جیسی آپ نے ریل گاڑیوں کی کنجیاں دیکھی ہیں۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ یہ سپاٹ ہوتی ہیں۔ اور اس کے آخر میں کچھ دندانے تھے۔ تینوں کنجیوں کو زنگ لگا ہوا تھا۔ مَیں نے پہلے ایک چاقو سے زنگ صاف کیا اور تیل لگا دیا ؛

میری اور امین کی عجیب حالت تھی کہ سینہ میں سانس بند ہوا جاتا تھا۔ اور دل دھڑک رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ ایوب بھی ہماری صورتوں کو دیکھ کر بالکل پریشان خاموش کھڑا منہ تک رہا تھا ؛

غرض مَیں نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے صندوقچہ اپنی طرف بڑھایا اور امین زیادہ توجہ کے ساتھ صندوقچہ کی طرف جُھک گئے۔ ہاتھ میں مارے رعشہ کے سکت باقی نہ تھی۔ اس لئے ذرا دقت سے قفل کھلا۔ ڈھکنا اٹھایا تو اس کے اندر ایک اَور چھوٹا سا صندوقچہ نکلا۔ ہم نے اس کو نکال کر رومال سے گرد صاف کی تو معلوم ہوا کہ یہ صندوقچہ آبنوس کا ہے۔ اور جابجا ٹوٹا ہوا۔ تاروں اور پتروں سے جڑا ہوا تھا۔ اتنی مدت کا تھا کہ نیچے کی لکڑی گھس گھس کر ٹوٹنے کے قریب ہو گئی تھی۔ اس کو بھی کھولا تو اندر سے ایک اَور چاندی کی صندوقچی

کوئی آٹھ گرہ لمبی۔ اور چھ گرہ اونچی نکلی۔ یہ مصر کی ہی ساخت معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ اس کے ڈھکنے پر بُراق نما تصویر تھی۔ اور اس کے چاروں پایوں پر بھی وہی تصویریں تھیں۔ اگرچہ قدامت نے اس پر اپنا روغن پھیر رکھا تھا۔ لیکن اس کی صنعت پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ مَیں نے اس کو نکالا اور کنجی کے دو چار جھٹکوں سے اُس کا بھی قفل کھول لیا۔ اس کے اوپر ایک قسم کی گھاس (شاید حفاظت کے لئے) پڑی ہوئی تھی۔ جس کو مَیں تمیز نہ کرسکا کہ کیا تھی۔ اور نہ ویسی اس کے پہلے یا بعد میری نظر سے گزری۔ اس کی ایک تہ میں سب سے پہلے میرے دوست کے قلم کا ایک خط نکلا۔ جس پر یہ الفاظ لکھے تھے:-

"بمطالعہ برخوردار امین۔ اگر موت اُس کو اس خط کے پڑھنے تک مُہلت دے"۔
مَیں نے یہ خط امین کو دے دیا۔ اَور انہوں نے اس کا لفافہ دیکھ کر وہیں رکھ دیا۔ اَور مجھے اشارہ کیا کہ آگے"؟

پھر ایک چرمی کاغذ نکلا جو بہت ہی احتیاط سے تہ کیا ہوا تھا۔ مَیں نے کھول کر دیکھا تو وہ بھی امین کے والد کے ہاتھ کا تھا اور اُس کی پیشانی پر یہ الفاظ تھے۔

"کتی کی یُونانی تحریر کا ترجمہ"

مَیں نے اس کو بھی وہیں رکھ دیا۔ اس کے بعد ایک اور تحریر نکلی جو ہرن کی جھلی پر تھی اور کہنگی کی وجہ سے جا بجا ٹرخی ہوئی تھی۔ مَیں نے اُس کو کھول کر دیکھا تو لاطینی زبان میں اسی تحریر کا ترجمہ تھا اور سولھویں صدی عیسوی کا لکھا ہُوا تھا۔ اس کے بعد اَور کچھ ذرا سخت سی چیز معلوم ہوئی۔ جو زرد رنگ کے حریر میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس حریری غلاف کے نیچے ایک اَور ٹسر کا غلاف تھا۔ اور اُس کے اندر ایک کتی کا ٹکڑا[1] تھا۔ جس نے قدامت کا زرد جامہ پہن رکھا تھا۔ یہ کوئی سات گرہ لمبا۔ پانچ گرہ چوڑا۔ اور پاؤ گرہ موٹا ہوگا۔ اس کے مقعر جانب پُرانی یونانی

[1] بالکل ویسا ہی جیسا ہندوستان میں چمڑہ کو دبغ کرکے بناتے ہیں۔ لیکن نہایت بد قطع۔ اس کی تصویر چھاپ دینا نہایت موزوں ہوتا۔ لیکن مجبوری ہے کہ ہندوستان میں ایسی چیزیں چھپنے میں ایسی خراب ہوجاتی ہیں کہ ان کی اصلیت مطلق سمجھ میں نہیں آسکتی۔ (مؤلف)

زبان اور یونانی حروف میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ مجھے تو روشنائی پر تعجب ہوتا ہے۔ کیونکہ دو چار جگہ سے ایسی روشن تھی۔ کہ گویا کسی نے کل ہی لکھا ہے۔ تحریر واسطی قلم کی بہت ہی خوش خط تھی ؛

معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ پُرانے زمانہ کا تبرک کسی صدمہ سے ٹوٹ بھی چکا ہے۔ کیونکہ آٹھ جگہ چاندی کی تاروں سے جڑا ہوا تھا۔ محدب جانب مختلف قلموں کے لکھے ہوئے کچھ نام تھے۔ اور مختصر عبارتیں۔ جن کا تذکرہ ہم آگے چل کر کرینگے ؛

گھانس میں پھر ٹٹولا تو صرف ایک چھوٹی سی ریشمی تھیلی نکلی۔ جس میں ایک تصویر تھی اور ایک انگوٹھی۔ اس تصویر کے دوسری طرف امین کے والد کے ہاتھ کے یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے:۔

"میری جان"

اس سے معلوم ہوا کہ یہ امین کی والدہ کی تصویر تھی۔ جس پر حُسن ہزار جان سے فدا ہو رہا تھا۔ انگوٹھی قدیم زمانہ کی بھدی قطع کی بنی ہوئی تھی۔ ایک بیش قیمت عقیق کا نگینہ تھا۔ اور اس پر یہ صُورت کندہ تھی



بادی النظر میں ناظرین شاید اس کو ایک بط اور ایک انڈے اور بدنمائی کے ساتھ ایک درخت کی تصویر خیال کرینگے۔ لیکن جن لوگوں کو مصرِ عتیق کے پُرانے کتبوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہو یا ان کو پڑھنے کی مہارت ہو۔ وہ معلوم کریں گے کہ یہ تصویر نہیں ہے بلکہ ایک جملہ ہے۔ جس کے معنی ہیں "مَلِک ابن الشمس"۔ شاید پھر غلطی کی جائے اور اس کو اسم معرفہ سمجھا جائے۔ فی الاصل یہ فراعنہ مصر کے اس خاندان کا طغرا ہے۔ جو خود کو اس نام سے موسُوم کرتے اور کہلواتے تھے ؛

امین پہلے تو اپنی والدہ کی تصویر بڑی دیر تک نہایت ادب سے دیکھتے رہے اس کو رکھ کر کہنے لگے "لائیے پہلے والدِ مرحوم کے خط سے شروع کریں"۔ خط کی مُہر توڑ ڈالی۔ اور بہ آواز بلند پڑھنا شروع کیا:۔

"برخوردارِ من!

" اگر تمہاری زندگی تم سے بیوفائی نہ کرے تو تم اس خط کے کھولنے کے وقت نام خدا پچیس برس کے ہو گئے۔ اور مَیں! میری بے گوشت ہڈیاں منوں مٹی کے نیچے پڑی ہوں گی۔ میرے احباب و واقفین میری صُورت تک بھول گئے ہوں گے۔ میرے عدم نے میرے وجود کو اس طرح ڈھکا ہو گا۔ کہ میری ہستی کا تمہارے سوا اگر کوئی شبہ بھی نہ کرے تو کچھ عجب نہیں۔ بہرحال تم اس کو پڑھتے ہوئے یہ گمان نہ کر بیٹھنا کہ میں تمہارے جیسے جامہ میں کبھی نہ تھا۔ ضرور تھا۔ اُور تمہیں کیا معلوم ہے کہ اب بھی میرا کوئی تعلق تم سے اُور تمہاری زمین سے باقی ہو؟ اس کے لئے شاید یہی کافی ہو گا کہ مَیں اس وقت تمہارے ساتھ قعرِ قبر سے قلم و کاغذ کے واسطہ سے ہمکلام ہُوں۔ گو مَیں مر چکا اور اہلِ دنیا نے مجھے بھلا دیا۔ مگر جہاں آدمی ایک مُدت رہا ہو (حتیٰ کہ قید خانہ) اس کے در و دیوار تک سے محبّت ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ اسی طرح میری روح کو تمہاری دُنیا سے محبّت ہو۔ اور جس وقت تم یہ خط پڑھ رہے ہو۔ مَیں اپنی رُوح کے ساتھ تمہارے پاس موجود ہوں ❖

" تمہاری پیدائش سے لے کر مرتے دم تک مَیں نے تمہاری صُورت آنکھ بھر کر نہیں دیکھی ہے۔ اس کی مَیں آج تم سے معافی چاہتا ہوں۔ تمہارے فدیہ میں ایک ایسی عزیز جان گئی ہے کہ جس کا صدمہ شاید مجھے قبر میں بھی چین نہ آنے دے گا۔ اور اسی صدمہ نے۔ ہائے اِسی صدمہ نے مجھے تمہاری صورت نہ دیکھنے دی۔ ممکن تھا کہ اگر مَیں چند روز اُور زندہ رہتا تو اپنے اِس احمقانہ خیال پر غالب آجاتا۔ لیکن اب تو اِس حسرت کا اظہار بھی گویا عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہے۔ میری جسمانی و روحانی تکالیف ایسی ہیں کہ اب خود میں اُن کے بار اٹھانے کی طاقت نہیں دیکھتا۔ اور جیسے ہی مَیں نے تمہاری پرورش اور آسائش کا انتظام کر لیا۔ بس مَیں وہیں اس خط کے پار اُتر جاؤنگا۔ جہاں سے لوٹ کر آنا کسی ذی رُوح کے اختیار میں نہیں ہے۔ خدا میرے گناہوں کو اور بالخصوص

اِس گناہ کو معاف کرے۔ مَیں بہر حال اگلے سال تک زندہ نہیں رہنا چاہتا۔"
مَیں۔ اُفوہ! یہ عقدہ آج حل ہوا۔ مَیں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ انہوں نے خودکشی کی ہے
ایبن نے صرف آنکھ اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پڑھنا شروع کیا:-

"غرض میرا تو خاتمہ ہو چکا۔ اہل دنیا میں بھلا دیا جا چکا۔ اور مَیں ہاتھ پیر ہلانے کے قابل نہیں رہا۔ اب آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند۔ صرف تم ہی پر میری نظر پڑتی ہے، شاید تم ہمّت کر کے اُس حسرت کا جو میرے ساتھ قبر میں بسمل پڑی ہے۔ علاج کرسکو۔ میرے دوست حنیف نے اگر تمہاری ولایت منظور کر لی تو وہ تمہاری نسل کی قدامت کا حال بیان کر دینگے۔ اگر اس میں کچھ شبہ رہیگا۔ تو ایک ٹھیکری کا ٹکڑا رفع کر دیگا۔ وہ عجیب فسانہ جو اس پر تمہاری مورثہ علیا کا لکھا ہوا ہے تمہیں تعجب میں ڈالیگا۔ میرے والد نے بستر مرگ پر جب یہ مجھے حوالہ کی تھی تو مجھے بھی کم تعجب نہ ہوا تھا۔ مَیں نے اپنے انیسویں برس میں اس کی تحقیقات کا ارادہ کیا تھا۔ اور مجھ سے ڈھائی سو برس پہلے ہمارے ایک اور بزرگ نے بھی اسی فکر میں سفر کیا تھا۔ لیکن ناکامیابی ہوئی۔ مجھ پر اس سفر میں جو جو آفتیں پڑی ہیں۔ اُن کا بالتفصیل بیان کرنا فضول ہے۔ اس قدر ضرور مَیں بچشم خود دیکھ چکا ہوں کہ افریقہ کے شمالی قطع میں (جہاں اب تک انسان کا قدم کم پہنچا ہے) جس مقام پر دریائے زمبیسی سمندر میں گرتا ہے۔ ایک کف دست میدان ہے۔ اور پھر دریا کے اس پار کچھ پہاڑیاں نظر آتی ہیں۔ ان میں سے ایک کی چوٹی بہت اونچی نکل گئی ہے۔ اور اوپر جا کر اس کی قطع بالکل کسی حبشی کے چہرہ کی سی ہو گئی ہے کہ دور سے دیکھنے والے کو بالکل یہ شبہ ہوتا ہے کہ کوئی حبشی بیٹھا جھانک رہا ہے اسی کا ذکر تمہیں اس تحریر میں ملے گا۔ مجھے اتفاق حسنہ سے اسی ملک کا ایک باشندہ وہاں چلتا پھرتا مل گیا۔ جس کو اُس کے ہم وطنوں نے کسی جُرم میں ملک بدر کر دیا تھا۔ اُسی کی زبانی یہ تحقیق ہوا۔ کہ ان پہاڑوں کے اس طرف اَور بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ قدرتی طور پر ان کی قطع پیالے کی شکل کی واقع ہوئی ہے۔ اِن ہی پہاڑوں میں کچھ کھوئیں ہیں۔ لیکن کھوؤں تک پہنچنے کے لئے بڑی بڑی دلدلوں سے

عبور کرنا پڑتا ہے۔ وہاں وحشی حبشی بستے ہیں۔ اور بگڑی ہوئی عربی زبان بولتے ہیں۔ اُن پر ایک خوبصورت سفید رنگ کی عورت حکمران ہے۔ ان کی یہ ملکہ اپنی رعایا کے سامنے کم ہوتی ہے۔ مگر اس کی قدرت و طاقت کی نسبت عوام کا یہ خیال ہے کہ وہ صرف زندوں ہی کی نہیں بلکہ مُردوں کی بھی بادشاہ ہے۔ افسوس ہے کہ اس کے دو روز بعد وہ شخص بخار کے عارضہ سے مر گیا۔ مجھے بھی بخار شروع ہو گیا۔ اور زیادہ تر دقت یہ ہوئی۔ کہ میرا نوشتہ ختم ہو چکا تھا۔ لاچار واپس آ گیا۔

"واپسی پر بھی جو جو کچھ مصائب مجھے پیش آئے ان کا ذکر لاحاصل ہے۔ مختصر یہ ہے کہ میڈیگاسکر کے قریب ہمارا جہاز تباہ ہو گیا۔ مجھے معلوم نہیں۔ کہ اَوروں کا کیا انجام ہوا۔ مگر مجھے جب ہوش آیا ہے تو مَیں نے خود کو ایک تختہ پر خشکی کے کنارہ پایا۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ وہیں پریشان رہا۔ میرا خاتمہ وہیں ہو گیا ہوتا مگر اتفاق سے ایک جہاز مل گیا۔ اسی میں ایتھنز پہنچا۔ یہاں شادی کر لی۔ تمہاری پیدائش کے وقت تمہاری والدہ نے اِنتقال کیا۔ پھر وہاں کسی طرح جی نہ لگا۔ اِدھر اُدھر پریشان پھرتا رہا۔ بزرگوں کی وصیت پوری کرنے کا خیال برابر تھا۔ اِسی غرض سے عربی پڑھنے کا قصد کیا۔ اور یوں کہنا چاہیئے کہ خمیر یہاں مصر میں گھسیٹ لایا۔ سِل کا عارضہ تو تھا ہی۔ اب زندگی دو بھر ہے۔ موت کھڑی بُلا رہی ہے۔ اور جہاں تک میرا تعلق ہے۔ قصّہ ہی پاک ہوا چاہتا ہے۔

"اگرچہ مَیں مر چکا۔ اور میرے ساتھ تمام ارادے قبر میں جا چکے۔ لیکن تم اس وقت ماشاءاللہ جوان ہو۔ اور تمہارے ساتھ تمہارے عزم اور امیدوں کی بھی اٹھتی جوانی ہے۔ اس لئے مَیں تم پر اپنی محنتوں کے نتیجہ کا اظہار کرتا ہوں اور اس کے ساتھ وہ خاندانی امانت بھی تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ جو دو ہزار برس سے آباً و جداً متوارث چلی آ رہی ہے۔ اب تم اس قصّہ کے صحیح و غلط ہونے کی نسبت رائے قائم کرو۔ اپنی ہمت ٹٹولو۔ ممکن ہو تو اپنے بزرگوں کی وصیت پوری کرو۔ یہی نہیں بلکہ عجائباتِ عالم کی سیر کرو۔ اور علم طبعیات کے محققین کے حلقہ میں ایک عجیب و

غریب چیز پیدا کر جاؤ۔ اور اگر یہ نہیں تو کم سے کم اپنے گھر بیٹھے ہی کسی طرح اس کا اطمینان کر لو۔ کہ تمام قصہ ایک عورت کے اختلالِ حواس کا نتیجہ ہے۔

"میں اپنے نزدیک تو اس کو فرضی افسانہ نہیں سمجھتا۔ بلکہ میرا یہ اعتقاد ہے کہ اُدھر ضرور عجائباتِ قدرت پوشیدہ ہیں۔ جب ہمیں زندگی کا یقین ہے۔ تو ممکن ہے کہ کچھ ایسے ذرائع بھی خالقِ ارواح نے پیدا کئے ہوں۔ جن سے انسان اپنی زندگی کو وسیع کر سکے۔ مگر تم میرے اعتقادات سے اپنی رائے نہ قائم کرو۔ بلکہ خود دیکھو اور غور کرو۔ اگر تم ادھر جانا ہی چاہو تو میں نے تمہارے واسطے ذرائع بہم پہنچا دئے ہیں۔ لیکن اگر تم اطمینان حاصل کر لو۔ کہ یہ محض فرضی بات یا کسی مجذوب کی بڑ ہے تو میری یہ آخری وصیت ہے کہ تم ان چیزوں کو جو تمہارے ہاتھ میں اس وقت دی جاتی ہیں۔ ضائع کر دو۔ اور اپنی نسل پر سے روز روز کی مصیبت ہمیشہ کے لئے اُٹھا دو۔ میرے نزدیک اپنی اولاد پر اس سے بڑھ کر اور کوئی احسان نہیں ہو سکتا۔

"بہر حال غور کر لو۔ اور جو کرو بہت سوچ سمجھ کر۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ اور تمہارا یار و مددگار رہے فقط"

یہاں یہ خط اس طرح ختم ہوا کہ نہ اس پر تاریخ تحریر ہے نہ راقم کا نام یا دستخط۔

امین:"عمو! (امین سے میں خود کو عمو کہلواتا تھا) اب فرمایئے۔ یہ تو سب کچھ معما معلوم ہوتا ہے۔ مگر اصلیت سے خالی نہیں"۔

میں:"بھئی کیا بتلاؤں۔ مجھے تو اس سے درستی حواس کی بو تک نہیں آتی۔ میں تو آج بیس برس ہوئے یہی سمجھے بیٹھا ہوں۔ اب اس سے زیادہ اَور کیا ثبوت چاہئے کہ مرحوم نے خودکشی کر لی"۔

ایوب:"جی بس یہی بات ہے"۔

امین:"(ایک ترجمہ اٹھا کر) لاؤ اِسے بھی پڑھ دیکھیں۔ کوئی نہ کوئی بات تو نکلیگی"۔

امین نے باآوازِ وہ ترجمہ پڑھنا شروع کیا جوان کے والد کے قلم کا لکھا ہوا تھا:۔

"یہ تحریر ہے منجانب امنیراِٹس شاہزادی خاندان فرعون مصر۔ زوجہ قرطیس

رکیننگر ٹیس) مقتداء فراعنہ کی بنام اپنے بیٹے زستھیس کے۔ مَیں تیرے باپ پر عاشق ہوئی - اور تمام مذہبی قیود کے خلاف اس کے ساتھ زمانۂ فرعون نختنف[1] میں مصر سے بھاگ گئی - ہم نے جنوب کی طرف دریاؤں کے اُس پار رُخ کیا - ہم پر بارہ دفعہ چاند چمکے - اور چھُپ گئے - مگر ہم افریقہ کے میدانوں میں ہی پریشان رہے - یہ میدان سُورج نکلنے کی سمت میں واقع ہیں - اور دریا کے اس پار ایک پہاڑ حبشی کے منہ جیسا ہے - ایک بڑی کشتی میں دریا پار ہونے کا ارادہ کیا - لیکن جنات نے ہم پر حملہ کیا - اور ہماری کشتی کو تباہ کر دیا - ہم میں گناہوں کے بوجھ نے بیماری تو پہلے ہی ڈال رکھی تھی - اب بہُت سے آدمی ڈوب بھی گئے - جنّات نے ہم دو کو اَور مصیبتوں میں ڈالنے کے لئے چھوڑ دیا - اور وحشی حبشی اس طرف پکڑ لے گئے - جہاں سمندر آسمان سے جا ملا ہے - دس روز برابر وہ ہمیں لئے ہوئے چلے گئے - یہاں تک کہ اس مقام میں پہنچے - جہاں پہاڑوں کی کھوئیں - اور جہاں کسی زمانہ میں ایک بڑا شہر آباد تھا - اب جنات نے اُسے تباہ کر دیا ہے - اَور جہاں اَور بہت سی کھوئیں موجُود ہیں - جن کو غیر آدمیوں نے نہیں دیکھا - اور جہاں وہ لوگ رہتے ہیں - جو مُسافروں کے سروں پر لال توار رکھتے ہیں - اس قوم پر ایک عورت بادشاہت کرتی ہے جو جادوگرنی ہے اَور جس کو اگلا پچھلا علم حاصل ہے - جو بہُت خوب صُورت ہے اور اپنے جادو کے زور سے کبھی نہیں مریگی - اس عورت نے تیرے باپ کو بُری نیت سے دیکھا - اور مجھے قتل کر کے اس کو اپنا شوہر بنانا چاہا - تیرا باپ میرا عاشق تھا - اور اس عورت سے بھی ڈرتا تھا - لیکن اس نے بالکل انکار کر دیا - پھر وہ عورت اپنے جادو کے زور سے بڑے بڑے کٹھن راستے طے کر کے ہمیں اُس جگہ لے گئی - جہاں ایک پہاڑ کے اندر ایک بہُت بڑا غار ہے - اَور جہاں قدیم زمانہ کا ایک حکیم مرا پڑا ہے - اور ہم کو حیاتِ ابدی کا ایک روشن مینار دکھلایا - جس کو سکوُن نہیں اور ہر وقت چلتا پھرتا رہتا ہے اور جس کی رعد کی سی آواز ہے

[1] آخری فرعونِ مصر جو ۳۳۹ سال قبل از مسیح ایک لڑائی میں شکست کھا کر حبش کی طرف بھاگ گیا - اور وہیں مر گیا ۰

وہ جادوگرنی اِس حیات ابدی کے روشن مینارہ کے شعلوں میں جاکھڑی ہوئی اور اس کو کچھ نقصان نہ پہنچا - بلکہ پہلے سے زیادہ جوان اور خوبصورت ہوگئی - پھر اس جادوگرنی نے قسم کھائی کہ اگر تیرا باپ مجھے اپنے ہاتھ سے قتل کرے - اور اس کو اپنی بیوی بنالے تو وہ تیرے باپ کو بھی اپنے ہی جیسا بنا لے گی کہ موت کبھی اُس کے پاس تک نہ پھٹکنے پائیگی۔ مجھ کو وہ اپنے ہاتھ سے اس لئے قتل نہیں کرسکتی تھی کہ میری قوم کا جادُو اس کے جادُو سے زیادہ قوی تھا - اور اس کا اثر اس وقت تک میرے جسم پر باقی تھا - تیرے باپ نے اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا کہ اس کی صُورت نہ دیکھ سکے - مگر وہ برابر دیکھتا رہا - جادوگرنی کو غصہ آیا - اور اس نے تیرے باپ کو اپنے جادو کے زور سے مار ڈالا - اور پھر بہُت روئی - اور روتی دھوتی اس کی لاش کو وہاں سے نکال لائی - مجھ سے بہُت ڈری اور مجھے دریا کے کنارے تک پہنچا دیا - مَیں جہاز میں سوار ہوئی - اور جہاز ہی پر تُو پیدا ہُوا - اور میں مدتوں کی پریشانی اور مصیبتوں کے بعد ایتھنز میں پہنچ گئی - اب اے میرے بیٹے رستھینس مَیں تجھ سے کہتی ہوں کہ تُو اُس جادوگرنی کو تلاش کر - اور اگر تجھے وہاں کا راستہ معلوم ہو جائے - تو تُو جا اور اپنے باپ کے خون کے بدلہ میں اس کو جاکر قتل کرڈال - اور تو ڈرے یا کسی اَور وجہ سے نہ جاسکے - تو تُو اپنی اولاد کو انتقام کی وصیت کرجا - اور وہ اپنی اولاد کو اور وہ اپنی اولاد کو - یہاں تک کہ تیری نسل سے کوئی ایسا پیدا ہو - کہ اس جادوگرنی کو قتل کرڈالے - اس حیاتِ ابدی کے شعلوں میں نہاکر حیات ابدی پالے - اور پھر فراعنہ کے نام کو زندہ کرکے سلطنت قائم کرے - ان باتوں پر تجھے ذرا کم یقین آئیگا - مگر یہ سارے واقعات مجھ پر گزرے ہیں - اور میری آنکھوں دیکھی باتیں ہیں اَور مَیں جھوٹ کبھی نہیں بولتی ہ"

ایّوب "خدا مغفرت کرے - ابھی جھوٹ نہیں بولا"!

میں کچھ ایسا منہمک تھا کہ مجھ سے بولا ہی نہ گیا - پہلے پہلے تو خیال ہُوا تھا کہ ہمارے مرحوم دوست تو نِخے سوتے ہی - یہ شاہزادی تو اَور بھی بڑھ کر نکلیں -

(ہم تو مرشد تھے تم ولی نکلے) لیکن جیسے جیسے آگے سنتا گیا۔ میرا خیال بدلنا شروع ہوُا۔ کیونکہ کوئی شخص ایک فرضی افسانہ گھڑ کر اپنی اولاد بلکہ نسل بھر کو بے کار فکر اور مصیبت میں ہرگز نہ ڈالے گا۔ میرے دل نے گواہی دی کہ ضرور یہ قصّہ صحیح ہے۔ اپنا شبہ مٹانے کے لئے میں نے وہ کپّی کا ٹکڑا اٹھایا اور اس کو بغور پڑھا۔ اس کی زبان اس زمانہ کے لحاظ سے نہایت فصیح تھی۔ اور ترجمہ جو میں نے سنا تھا بالکل درست تھا۔ ایک بات البتّہ زیادہ تھی کہ اس کپّی کے بالائی حصّہ پر سرخی سے وہی نشان بنا ہوُا تھا۔ جو مُہر پر کندہ تھا۔ کچھ شک نہیں ہے کہ یہ فراعنہ کا خاندانی نشان تھا۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ انگوٹھی خود کسی فرعون کی تھی یا کسی شہزادی کی تھی۔ بہرحال قیاس یہ ہی ہو سکتا ہے کہ یہ شاہزادی امنیراٹس کی تھی جو قرطیس کے ساتھ بھاگتے وقت اس کے ہاتھ میں رہ گئی تھی۔ یا ان جواہرات یا زیورات میں آئی ہو جو ایسے موقعہ پر آدمی اپنے ہمراہ لے لیا کرتا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی مہر کپّی پر کس وقت لگی اور کس نے لگائی۔ بظاہر تو بعد میں لگائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرف ایک کونے میں بزبان لاطینی یہ الفاظ بھی لکھے ہوُئے ہیں:۔

"خشکی و تری خلا و آسمان پر لاکھوں باتیں ایسی ہوتی ہیں۔
جن کو سمجھنا عقل انسانی سے خارج ہے۔ مگر جھوٹ نہیں ہو سکتیں"

اِن فقروں پر "ولینی" کے دستخط ہیں۔ لاطینی میں "ولینی" زستھینس یا منتقم کا ترجمہ ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس خاندان کے ناموں میں عام اس سے کہ وہ یونانی ہوں۔ لاطینی ہوں یا فرنچ۔ لفظ انتقام یا امانت کا اشتقاق ضرور ہے۔ بالفعل آپ "امین" ہی کو لے لیجئے۔ آخر یہ کاہے کے امین ہیں؟ اسی خیالِ انتقام کے۔ یہاں یہ ظاہر کر دینا بھی خلاف موقع نہیں ہے کہ فی الاصل امین کا نام "امین" نہیں ہے۔ بلکہ ان کے والد نے آسانی کے خیال سے یا میری خاطر سے یہ نام بتلایا تھا۔ ناظرین کو شاید خیال ہو گا کہ ان کے والد نے یہ نام بتلاتے ہوئے

سوچا کیوں تھا۔ اس کی وجہ یہی تھی۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ خط امین کے والد کا اِس وقت نکلا ہے۔ اُس میں" امین" ہی لکھا ہے۔ اور یہ خط بہرصورت اس رات کی گفتگو سے پہلے کا لکھا ہؤا ہے۔ مَیں نے اپنے دل کو یُوں سمجھا لیا ہے کہ غالباً وہ یہ نام پہلے ہی تجویز کر چکے ہونگے۔ اور اس وقت بتلاتے ہوئے حافظ نے اُن سے پس و پیش کرائی ہوگی ؛

مَیں نے کپی کو لوٹا تو محدب جانب جیسا کہ میں ظاہر کر آیا ہُوں از سر تا پا لوگوں کے دستخطوں اور عبارتوں سے بھرا پایا۔ اِن میں سب سے پہلے زنتھینس ہی کے دستخط تھے۔ جن کے نام فی الاصل یہ تحریر تھی ؛

اس کے نیچے قرطیس نامی ایک شخص کی تحریر تھی ؛

" دیوتاؤں کی مرضی نہ تھی کہ مَیں جاؤں۔ اب اپنے بیٹے کے سپرد کرتا ہوں"!

یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے کے یونانیوں میں دستور تھا کہ دادا کا نام پوتے کا رکھا جاتا تھا۔ اِسی بنا پر اس شخص کا نام بھی قرطیس ہؤا۔ اس کے بعد پھر بہت سی عبارتیں اور دستخط تھے جو اچھی طرح پڑھے نہ جاتے تھے۔ ایک جگہ نیلی روشنائی سے لفظ" روم" لکھا ہؤا تھا۔ اس سے مَیں نے نتیجہ نکالا ہے کہ شاید اس خاندان کے رُوم میں منتقل ہونے کی یادداشت تھی۔ افسوس ہے کہ سن ہزار کوشش کی۔ نہ پڑھا گیا ؛

گننے سے معلوم ہؤا کہ اس طرف کل سولہ آدمیوں کے دستخط تھے۔ اور ایک شخص کے دُوسری طرف جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ قیاس نہیں چاہتا کہ دو ہزار برس میں صرف سترہ ہی پشتیں گزری ہوں۔ اس سے دو باتیں پائی جاتی ہیں۔ یا تو یہ کہ ایک زمانہ لوگوں نے اپنے دستخط کرنے چھوڑ دئیے۔ یا مدتوں اِس طرف لوگوں نے خیال نہ کیا۔ لیکن مؤخرالذکر صورت میں یہ قرار دینا مشکل ہے کہ کس نے اس خیال کی تجدید کی اور کب کی ؛

نہ معلوم امین کے والد کو یہ کیسے معلوم ہؤا کہ ان کا خاندان رُوم سے فرانس اور فرانس سے انگلستان کب منتقل ہؤا۔ اس تبرک سے تو کچھ پتہ نہیں چلتا۔ البتہ

سرخی سے ایک تلوار اور ایک صلیب کی صورت بنی ہوئی ہے اور خون کی سی چھینٹیں پڑی ہوئی ہیں جس کے معنی میں نے اپنے ذہن میں یہ قائم کئے ہیں کہ اس خاندان کے لوگ کبھی کبھی صلیبی جنگ میں شامل ہوتے ہیں۔ اس تلوار اور صلیب کے نیچے ایک اور تحریر ۱۵۶۴ء کی لکھی ہوئی ہے ؛

"عجیب قصہ ہے جس میں والد کی جان گئی۔ وہ اسی فکر میں گئے تھے کہ ان کا جہاز پرتگیزوں نے غرق کر دیا ؛"

سب سے آخر میں ایک مقام پر یہ لکھا ہوا تھا:۔

"آسمان پر لاکھوں باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ تمہارا فلسفہ بھی ان تک نہیں پہنچتا"

اب ہمیں صرف دوسرا ترجمہ دیکھنا باقی رہا۔ یہ عبرانی میں تھا۔ میرے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ترجمہ کس غرض سے کیا یا کرایا گیا۔ اور اس سے کس موقعہ پر کام لیا گیا تھا ؛

غرض میں نے یہ سب کچھ دیکھ پڑھ کر امین سے کہا کہ "بھئی میں تو رائے لگا چکا تم بولو" ؟

امین "پہلے آپ اپنی رائے بیان کیجئے ؛"

میں "اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کپی کا ٹکڑا اصلی ہی ہے۔ اور تمہارے خاندان میں چار صدی قبل از مسیح سے برابر امانت چلا آرہا ہے (مسکرا کر) اس کے متبرک ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں بھی شک نہیں ہے کہ یہ تحریر یا تو خود شہزادی کے قلم کی ہے۔ یا اس کی ہدایت سے اس کے سامنے ہی لکھی گئی ہے۔ اور جو کچھ اس نے لکھا یا لکھوایا ہے اپنے نزدیک بالکل صحیح سمجھ کر۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ اس کی عقل کو مصیبتوں۔ اور بالخصوص شوہر کے مرنے نے سلیم نہیں رہنے دیا تھا۔ چونکہ اس تحریر کے وقت اس کا دماغ اس کے قابو میں نہ تھا۔ لہذا یہ قابل اعتبار نہیں ہے ؛"

امین "لیکن والد مرحوم نے جو کچھ سنا اور دیکھا اُن کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں؟"

میں "۔ یہ کیا بڑی بات ہے۔ بھئی سب جانتے ہیں کہ دامنِ افریقہ پر بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کسی کی چوٹی دُور سے انسانی چہرہ کی سی معلوم ہوتی ہو۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اس طرف کے لوگ بگڑی ہوئی عربی بولتے ہیں۔ مَیں نے یہ بھی سُنا ہے کہ اس طرف دلدل بھی بہُت ہے۔ اچھا پھر اس سے کیا تم اس کو بھی ثابت کرو گے کہ حبشیوں میں کوئی خوب صُورت گورے رنگ کی عورت بھی پیدا ہوگئی ہے۔ اور سب سے زیادہ یہ عجیب امر کہ وہ موت سے بچ بھاگی ہے۔ بھائی مَیں تو تاوقتیکہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ ایسی ہزلیات کا کبھی اعتماد نہ کرونگا۔ اور یہ تم اطمینان رکھو کہ کوئی ذی عقل کبھی ایسی صورت اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ بُرا نہ ماننا اصلیت یہ ہے کہ تمہارے والد اس تحریر کے کچھ ایسے معتقد تھے کہ اسی نے ان کی جان لی۔ اور اسی اعتقاد کے خبط میں جو کچھ تم دیکھ رہے ہو لکھا ہے۔ ایوب! تمہاری کیا رائے ہے۔ آخر تمہیں بھی اللہ نے عقل دی ہے"۔

ایوب "۔ جی کیا بتلاؤں۔ آپ خود پڑھے لکھے ہیں۔ آپ نے سوچ سمجھ کر وہی بات کہی جو مَیں اسی وقت کہہ دیتا۔ اور یہ (امین) تو بچے ہیں"۔

امین "۔ (مسکرا کر) ممکن ہے کہ آپ دونوں صحیح کہتے ہوں۔ میں ان تحریرات کی نسبت اپنا کوئی خیال ظاہر نہیں کرتا۔ اتنا ضرور ہے (اور انشاء اللہ اپنے مقدور بھر میں یہ کرکے دکھا دونگا) کہ مَیں اس قصّے کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتا ہوں خواہ آپ میرا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ مَیں ادھر جاکر ضرور پتہ لگاؤنگا"۔

امین کو مَیں نے بالکل مستعد پایا۔ اگر ان کا بس چلتا تو شاید وہ اسی وقت چل کھڑے ہوتے۔ مَیں نے دو چار مرتبہ ان کو پس وپیش سمجھایا۔ مگر ان کا ارادہ ایسا نہ ہُوا تھا کہ وہ فسخ کر دیتے۔ مجھے ان کی مفارقت کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ دنیا میں سوا ان کے نہ میرا کوئی بیٹا تھا نہ بھائی نہ دوست آخر مَیں بھی چلنے کو راضی ہو گیا۔ بالخصوص اس لئے کہ ادھر شکار خوب ملے گا۔ باقی اس تحریر کی صحت وغیر صحت کی تحقیقات؟ یہ معلوم!

امین "اب روپیہ کی کیا سبیل ہوگی"؟

مَیں نے ان کو تمام حساب دکھلایا۔ اور کہا کہ اگر تم چلنا ہی چاہتے ہو تو پہلے میرا اندوختہ خرچ ہوگا۔ اگر وہ مکتفی نہ ہو تو بنک سے تمہارا روپیہ لے لیا جائیگا۔

امین "بس تو ان چیزوں کو تو اُٹھا رکھئے۔ اور آج ہی سے چلنے کا فکر کیجئے۔ نئی بندوقیں خریدنی ضروری ہیں۔ ایوب! تم بھی چلو گے نا؟ تمہارے بغیر میرا جی کہیں نہ لگے گا۔

ایوب (آنسو پونچھتے ہوئے) "مَیں تو تمہیں کبھی نہ جانے دیتا۔ مگر کیا کروں۔ بچپن سے تمہارا یہی حال دیکھتا ہوں۔ بس جو ضد تمہیں چڑھی چڑھی۔ لیکن جاتے ہی ہو تو بھلا مَیں یہاں رہ کر کیا کروں گا۔ امین! سچ جانو کہ تمہیں مَیں نے اپنے بیٹوں سے زیادہ محبّت سے پالا ہے۔ مجھ سے یہاں تمہارے بغیر نہیں رہا جائیگا اور سیر و شکار کا تو مجھے شوق ہے نہیں۔ یہ تم دونوں جانو"۔

مَیں "ان کا لڑکپن سب کو خراب کریگا۔ ایوب! اگر چلنا ہو تو اچھی طرح سمجھ سوچ کر یہ نہیں کہ ان کے کہنے میں آجاؤ"۔

ایوب "نہیں مَیں نے سمجھ سوچ لیا"۔

مَیں "اچھا تو اب مہربانی کر کے ایک کام اَور کرنا کہ ذرا اِس کا کسی سے ذکر نہ کر بیٹھنا۔ ورنہ پاگل بنائے جاؤ گے۔ اور اگر لوگ مجھ سے تحقیق کرنے آئیں گے تو میرے خطابات پر ایک اَور خطاب بڑھ جائے گا"!

غرض آج سے تین مہینہ بعد ہم زنجبار کی طرف جہاز میں روانہ ہو گئے۔

دہانِ غنچہ بوسیدم زخود رفتن بیاد آمد
بکف دامانِ بوئے گل گرفتن از چمن رفتم

باب چہارم

سرِ شکم بے تو رفتہ دریا شد تماشا کن
بیا در کشتیٔ چشم نشین و سیر دریا کن

وہ قاہرہ کی چہل پہل۔ وُہ جامع ازہر کی لطیف بحثیں۔ وہ بڑی بڑی کتابوں کی جلدیں سب خواب و خیال ہوگئیں۔ اب آنکھوں کے سامنے سمندر۔ دُور تک خالق اکبر کی بچھائی ہوئی سفید آب رواں کی چادر۔ اس پر ایک لطافت کے ساتھ آسمان کا شامیانہ تنا ہوا۔ چاند کی شعاعیں پانی سے کھیلتی ہوئیں۔ جہاز کی مستانہ رفتار۔ نظارے تھے۔ جن کو چاندنی رات کے ستارے بھی آنکھیں مل مل کر دیکھ رہے تھے باریک ہوا نے جہاز کے بادبان کو کسی نرسے ہوئے عاشق کے آغوش کی طرح پھیلا رکھا تھا۔ جہاز کے تھپیڑوں سے پانی چیخ چیخ اٹھتا تھا۔ اور جدھر سے موقع پاتا تھا نکل جاتا تھا۔ آدھی رات گزر گئی ہو گی۔ تمام مسافر پڑے سوتے تھے۔ ایک میں اور ایک عرب مُلاح جعفر نامی جاگتے تھے۔ جعفر نے کچھ گنگنانا شروع کیا۔ سماں ایسا تھا کہ بہت ہی اچھا معلوم ہوا۔ میں دفعتاً اُٹھ بیٹھا۔ اور میرے ساتھ ہی ایوب بھی گھبرا کر "کیا ہے" کہتا ہوا بیٹھ گیا۔ میں نے صرف اُنگلی کا ادھر اشارہ کیا۔ اور ایوب بھی محو ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں اس نے گانا ختم کر دیا۔ اور ہم تینوں لیٹ کر باتیں کرنے لگے :۔

مَیں "کپتان کہتا تھا کہ اگر ہوا ایسی ہی موافق رہی تو ہم کل دس بجے تک کنارے جا لگیں گے۔ بھئی میں تو اترتے ہی اپنی بندوق اُٹھاؤنگا۔ اور تازہ تازہ شکار کے کباب کھاؤنگا۔

امین "اور کھاتے ہی اس ویران شدہ شہر کی تحقیقات شروع کر دینگے"

مَیں "مُہمل! کہاں کا شہر اور کیسی تحقیقات! سہ پہر کو تم جعفر ملاح سے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ کچھ معلوم بھی ہوا ؟"

امین "نہیں کوئی خاص بات تو معلوم نہیں ہوئی۔ البتہ یہ تحقیق ہو گیا کہ اُدھر دلدلیں بہت ہیں۔ سانپ بھی بہت مِلتے جاتے ہیں۔ اور شکار کی تو انتہا نہیں۔ آبادی وہاں سے نہیں۔ بس جہاں دیکھو دلدل ہی دلدل نظر آتی ہے۔ خیر دلدل ہمارا کیا کر لے گی ؟"

میں "آپ کے نزدیک کچھ کرہی نہ لیگی! آخر زہریلے بخارات جو اُٹھتے ہوں گے وہ کس گھر جائینگے؟ بھلا خیال تو کرو یہ لوگ جنہوں نے اسی ملک کا دودھ پیا ہے۔ اس قطع کو دشوار گزار بتاتے ہیں۔ بھلا ذرا ان میں سے کسی سے کہہ کے تو دیکھو کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ اگر چھوٹتے ہی پاگل نہ کہہ دیں تو میرا ذمہ۔ اور ہیں بھی بیچے۔ دیکھئے ان آنکھوں کو پھر بھی قاہرہ کی گلیاں دیکھنی نصیب ہوتی ہیں۔ اور خیر میرا تو قاہرہ میں کیا دھرا ہے۔ مجھے تو تمہارا اور ایوب کا خیال ہے"

امین "خیر اب جو ہو سو ہو۔ میں تو بغیر تحقیق کئے پھرتا نہیں۔ بیش بریں نیست کہ یہیں کہیں جانوروں کا طعمہ ہو جاؤنگا۔ ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔ یہ تو دیکھئے! یہ بادل سا کیا ہے؟"

میں نے ایوب سے کہا کہ جا کر ملاحوں سے دریافت تو کرو۔ لیکن اتنے ایوب آتے ہی آتے رہے۔ امین خرّاٹے لینے لگے۔ ایوب نے آکر کہا کہ "وہ لوگ کہتے ہیں یہ بادل ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اندیشہ کا مقام نہیں ہے۔ یہ ہم تک نہیں پہنچیگا۔ اس کا رُخ اَور طرف ہے"

ہم اپنے دریائی سفر شروع کرنے سے پہلے کپتانوں وغیرہ سے یہ معلوم کر چکے تھے کہ معلومہ چوٹی تک جہاز نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ کئی چھوٹی نہروں سے عبور کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے ہم نے احتیاطاً اپنی ضرورتوں کے موافق فرمائش کر کے ایک کارخانہ سے ایک چھوٹی سی کشتی کوئی دس گز لمبی بنوائی تھی۔ اس کے اندر دو چھوٹے چھوٹے کمرے نکلوائے تھے۔ جن میں نہایت احتیاط کے ساتھ پانی کا رکاؤ کر لیا تھا۔ ان میں سے ایک میں ہم نے مایحتاج جنس کپڑے۔ بندوقیں۔ جزوی دوائیں مثلاً کونین اور اَور ضرورت کی چیزیں پہلے رکھ کر جہاز سے بندھوائی تھیں

تاکہ موقعہ پر ہمیں صرف اس میں کُود کر رستے کھول ڈالنے باقی رہ جائیں ۔ اس وقت کہیں ایوب یہ دیکھ آئے تھے کہ ملّاح اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں ۔ اس لئے ان کے نزدیک مناسب معلوم ہؤا کہ کشتی میں ہی جا سوئیں ۔ مجھے اس میں کیا عذر ہو سکتا تھا ۔ وہ ادھر گئے ۔ اور مَیں نے یہاں سو جانے کی کوشش کی ۔ میں کوئی گھنٹہ بھر کامل کروٹیں بدلتا رہا ۔ لیکن نیند نہ آئی ۔ ابن البتہ بے خبر سو رہے تھے ۔ بلکہ سوتے سوتے بڑ ائے ۔ اور ان کی باتوں پر میں زور سے ہنسا بھی مگر ان کو خبر نہ ہوئی ۔ خدا خدا کر کے میری آنکھ لگنی ہی چلی تھی کہ یکایک ہوا کا ایک جھونکا آیا ۔ اور اُس کے ساتھ ہی پانی کا تھپیڑ منہ پر پڑا ۔ ملّاح بادبان گرانے کے لئے دوڑے ۔ مگر ہوا اس زور کی تھی کہ ان کی ایک پیش نہ گئی ۔ رستے کھل ہی نہ سکے ۔ مَیں بھی گھبرا کر کھڑا ہو گیا ۔ ابین کو بہت جھنجوڑا ۔ مگر وہ ایک دو کروٹیں بدل کر پھر خرّاٹے لینے لگے ۔ اس پریشانی میں مَیں جگاتے جگاتے بہت ہی جلد تھک گیا ۔ جان بڑی عزیز ہوتی ہے ۔ گھبرا کر مَیں بھی ایک رسّا پکڑ کر کھڑا ہؤا ۔ ابھی تک چاند اپنے پُورے جوبن پر تھا ۔ اور سواء ایک طرف کے آسمان بالکل صاف تھا ۔ لیکن وہی بادل کا ٹکڑا چاند کی طرف یلغار کئے چلا آ رہا تھا آخر چاند چھپ گیا ۔ اور اندھیرا گھپ ہو گیا ۔ اور اس پر قیامت یہ کہ ہوا اور بھی تیز ہو گئی ۔ اور پانی کے تھپیڑے بھی بڑھ گئے ۔ مَیں نے بڑھ کر پھر ابین کو اُٹھانا چاہا ۔ مگر دو ہی قدم چلا ہونگا ۔ کہ ادھر تو جہاز نے ایک ٹھوکر لی ۔ اور اُدھر پانی کی چادر نے پیٹا ۔ اتنی ہی دُور میں چار مرتبہ سر پھوٹا ۔ اور دم ختم ہونے میں تو کوئی کسر رہ ہی نہیں گئی تھی ؞

اتنے میں بادبان کے ایک طرف کے رسّے ٹوٹے ۔ اس وقت بادبان صاحب کی بالکل یہ صورت تھی کہ گویا ایک مری ہوئی چیل بانس میں لٹک رہی ہے ۔ اب جہاز رہا سہا اور بھی مخدوش ہو گیا ؞

ہر شخص سخت پریشان تھا ۔ بعض چلّا رہے تھے ۔ اور بعض خاموش مبہوت کھڑے تھے کہ یکایک مجھے ایوب کی آواز آئی کہ اپنی کشتی میں سے گلا پھاڑ پھاڑ

کر مجھے اور امین کو پکار رہا ہے۔ مَیں نے ایک دفعہ پھر امین تک جانے کی کوشش کی۔ مگر کسی طرح ممکن نہ ہؤا۔ قضاء الٰہی پر صبر کر کے مَیں کشتی میں کود پڑا اور میرے ساتھ ہی جعفر عرب بھی۔ اور اُس نے کودتے ہی وہ رستے کاٹ دئے۔ جن سے ہماری کشتی بندھی ہوئی تھی۔ جعفر ایک تجربہ کار ملاح تھا۔ وہ جہاز ڈوبتا دیکھ چکا تھا۔ اگر کہیں وہ ایک منٹ بھی رستے کاٹنے میں غفلت کرتا۔ تو جہاز ہماری کشتی سمیت ڈوبتا اور ہمارے بنائے کچھ نہ بنتا۔

امین کے ڈوبنے کے صدمہ سے مَیں اور ایوب سکتہ کی سی حالت میں تھے کہ جعفر نے آواز دی کہ کھڑے کیا ہو۔ جلدی بیٹھ جاؤ۔ ورنہ ڈوبتے ہو۔ وہ پانی آیا ہم دونوں گھبرا کر بیٹھے کیا لیٹے ہی تھے کہ پانی کی سفید چادر ہمارے اوپر سے اس خوبصورتی کے ساتھ گزری کہ ہم پر ایک چھینٹ بھی نہ پڑی۔ اگر کہیں یہ کشتی میں رہ جاتی تو نتیجہ معلوم۔

ابر چاند پر سے کچھ ہٹ گیا تھا۔ اور قریب قریب کی چیزیں نظر آنے لگی تھیں کہ مجھے دُور سے ایک کالا کالا کمبل یا لکڑا اپنی طرف بہتا ہؤا نظر آیا۔ جب قریب پہنچ گیا تو معلوم ہؤا کہ کوئی آدمی ہے۔ وقت تو ایسا تھا کہ آدمی کو اپنی ہی جان دوبھر تھی۔ مگر نوعی ہمدردی نے گوارا نہ کیا۔ اور مَیں نے دوڑ کر ڈوبنے والے کا بازو پکڑ لیا۔ میں بہت ہی قوی آدمی ہوں۔ لیکن وہاں اس لطیف اور پُرزور عنصر کے سامنے انسان کے جزوی عناصر کہاں تک زور کر سکتے ہیں۔ مَیں نے اگر اپنی مدد کے لئے جعفر کو نہ بلایا ہوتا تو بالیقین میرا ہاتھ ٹوٹ گیا ہوتا بہرحال بصد خرابی ہم نے اس شخص کو نکالا۔ دیکھا تو امین۔ اب یہ خبر نہیں کہ زندہ ہیں یا مردہ۔ بہرحال ہاتھ پیر پکڑ ایک کمرہ میں جا لٹایا۔ اللہ اللہ کس قدر خوشی اور اطمینان ہؤا ہے مگر ساری خوشی اور اطمینان ایک اور موج نے کرکرا دیا لمحہ ہی بھر میں دیکھا تو ہم گھٹنے گھٹنے پانی میں کھڑے تھے۔ جعفر کشتی کی سمت صحیح رکھنے کے اہتمام میں تھا۔ وہیں سے چلایا کہ خدا کے لئے پانی جلدی نکالو۔ ورنہ اب کی موج میں کشتی گئی۔ ہم دونوں نے پانی نکالنا شروع کیا۔ اور غنیمت ہے کہ دوسری

موج سے پہلے کشتی کو صاف کر دیا ؛

اگرچہ موج نے ہمارے اوپر تھوڑی دیر کے لئے عنایت کی ۔ لیکن دقت یہ ہوئی کہ ہوا اور بھی تیز ہو گئی ۔ کشتی پہلے ہی پتہ ہو رہی تھی ۔ اب لگی چکر کھانے ۔ جعفر کی ایک کوشش بھی کارگر نہ ہوئی ۔ کوئی دس منٹ ہم چکر میں رہے ہونگے ۔ کہ خدا خدا کر کے کشتی سیدھی ہوئی ۔ تازہ مصیبت یہ پیش آئی کہ جہاز کے ٹوٹے ہوئے لٹھے اور تختے ہماری کشتی کے گرد ہو گئے ۔ اب ان سے راستہ صاف کرانا ذرا کام تھا ۔ چپو لگانے شروع کئے ۔ ایوب اور میں نے کبھی چپو لگائے ہوں تو جانیں ۔ جعفر کی جگہ سکان پر ایوب کو کھڑا کیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ جعفر کے چپوؤں نے بڑا کام کیا ۔ ورنہ لٹھے کشتی کا کبھی پیچھا نہ چھوڑتے ؛

ہماری کشتی دو چار سو ہی قدم گئی ہو گی ۔ کہ ہوا کا جھونکا اور موج کی بلا آئی اور پھر پانی کشتی میں بھر گیا ۔ مگر اس مرتبہ پہلے کی بہ نسبت کم ۔ عجیب مصیبت تھی تین آدمی کیا کریں ۔ جعفر کو چپوؤں پر چھوڑ کر میں نے تنہا سارا پانی نکالا شکر ہے کہ پھر موج نے ہم پر حملہ نہ کیا ۔ اور ہوا بھی رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی ۔ اور کشتی کی سمت بھی صحیح ہو گئی ۔ لیکن دریا کے تلاطم میں اب تک کمی نہ آئی تھی ۔ مگر خیر گونہ اطمینان تو تھا ۔ میں ابین کی طرف دوڑا ۔ کانپتے ہاتھوں سے نبض دیکھی تو چلتی ہوئی معلوم ہوئی ۔ میں کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ ابین گھبراہٹ کے ساتھ اُٹھ بیٹھے اور کہنے لگے کہ "کیا اذان ہو گئی ؟" میں نے کہا کہ "نہیں ابھی بڑی دیر ہے تم سو جاؤ ۔" وہ پھر لیٹ کے خراٹے لینے لگے ۔ میرے دل پر ابین کے اس سوال کا بڑا اثر ہوا ۔ اور کچھ منشا بھی کہ آپ اپنے نزدیک قاہرہ میں سو رہے ہیں ۔ میں نے خود کو ایک لڑکے کی ناتجربہ کاری کے سپرد کر دینے پر بڑی ملامت کی ۔ اور "اگر خواہی سلامت برکنار است" کے صحیح معنی آج سمجھ میں آئے ۔ بہر حال اب کیا ہو سکتا تھا ۔ مشکل یہ تھی کہ بظاہر ابھی مصیبتوں کا آغاز ہی تھا ۔ طوفان کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ آسمان دُھل کر صاف ہو گیا ہے ۔ اور چاند اور بھی نکھر آیا ہے ہم نے اپنے اپنے بال بال بچنے پر وہیں دو دو رکعت نماز شکرانہ

پڑھی - اگرچہ بہت ہی تھکے ہوئے تھے - لیکن ہول سونے نہ دیتا تھا - دیکھتے ہی دیکھتے چاند آہستہ آہستہ نئی دُلہن کی طرح سجا ہوا گویا ایک کوٹھری میں جا گھسا ستاروں نے خدا جانے کیا دیکھا کہ شرما شرما کر نکل آئے - اور کھل کھلا کر اپنے ہمجولیوں سے ہنسنے لگے - سمندر کی بھی اب آنکھ لگ چلی تھی - اور کف دریا میدان خالی پا کر کسی شرمیلی مُوکمر کی طرح گویا پائیں باغ میں ٹہلنے نکل آئے تھے - یہ سماں بجائے خود ایسا تھا کہ اگر دو روز باقی رہتا تو سچ کہوں میرا توجی نہ بھرتا - لیکن لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ آفتاب کے ہراولوں کو دیکھ کر ستارے زرد ہو گئے - اور رفتہ رفتہ زمین کو نظرِ حسرت سے دیکھ کر رخصت ہونے لگے ؛

مَیں نے ابن کو جگانا مناسب نہ سمجھا - اور ہم تینوں نے اوّل وقت صبح کی نماز پڑھی - آفتاب اُور بلند ہوا اور دشت وجبل پر اس کا پرچم اُڑنے لگا - روشنی کے فرشتوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ظلمت کو پردۂ دنیا سے محو کر دیا - پہاڑ اور میدان - دیدہ و نادیدہ اشیاء نے اقتباسِ نور کیا - اور ذوی الارواح کو ایک نئی حرارت نے اٹھا بٹھایا ؛

اللہ اللہ دُنیا میں بھی عجیب متناقص تماشے نظر آتے ہیں - اس وقت ایک ہم ہیں کہ اپنے نزدیک اس لطف میں محو ہیں - لیکن کوئی ذرا ان اٹھارہ حسرت نصیبوں کی تو خبر لے جن کی لاشیں بے گور و کفن دریا میں بہتی پھر رہی ہیں - کاش قیامت تک بہتی ہی رہتیں کہ غافل انسان کو عبرت کا تازیانہ ہوتا ان کو تو کبھی کا مچھلیوں نے تکا بوٹی کر لیا ہوگا ؛

آفتاب کا طلوع و غروب بھی خلقت انسان و مَا یتعلق بہا سے عجیب مماثلت رکھتا ہے - اس کا نکلنا اور ڈوبنا انسان کی پیدائش و موت کی ایک عجیب بیّن مثال ہے - کاش خدا چشم بصیرت عطا فرمائے - ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ یہی آفتاب جو آج نکل کر ہمیں محفوظ کر رہا ہے - کل ہمارے اٹھارہ ساتھیوں کی قسمت بلکہ زندگی کو ایسا لے کر ڈوبا تھا کہ پھر نہ اُبھرنے دیا - اور اُن کے لئے تو قیامت تک گویا آفتاب طلوع ہی نہ ہوگا - خُدا کی قدرت اُس نے نہ معلوم

کس مصلحت سے ہم چار آدمیوں کو بچالیا۔ لیکن ایک وہ دن بھی آنے والا ہے کہ آفتاب کا طلوع ہمارے لئے آخری ہو۔ اور ہم بھی قیامت تک ان ہی کی فہرست میں داخل ہو جائیں جن پر اس وقت ہم بیٹھے افسوس کر رہے ہیں۔ اور ہمارے اوٗ ہم جنس اسی طلوع کا لطف اٹھائیں۔ اور نوبایدمین شباب میں وہ بھی آفتاب کو ڈوبتا دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے موت کے برحق ہونے کا گمان کریں!

غرض اس متلون الکیف چیز کا نام ہے حضرتِ انسان! اللہ۔ اللہ۔ اللہ!

باب پنجم

کس ندانست کہ منزلگہِ مقصود کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے مے آید

آخر کار آفتاب کے ہراولوں نے اپنے نزدیک اندھیرے کو شکست دے کر اپنا کام ختم کرلیا۔ لیکن بقول محققین علم طبیعات کہ دنیا کی کوئی چیز بکلی معدوم نہیں ہوتی۔ جا بجا سایہ پھر بھی باقی رہ گیا۔ آفتاب نے سمندر میں نہا کر زندگی تازہ پائی ہے۔ اور آج گویا کل سے زیادہ زور و شور کے ساتھ اٹھا ہے۔ میں وظیفہ پڑھتے ہوئے ٹہل رہا ہوں۔ ایوب ایک گوشہ میں بیٹھا تلاوت کر رہا ہے۔ اور اس وقت معلوم ہوا کہ جعفر حافظ ہیں۔ وہ سکان پر کھڑے ہوئے اپنے ملکی لہجہ میں قرآن مجید کا اعجاز دکھلا رہے ہیں ؛

ایک مرتبہ جو میری نظر پڑتی ہے تو ہم سے کوسوں دُور ایک پہاڑی نظر آتی ہے۔ جس پر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی حبشی میٹھا سیر کر رہا ہے۔ مَیں عجیب حیرت میں اس طرف بغور دیکھ رہا ہوں۔ اور جیسے جیسے ہماری کشتی آگے بڑھتی ہے وہ پہاڑی اور حبشی ہماری طرف بڑھتے آتے ہیں یہانتک کہ اب صاف صُورت نظر

آنے لگی۔ یہ پہاڑی سطح زمین میں ڈیڑھ سو گز سے زیادہ نہ ہوگی۔ لیکن اُوپر جاکر تو میرے اندازہ میں صرف آٹھ دس گز چوڑی رہ گئی۔ اس پر ایک آدھ گز لمبی گردن اور اس پر ایک بڑا مہیب سر جو اتنی دُور سے بھی بڑا ہی نظر آرہا تھا۔ حبشی کے چہرہ میں اور اس میں کوئی فرق نہ تھا۔ وہی موٹے ہونٹھ۔ چپٹے گال۔ موٹی اور چوڑی ناک۔ مدور سر۔ خونخوار بشرہ۔ اگر کچھ کسر باقی رہ گئی تھی تو سر پر جو گھاس اُگ آئی تھی۔ اُس نے پورا کر دیا تھا۔ ایک عجیب چیز تھی۔ اگر میرا قیاس صحیح ہو تو یہ کارکنان قضا و قدر کی صناعی نہ تھی۔ بلکہ انسان کے بے بنیاد ہاتھوں کا کام تھا۔ ممکن ہے کہ کسی تباہ شدہ قوم نے اس کو ایک قسم کا طلسم بنایا ہو۔ یا اپنے بیرونی دشمنوں کے ڈرانے کو یہ صورت قائم کی ہو۔ بہرحال میں اپنے قیاس کی تصحیح و تغلیط کی کبھی تصدیق نہ کر سکا۔ کیونکہ وہ پہاڑی اگرچہ کچھ ایسی اونچی نہ تھی۔ لیکن خشکی و تری دونوں طرف سے اوپر چڑھنا محال تھا۔ وہ کسی کا بنایا ہوا ہو۔ اس میں تو کلام نہیں ہو سکتا کہ وہ کم سے کم دو ہزار برس اور اس سے خدا جانے کس قدر پیشتر سے گردش زمانہ کا منہ چڑا رہا ہے۔ اور قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ قیامت کے پورے یہی ہیمنے ؎

ایوب تلاوت ختم کر کے میری طرف آیا۔ کچھ کہنے ہی کو تھا کہ میں نے وہ عجیب چیز اس کو دکھلائی ؎

ایوب "اللہ اکبر! یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تصویر کھنچوانے بیٹھے ہیں ؎"

مجھے اس فقرہ پر بڑی ہنسی آئی۔ میرے قہقہہ کی آواز سے امین بھی جاگ اٹھے۔ میں اُن کو بیٹھا دیکھ کر اُدھر گیا۔ آنکھ ملا کر فرماتے ہیں کہ "میرے کپڑے کیوں بھیگے ہوئے ہیں؟ یہ جہاز نہیں ہے؟ ایوب! میرا بدن بالکل جکڑا ہوا ہے۔ قہوہ بناؤ ؎"

میں "غنیمت سمجھو جکڑے ہوئے ہو اکڑے ہوئے نہیں۔ جہاز ڈوب گیا۔ اور اس کے ساتھ سارے ساتھی۔ خدا نے ہم چار کو بچایا ہے۔ اور تمہارا زندہ رہنا تو بالکل ایک معجزہ ہے ؎"

امین "سبحان اللہ! کیا آپ صحیح کر رہے ہیں؟"
مجھے اس سوال پر بہت ہی غصہ آیا۔ میں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس میں کہیں وہ حبشی کا سر اُن کی نظر پڑ گیا۔ بس اب کیا تھا۔ اُچھل پڑے۔ اور اپنے نزدیک بالکل نئی چیز دکھلا کر کہنے لگے "عمو! دیکھئے۔ وہ رہا حبشی کا سر"
میں (مسکرا کر) "سوتے ہیں یا جاگتے ہیں؟"
امین "بس اب تمام باتیں صحیح ہیں کچھ شک نہیں"
میں "ضرور صحیح ہیں۔ تمہاری بات بات میں اب تک لڑکپن ہے۔ ایک چیز پر تمام باتوں کا مدار نہیں ہوسکتا۔ یہ تو ہم جانتے ہی تھے۔ اور تمہارے والد نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں ممکن ہے کہ یہ وہ نہ ہو۔ جس کا ذکر تمہاری مورثہ علیا نے کیا ہے"
امین "(مسکرا کر) آپ کو تو معقولات نے بالکل ان یہود یوں جیسا بنا دیا ہے۔ جو موسےٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ پہلے ہمیں خدا دکھلا دو۔ تب ایمان لائینگے اچھا ہوا میں نے فلسفہ نہیں پڑھا"
میں "درست! اب تمہیں ایک اور نئی بات معلوم ہوگی کہ ہماری کشتی ریت میں پھنسا ہی چاہتی ہے۔ ایوب! چپوؤں کی خبر لو۔ حافظ جعفر کو ہوشیار کردو۔ خشکی کی طرف چلنا چاہئے۔ تھوڑی دیر خشکی پر اُتر جائیں تو اچھا"
یہاں دریا سے ایک نہر جیسی کٹی تھی۔ جو بظاہر زیادہ چوڑی نہیں نظر آتی تھی آگے کوئی ایک میل پر خشکی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اس کے آگے زمین کا پھیر ہماری نظروں کو کام نہیں کرنے دیتا تھا۔ نہر میں پہنچے تو اس کے کنارے بہت اونچے پائے۔ دونوں طرف سیکڑوں گھڑیال پڑے دھوپ لے رہے تھے۔ ان سے بچ کر اور آگے بڑھے اور ایک محفوظ جگہ ٹھیرے۔ کشتی کو ایک بڑے درخت سے مضبوط کرکے باندھ دیا۔ نہائے دھوئے۔ کپڑے سکھائے اور کھا پی کر اس خشکی کے قطع کو دیکھنا شروع کیا۔ وہ قطع کوئی دو ہزار گز لمبا اور ہزار گز چوڑا تو بے شک خشک تھا۔ باقی تین طرف دلدل سے اور ایک طرف دریا سے محصور

تھا۔جہاں تک نظر کام کرتی تھی دلدل ہی دلدل نظر آتی تھی۔اس قطع کے محفوظ رہنے کی یہ وجہ ہوئی کہ یہ دلدل کی سطح سے کوئی بیس گز اونچا تھا۔اور اس کی تمام صورتیں یہ کہتی تھیں کہ قدرتی نہیں آدمیوں کا بنایا ہوا ہے۔

امین (وثوق کے ساتھ)"عموماً! یہ جگہ کسی زمانہ میں بندر رہی ہے"۔

مَیں"پھر وہی مہمل! ایسا احمق کون ہوگا کہ ان دلدلوں میں۔اس وحشی آبادی میں (اگر یہ مقام کبھی آباد رہا ہو) بندر بنائیگا! آخر جہاز یہاں خاک لانے ہونگے"۔

امین"عموماً ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں نہ یہاں دلدل ہو۔نہ وحشی اقوام بستی ہوں۔مَیں قیاس نہیں لگاتا۔بلکہ ایک دلیل سے کہ رہا ہوں۔وہ دیکھئے ایک بڑا تناور درخت جڑ سے نہیں اکھڑا پڑا ہے۔(مسکراکر) شاید رات ہی کے طوفان سے گرا ہو۔اس کی جڑ پتھر کی مضبوط بنیاد کو لے کر اکھڑی ہے۔اگر بنیاد نہیں تو دیوار ضرور ہے"۔

مَیں"مہمل"۔

یہ کہ کر میں دوڑا گیا۔دیکھا تو واقعی کچھ کی دیوار یا بنیاد تھی۔حیرت میں دم بخود رہ گیا۔اتنے میں امین بھی مسکراتے ہوئے ٹہلتے ٹہلتے میرے پاس آگئے۔مَیں بیٹھ کر بغور دیکھنے لگا۔اپنا شکاری چھرا نکال کر چونہ ہٹانا چاہا۔مگر خدا جانے کس بلا کا چونہ تھا۔کہ ٹس سے مس نہ ہوا۔اسی کوشش میں ایک جگہ کی مٹی گری۔اور اندر سے پتھر کا ایک بڑا ٹکڑا نکلا جو اندازاً آدھ گز مدور اور کوئی چار گز موٹا ہوگا۔اس کو نکالنے کی کوشش کر کے بھی تھک گیا۔

امین"عموماً کہئے اب بھی یقین آیا۔اب پھر مہمل کہدیجئے۔کچھ شک نہیں کہ یہ بندر ہے۔اور انہی کنڈوں میں جہاز باندھے جاتے ہونگے۔اور اب تو میں دعوے سے کہونگا کہ وہ تحریر فرضی افسانہ نہیں ہے۔اصلیت ضرور نکلے گی"۔

امین گویا میرے خیالات کا اظہار کر رہے تھے اور مَیں خاموش کھڑا ان کا منہ تکتا تھا۔

مَیں"یہ تو ممکن نہیں کہ افریقہ جیسے ملک میں پرانے زمانہ کے تہذیبوں کے آثار نہ پائے جائیں۔مصر عتیق کے تمدن کو کون نہیں جانتا کہ اتنا پرانا ہے۔کہ آدمی

آج اس کی قدامت کا زمانہ بھی مقرر نہیں کرسکتا۔ پھر بابل اور نینوہ کو لو۔ پھر ایران[1] پر نظر ڈالو۔ علیٰ ہذا القیاس یہودی اور ہندی۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کسی قوم کا یہاں قدم پہنچا ہو +

امین "تو یہ پہلے ہی کیوں نہ فرمایا تھا؟"

مَیں (شرما کر) "اچھا اب کیا کیا جائے؟ آئندہ کا فکر مقدم ہے"+

امین نے کوئی جواب نہ دیا۔ مَیں نے آگے بڑھ کر دلدل کو دیکھا تو کوسوں تک پھیلی تھی۔ اور جیسے جیسے آفتاب کی تمازت بڑھتی جاتی ہے۔ اس میں زہریلے بخارات زیادہ اُٹھتے معلوم ہوتے تھے۔ اور گرمی الگ دشمنی کر رہی تھی +

مَیں نے واپس آکر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دلدل کے پار جانا ناممکن ہے اور اگر یہاں ٹھیرتے ہیں تو بخار سے مر جائیں گے۔ اب تو دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو نہر نہر ہو کر چلو اور بیماری کی پروا نہ کرو۔ یا پھر دریا کے مہلکہ میں پڑو"+

امین "مَیں تو اپنے نزدیک نہر میں چلنا مناسب سمجھتا ہوں"+

اگرچہ ایوب اور جعفر کو یہ رائے پسند نہ آئی۔ لیکن مَیں امین کا مطلب سمجھ گیا۔ اور اصل یہ ہے کہ حبشی کے سر اور اس بندر کی دیوار کو دیکھ کر میری رائے بھی بالکل بدل گئی۔ مَیں خود اپنے تعجب کو مٹانا اور اپنی تحقیقات کو بڑھانا چاہتا تھا۔ مَیں نے بھی نہر میں سفر کرنا مناسب سمجھا۔ بادبان چڑھا لیا گیا۔ ہوا ہمارے موافق

[1] مشرقی افریقہ میں زنجبار سے کوئی ۰۰۰ہ میل کے فاصلہ پر ایک بڑا ٹیلہ تھا۔ اتفاقاً دریاؤں کو طغیانی ہوئی اور اس ٹیلہ کی مٹی بہہ گئی۔ اور کچھ قبریں معلوم ہوئیں۔ یہ ایرانیوں کی تھیں۔ اور کم سے کم سات سَو برس کی پرانی معلوم ہوتی تھیں۔ اگرچہ اس سے بھی پُرانی قبریں ہیں۔ لیکن ان پر کتبے نہ تھے۔ اس کے نیچے ایک بڑے شہر کے کھنڈر معلوم ہوئے اور وہیں قریب ہی ایک اَور شہر نکلا۔ اُسی میں چند برتن دفن نکلے ہیں۔ جو چینی جیسی مٹی کے نہایت سبک اور خوبصورت بنے ہوئے ہیں۔ یہ برتن لندن کے عجائب خانہ میں موجود ہیں۔ برتنوں کی ساخت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بنانے والے کیسے مہذب اور خوش تمیز ہونگے۔ اس سے قیاس لگ سکتا ہے۔ کہ وہ اس درجہ پر کتنے عرصہ میں پہنچے ہونگے وغیرہ وغیرہ (مؤلف)

خوب تیز چل ہی رہی تھی۔ توکل پر چل پڑے اور احتیاطاً بندوقیں بھر کر پاس رکھ لیں۔ ہم نے اپنے تجربہ سے دیکھا کہ طلوع و غروب آفتاب کے چند گھنٹہ بعد تک روز ہوا سست ہوتی تھی۔ اور باقی تمام دن نہایت تیز۔ مَیں نے اپنے نزدیک اس کی یہ وجہ قائم کی کہ سُورج کی گرمی سے ہوا بھاری ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ ایک طرف دریا کی ہوا نسبتاً ٹھنڈی ہوتی ہے۔ ہوا اُدھر جا نہیں سکتی۔ ادھر ہیں پھرتی رہتی ہے۔ صبح و شام جب کسی قدر خنکی ہوتی ہے تو تازہ ہوا آہستہ آہستہ اس کو نکال دیتی ہے ؛

شام ہوتے ہوتے ہم نے کئی شکار کیئے اور مختلف جانوروں کے تماشے دیکھے۔ دریائی گھوڑے عمر بھر میں پہلی دفعہ یہیں نظر آئے۔ چونکہ یہ باتیں خاص میرے مذاق کے موافق ہیں۔ اس لیئے ان کو بالتفصیل بیان کرنے میں عام دلچسپی نہ ہوگی مختصر یہ ہے کہ رات کے وقت پھر ہم نے کشتی کو ایک جگہ باندھا۔ اور پہلے شکار کے کباب کھائے اور پھر سونے کا فکر کیا۔ حشرات الارض کے خوف سے زمین پر اُترنا مناسب نہ سمجھا۔ وہیں کشتی پر ایک لالٹین جلا لی۔ اور ابھی بیٹھے باتیں کر ہی رہے تھے۔ کہ یکایک کنارے کی طرف سے ایک ابر سا اٹھا۔ اور لاکھوں بلکہ کروڑوں ہی مچھروں نے ہم پر حملہ کیا۔ اتنے بڑے مچھر میری نظر سے تو آج تک کبھی گزرے نہیں۔ ظالم جتا جتا کر حملہ کرتے تھے۔ اور ہوشیار کر کر کے کاٹتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ لالٹین کی روشنی سے اُن کی توجہ ادھر ہوئی۔ اس پر ملی ایسی لطیف غذا۔ پھر جانے کا کون نام لے آخر ہم نے سوائے اس کے مفر نہ دیکھا کہ کمبل اوڑھ کر وہیں لڑھک رہے اگرچہ ان کے ڈنک کمبلوں میں بھی اثر کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی کچھ امن تھا۔ ابھی نیند نہ آئی تھی کہ شیروں کے چنگھاڑنے کی آواز آنے لگی۔ کمبل ہٹا کر جو دیکھتا ہوں تو ایک جوڑا تو بالکل کنارہ پر کھڑا ہے۔ اور دیکھتے دیکھتے ایک نہر میں کود آئیں نے اور امین نے بندوقیں سنبھالیں۔ اور قریب پہنچتے ہی ایک کا شکار کیا۔ دوسرا شیر آگے بڑھا۔ ہم نے بندوق میں کارتوس لگائے ہی تھے کہ ایک مگرمچھ نے شیر کی ٹانگ لی۔ زور آزمائیاں ہونے لگیں۔ ایک مرتبہ تو شیر مگرمچھ کو کنارے

پر گھسیٹ لے گیا۔ اُس کو اُٹھانے کے فکر میں تھا کہ شیر کا گلا مگر مچھ کے مُنہ میں آگیا بس پھر کیا تھا۔ لمحہ بھر میں دو ٹکڑے کر کے پھینک دئیے ؂

یہ واقعات ایسے نہ تھے کہ ہم بے فکر ہو کر سو جاتے۔ اور اس لئے باری باری پہرہ مقرر کیا۔ حافظ جعفر کا پہلا پہرہ ہوا۔ اور ہم کو جتنا مچھروں نے سونے دیا۔ باطمینان سو گئے ؂

باب ششم

دلِ خوں گشتہ بہ بند ہوسے افتاد است
مُرغ بسمل شدہ در قفسے اُفتاد است

صبح جو اُٹھتے ہیں تو ایک دوسرے کی صورت دیکھ کر ہنستا ہے۔ اور اپنی صورت کی خبر نہیں لیتا۔ مچھروں نے کاٹ کاٹ کر سب کے چہرے سُجا دئے تھے۔ اور جا بجا بڑے بڑے سُرخ ڈوروں نے چہروں کو اور بھی بھیانک کر دیا تھا۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ مجھ پر مچھروں کا بہت ہی کم اثر ہوا ہے۔ اس پر مجھے اَور بھی دوسروں پر ہنسنے کا موقعہ ملا۔ مچھروں کی میرے اوپر عنایت محض اس وجہ سے تھی کہ میرا چمڑا سخت اَور سیاہ تھا۔ اور خون رقیق نہ تھا۔ اور چہرہ پر بال زیادہ تھے۔ ہم میں سے جو جتنا گورا تھا اتنا ہی سوجا ہوا تھا۔ خاص کر ابن ؂

غرض ہمارے سُوجے ہوئے ہونٹوں سے جتنا ہنسا گیا ہنس کر ضروریات سے فارغ ہُوئے۔ نماز پڑھی۔ معمولات ختم کئے۔ اور آگے روانہ ہُوئے۔ دو پہر ڈھلے ایک خشکی مل گئی۔ اتر کر کباب لگائے۔ گوشت جتنا ہمارے پاس تھا۔ سُکھایا۔ اور کچھ اور شکار کیا۔ چونکہ بہت دیر ہو گئی تھی۔ اس لئے وہیں مقام کر دیا۔ رات کو بجز اس کے کہ مچھروں کی وہی آفت تھی ہم بڑے اطمینان سے سوئے۔ صبح ہی پھر سفر

شروع ہؤا - اور اسی قطع سے تین روز برابر چلتے رہے - کوئی ٹھکانہ ہو تو کہیں - کوئی منزل ہو تو بتلائیں - کوئی نئی بات قابل تذکرہ نہیں ہوئی - بجز اس کے کہ شکار اچھا ملا اور اور سب سے زیادہ یہ کہ عجیب قطع کے خوبصورت اور خوشبودار پھول دیکھنے میں آئے جو سوا اس جنگل کے اَور کہیں نہ تھے - درخت میدان میں کہیں نہ تھے صرف نہر کے کناروں پر بڑے تناور اور سایہ دار درخت تھے - شاید خشکی آب و ہوا کی وجہ ہو ؛

پانچویں روز کہ ہم اپنے اندازہ میں سمندر سے کوئی ڈیڑھ سو بلکہ دو سو میل نکل آئے ہونگے - وہ معمولی ہوا بند ہو گئی - اس سے ہم نے جانا کہ آب و ہوا میں بھی اب فرق آجائیگا - دوپہر کے قریب ہمیں ایک اور نہر اسی نہر سے نکلی ہوئی ملی جو سولہ سترہ گز چوڑی ہوگی - ہم نے یہاں اتر کر کچھ مرغابیاں شکار کیں - اور پھر اس نہر کو بغور دیکھنا شروع کیا - معلوم ہؤا کہ اس میں سے کشتی کا لے جانا قریباً ناممکن ہے - کیونکہ نہر میں پانی بہت ہی کم تھا - اور اس پر گھاس کی بیلیں اس قدر پھیلی ہوئی تھیں کہ کشتی کا دو قدم چلنا بھی مشکل تھا - اس پڑتال سے اتنی بات اور معلوم ہوئی کہ یہ نہر قدرتی نہیں ہے - بلکہ کسی کی کھودی ہوئی ہے - کیونکہ اس کے کنارے بہت ہی مضبوط اور سڈول تھے - عمق اور عرض ہر جگہ یکساں تھا - بجز اس کے کہ مینہ کے پانی نے کہیں کہیں سے کنارے کاٹ دئے تھے - یہ نہر اپنی اصلی صورت کو لئے ہوئے تھی ؛

ہم اگر اسی نہر میں چلتے رہتے جس میں اب تک تھے - اس کے منتہا کا شبہ تھا دوسرے یہ کہ دلدل کے قلعوں نے اَور بھی ہمت توڑ دی تھی - لاچار اب بجز اس کے مفر نہ تھا کہ ہم اس نہر کی آزمائش کریں - خاص کر اس لئے بھی کہ اس نہر کی سمت میں دُور سے کچھ پہاڑیاں بھی نظر آتی تھیں - لامحالہ کشتی کو اُدھر پھیرنا پڑا - کچھ دُور تک تو ہمارے چپوؤں نے کام دیا - لیکن پھر گھاس مانع آئی - اور کشتی کھینچنی پڑی جعفر و ایوب نے ایک طرف اور (چونکہ میں زیادہ قوی سمجھا جاتا تھا) میں دوسرے کنارے پر کشتی کھینچنے لگے - ابن جعفر گی تلوار لے کر کشتی پر بیٹھے گھاس کاٹ کاٹ کر

آگے راستہ بناتے جاتے تھے۔ شام کو تھوڑی دیر کے لئے ایک جگہ سستانے اور کھانا کھانے کے لئے ٹھیر گئے۔ لیکن آدھی رات گئے پھر چل پڑے تاکہ خنکی میں کچھ راستہ طے کرلیں۔ دن بھر میں سوا ٹھیک دوپہر کے کہیں نہ ٹھیرتے تھے۔ چار روز تک برابر یہی مصیبت تھی۔ جو کچھ اس درمیان میں پیش آیا۔ ان کو بیان کرنا لاحاصل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ مصیبت تھی کہ خدا کسی پر نہ ڈالے۔ اور وہ اذیت تھی جو آج تک عمر بھر میں کبھی نہیں اُٹھائی۔ گرمی۔ لُو۔ زمین کی تپنجبر۔ ہاتھ جھلے ہوئے پیروں میں چھالے۔ پنڈلیوں تک کانٹے۔ اس پر مچھر دُشمن۔ غرض ایک مصیبت ہو تو کہوں۔ بس صرف مرگ ناگہانی کی کسر تھی۔ بیمار شاید اس سبب سے نہ ہوئے کہ دست آور دوائیں اور کونین روز استعمال کرتے تھے۔ اور سب سے بڑا علاج محبّت۔ یہ طوعاً و کرہاً کرنا پڑا تھا۔ چوتھے روز پہاڑیاں جن کو ہم دُور سے دیکھ کر بڑھے تھے قریب ہوئیں۔ لیکن چار قدم چلنے کی بھی اب ہمت نہیں رہی تھی۔ یہی جی چاہتا تھا کہ جو ہو۔ یہیں پر مرو۔ چار و ناچار شام کو ایک جگہ ٹھیر رہے کچھ نیند آئی تو پریشان خواب آنے لگے۔ ایک مرتبہ بہت ڈر معلوم ہؤا۔ لاحول پڑھ کر ذرا آنکھ جھپکی ہی تھی کہ کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ آنکھ کھول کر جو دیکھتا ہوں تو ایک شخص میرے سر پر کھڑا ہے۔ اور اس کا لمبا نیزہ میرے سینہ پر ہے چیخ مار کر اٹھ بیٹھا۔ اور ہمراہی بھی جاگے۔ دیکھا تو ایک ہی نہیں۔ کئی آدمی نیزے لئے موجود ہیں۔

یکایک ان ہی میں ایک نے لفظ "امان" کہا۔ ہم نے سمجھا کہ چھٹکارا ہؤا۔ وہاں اُلٹے باندھ لئے گئے۔

ایک شخص (بگڑی ہوئی عربی میں) "تم لوگ کون ہو؟ دریا پار ہونے کی تم نے جرأت کیسے کی؟ جلدی بولو ورنہ ابھی قتل ہوتے ہو!"

مَیں "ہم مسافر ہیں۔ اور تقدیر ادھر گھیر لائی ہے۔"

شخص "ابوئی[1] ! قتل کردیں؟"

[1] یہ لفظ ہمارے ہندوستان کے ابّا۔ ابا جی۔ ابّا جان۔ باوا وغیرہ کا مرادف ہے (مؤلف)

مَیں نے پھر کر دیکھا تو ایک بوڑھا شخص کنارے پر کھڑا ہے۔ اسی شخص کو "ابوی" کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا ٭

بڈھا "ان کا رنگ کیا ہے؟"

شخص "سفید"

بڈھا "پھر قتل نہ کرنا۔ آج چوتھا سورج چڑھا ہے۔ مجھے **"ملکہ مطاع الکل"** نے حکم دیا تھا کہ کچھ سفید آدمی آرہے ہیں۔ اُن کو قتل نہ کرنا۔ اور اُن کو ان کے اسباب سمیت زمین پر اتار لانا اور ہمارے سامنے حاضر کرنا"

شخص (ہم سب کو گھسیٹ کر) "چلو" ٭

مردہ بدست زندہ کی مصداق کنارے پر پہنچے۔ دیکھا تو اسی قبیل کے پچاس آدمی نیزے لئے ہوئے اور کھڑے ہیں۔ چاند ابھی تک اچھی طرح نکلا نہ تھا۔ اسی مدھم روشنی میں مَیں نے بغور دیکھ کر اتنا معلوم کر لیا کہ یہ سب کے سب بجز اس کے کہ چیتے کی کھال باندھے تھے۔ باقی بدن سے ننگے تھے۔ ان کا رنگ حبشیوں میں کھُلا ہوا تھا۔ قدآور اور قوی بازو معلوم ہوتے تھے۔ سب عربی زبان بولتے تھے۔ مگر ذرا بگڑی ہوئی۔ مگر نہ اتنی کہ ہم نہ سمجھ سکیں۔ ہماری عربی وہ خوب سمجھ لیتے تھے ٭

ایک شخص نے ہم سب کو پھر بغور دیکھا۔ اور مجھے دیکھتے ہی چلایا "ابوی! ان میں ایک کالا ہے۔ اسے مار ڈالیں"

میرا خون جتنا مچھروں سے بچا تھا۔ اب خشک ہوگیا ٭

بڈھا "نہیں ابھی نہ مارو۔ یہاں آؤ"

بڈھے نے جھک کر کچھ اس کے کان میں کہا۔ وہ اچھا۔ اچھا کہتا ہوا وہاں سے ہٹ آیا۔ مگر میرے پاس آکر بہت دیر دانت پیستا رہا۔ اور اس کے ساتھ اس کے ساتھی بھی ٭

بڈھا "سب آگئے؟"

ایک شخص "ہاں سب آگئے"

بڈھا ؛ "اچھا تو جس چیز کو یہ تیراتے ہوئے لائے ہیں اس میں سے سب کچھ نکال لاؤ" لمحہ ہی بھر میں تمام اسباب کا ڈھیر ہمارے سامنے لگ گیا ❖

میں چپ - امین حیران - جعفر کو سکتہ - ایوب کو رعشہ - عجیب وقت تھا ❖

یہ بھی ہو چکا تو ہمارے واسطے ایک سواری آئی جس کو ڈولی کہ سکتے ہیں - ہر ایک کے ساتھ چار چار آدمی اُٹھانے والے اور دو کوتل ❖

امین ؛ "غنیمت ہے سواری تو آرام کی ملی - کل جو ہوگا دیکھا جائیگا - عمو ! اسے دیکھئے یہ لوگ عربی بولتے ہیں - اب بھی نہل کہ دیجئے" !

مجھے اپنی جان کے لالے پڑ رہے تھے - امین کے یہ الفاظ سخت ناگوار گزرے میں تو اشارہ پاتے ہی اپنی ڈولی میں بیٹھ گیا - اور میرے ساتھی اپنی اپنی میں - ڈولی اُٹھائی گئی تو معلوم ہوا کہ بہت ہی آرام کی ہے - کسی گھاس کو کپڑے کی طرح بُنا تھا - اس میں چار ڈنڈے لگے تھے - اور ایک لمبا ڈنڈا سب سے اُوپر اُٹھانے کے واسطے ❖

میرے بیٹھتے ہی چار آدمیوں نے ڈولی اُٹھائی اور بھاگنے لگے - اور بھاگتے ہوئے کچھ گاتے جاتے تھے - جن کو میں ہرگز نہ سمجھ سکا - کوئی آدھ گھنٹہ تو میں جاگتا رہا ہونگا - اس کے بعد مجھے خبر نہیں - اس آدھ گھنٹہ میں جو جو کچھ خیال میرے ذہن میں گزرے - شاید دس برس میں بھی نہ آتے ❖

میں اپنے اندازہ میں سات آٹھ گھنٹے سے کسی طرح کم نہ سویا ہونگا - کیونکہ جب میری آنکھ کھلی ہے تو سورج خوب چڑھ آیا تھا - اور ہمارے مفت کے کہار اسی طرح بھاگ رہے تھے - میں نے جھانک کر دیکھا تو شکر کیا کہ وہ نہر اور ولدل اب نہیں نظر آتی - بلکہ بجائے اس کے ایک سر سبز پیالہ کی شکل کی پہاڑی ہمارے پیروں میں لوٹ رہی تھی ! اب یہ معلوم نہیں کہ یہ وہی پہاڑی تھی جس کو ہم نے دور سے دیکھا تھا یا کوئی دوسری تھی - مجھے معلوم نہ ہو سکا - کیونکہ ہمارے نئے مہربان یہاں کے حالات کسی طرح نہ بتلاتے تھے - پھر میں نے ان لوگوں کو دیکھا تمام کو قد آور پایا - ان میں سے کسی کا قد بھی چھ فٹ سے کم نہ ہوگا - سب کا رنگ

سیاہ زردی مائل تھا۔ اور سر کے بال عام حبشیوں کی طرح گھونگروالے نہ تھے۔ نقشہ خوب صورت تھا اور سب سے زیادہ دانت۔ لیکن اس پر خونخواری ہر ایک کی صُورت پر برستی تھی +

جس بات سے مجھے اور زیادہ تعجب ہُوا وہ یہ تھی کہ میں نے ان کو کبھی مسکراتے بھی نہیں دیکھا۔ بعض وقت وہ گاتے ضرور تھے۔ اور باتیں کرتے بھی کم سُنا۔ خدا جانے یہ کس قوم کے ہو نگے؟ ان کی زبان تو بگڑی ہوئی عربی ضرور تھی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ عرب بھی نہ تھے۔ مَیں ان تمام باتوں پر غور کر کر کے اپنی جان کی سلامتی کی دعا مانگ ہی رہا تھا کہ پیچھے سے ایک ڈولی آئی۔ اس میں ایک بڈھا سفید کفنی جیسی پہنے بیٹھا تھا۔ مَیں نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ وہی بڈھا ہے جو "ابوی" کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔ بڈھا خود ایک عجیب چیز تھا۔ لمبی ڈاڑھی اس کی گود میں کھیل رہی تھی۔ آگے کو مڑی ہوئی ناک اس پر زہر میں بجھی ہوئی تیز تیز آنکھیں لیکن بُشرہ سے تجربہ کاری اور سلیم الطبعی برستی ہوئی۔ یہ آپ کا حلیہ تھا۔ اور ایک زرد ململ کی سی کفنی آپ کے زیب بر تھی +

بڈھا "اجنبی تو جاگتا ہے؟"

وہ مخاطب ہُوا تو مجھے معاً خیال ہُوا کہ اس کی خوشامد کر کے دیکھنا چاہیئے۔ شاید جان بچ جائے +

مَیں "ہاں ابوی! جاگتا ہوں"

میرے ابوی کہنے پر بڈھا کچھ مُسکرایا +

بڈھا "معلوم ہوتا ہے کہ تیرے ملک میں بھی سفید ڈاڑھی کی عزت کرنی سکھلائی جاتی ہے۔ یہ بتلا کہ تو اس ملک میں جہاں اجنبی کا قدم بہت ہی کم آتا ہے۔ کیوں آیا ہے۔ کیا تجھے اپنی جان عزیز نہیں"؟

مَیں "ابوی! ہم پرانی چیزیں دیکھتے دیکھتے اُکتا گئے۔ اب نئی نئی باتیں معلوم کرنے آئے ہیں۔ ہم بہادر لوگ ہیں اور موت سے نہیں ڈرتے۔ کیونکہ وہ تو ایک دن آہی رہیگی۔ ہم چاہتے ہیں کہ مرنے سے پہلے اپنے معلُومات بڑھالیں"

بڈھا "شاید یہ بات صحیح ہو۔ مگر مجھے تو جھوٹ معلوم ہوتی ہے۔ خیر" ملکہ مطاع الکل" شاید تیری خواہش پوری کر دے گی"۔

میں "ابوی! یہ "ملکہ مطاع الکل" کون ہے؟"

بڈھا (مسکرا کر) بیٹا! اگر ملکہ کو تیرا زندہ دیکھنا منظور ہوا تو تجھے معلوم ہو جائیگا؟

میں "ابوی! آپ کا زندہ دیکھنے سے کیا مطلب ہے"؟

بڈھا ہنس دیا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔

میں "ابوی! تمہاری قوم کا کیا نام ہے؟"

بڈھا "ہم قبیلۂ بنو الحجر کے لوگ ہیں"

میں "ابوی! اگر میں تمہارا نام پوچھوں تو کچھ بے ادبی تو نہیں ہے؟"

بڈھا "میرا نام یاقوت ہے"

میں "اچھا ابوی! اب یہ بتلا دو کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

یاقوت "یہ تجھے معلوم ہو جائیگا۔ گھبرا نہیں"

یہ کہتے ہی یاقوت نے اپنے حمالوں کو اشارہ کیا۔ اور وہ ڈولی لے اُٹھے۔

باتیں جتنی معلوم ہوئیں اگرچہ کچھ بھی نہ تھیں مگر عجیب تھیں "ملکہ مطاع الکل" خاصتاً مجھے تعجب میں ڈالتی تھی۔ اور قبیلۂ بنو الحجر بھی ایک نئی چیز تھا۔

قاعدہ کی بات ہے کہ صدمہ یا سانحہ کا اثر دفعتاً قلب پر بہت ہی سخت پڑتا ہے لیکن جیسے جیسے اس پر وقت زیادہ گزرتا جاتا ہے۔ اس صدمہ میں کمی آتی جاتی ہے چنانچہ رات کو جس قدر مجھے اپنی جان کا ڈر تھا۔ اس وقت اُس کا اثر بہت کم پاتا تھا اور رفتہ رفتہ تو اس طرف کبھی خیال بھی نہیں آیا۔ ڈولی کے ہچکولوں سے مجھے پھر نیند آگئی۔ نہ معلوم کتنا سویا ہونگا۔ جب جاگا ہوں تو ہماری ڈولیوں کی قطار ایک پہاڑی پر سے گزر رہی تھی۔ جو معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں آتش فشاں رہی ہوگی۔ اب اس کی راکھ میں سینکڑوں خوشنما درخت کھڑے تھے۔ اور دلکش بوٹیاں لہرا رہی تھیں۔ کوسوں تک سبزہ زار مخمل کے فرش کو شرما رہا تھا۔ اور خاص کر اونچی پہاڑیوں تک اس سبزہ کا عمل و دخل عجب جوبن دکھلاتا تھا۔

اگرچہ اس پہاڑی کے دامن پر بڑے بڑے جھاڑ تھے۔ لیکن بلندی یعین وسط میں سبزہ۔ اس پر پھولوں کی مرصع کاری۔ قدرتی چشموں کی آبیاری۔ خدا کو یاد دلاتی تھی۔ جہاں تک میرا قیاس کام کرتا ہے۔ یہ پہاڑی ضرور کسی زمانہ میں آتش فشاں رہی ہے۔ پھر کچھ مدت بعد برساتی پانی کی جھیل بنی اور شدہ شدہ یہ قدرتی باغ بن گیا۔ میرے بعد کے تجربے (جن کا میں آگے چل کر ذکر کرونگا) میرے اس قیاس کی تائید کرتے ہیں۔ ضرور ہے کہ میرا یہ نتیجہ صحیح ہو +

جس بات سے مجھے اَور زیادہ تعجب ہؤا وہ یہ تھی کہ اگرچہ پیچھے میدان میں لوگ بکریاں چراتے ہوئے دیکھے جاتے تھے۔ لیکن مکان کا تو کیا ذکر کہیں جھونپڑا تک نظر نہیں آتا تھا۔ مجھے تعجب تھا کہ یہ لوگ کہاں رہتے ہونگے۔ لیکن یہ عقدہ بھی جلد حل ہوگیا +

غرض کوئی آدھ کوس چل کر ہماری ڈولیاں ٹھیرائی گئیں۔ مَیں اپنے منہ بولے باپ کو ڈولی سے اترتا دیکھ کر اتر پڑا اور ادب سے کھڑا ہو گیا۔ مجھے دیکھ کر ایوب اور جعفر بھی اُتر پڑے +

اب ہمیں معلوم ہؤا کہ جہاں ہم ٹھیرے ہیں۔ یہ ایک چبوترہ تھا۔ جو ایک کھوہ کے سامنے بنا ہؤا تھا۔ ہمارے سامنے ہمارے تمام اسباب (رسّے اکہ چپّو اور بادبان) کا ڈھیر بھی لگا ہؤا تھا اور حمالوں کے سواء بنوالحجر کا ایک غول ہمیں گھیرے ہوئے تھا۔ جو سب ایک ہی قدوقامت اور صورت وشکل کے تھے۔ البتہ رنگوں میں فرق تھا۔ بعض بالکل سیاہ تھے۔ اور بعض گندمی رنگ کے۔ اور ہر شخص ایک نیزہ ہاتھ میں لئے تھا۔ اَوروں کی طرح یہ بھی ایک چیتے کی کھال باندھے ہوئے تھے۔ ان میں چند عورتیں بھی تھیں جو بجائے چیتے کی کھال کے بغل سے لیکر گھٹنوں تک ہرن کی کھال لپیٹے ہوئے تھیں۔ عورتیں جتنی دیکھنے میں آئیں۔ سب خوب صورت تھیں۔ اُبھرا ہؤا ماتھا۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ سُتواں ناک۔ بھرے بھرے گال۔ بال سب کے بیے اَور گھونگریالے تھے۔ ان میں سے دو ایک یاقوت کی سی کفنی زرد ململ کی بھی پہنے ہوئے تھیں۔ بعد میں معلوم ہؤا

کہ یہ کفنی محض حفظِ مراتب کے لئے ہوتی ہے نہ ستر پوشی کے واسطے۔ ہمارے اُترتے ہی یہ تمام عورتیں ہمیں گھیر کر کھڑی ہوگئیں۔ اور سخت تعجب سے بغور ہم کو دیکھ ہی رہی تھیں کہ اتفاقاً ابین کے سر پر سے کہیں ٹوپی سرک گئی۔ یہ گورے خوبصورت قوی جوان تو تھے ہی۔ اس پر دیکھے سنہری بال۔ سب کی سب کچھ کچھ زیر لب کہہ کہہ کر حیرت میں رہ گئیں۔ اسی پر خاتمہ نہیں ہؤا۔ ایک عورت جو اُن سب میں خوب صُورت اور نازک تھی۔ اور جو ابین کو پہلے ہی سے گھور گھور کر دیکھ رہی تھی آگے بڑھی اور بے تکلف ابین کے گلے میں باہیں ڈال کر مُنہ چوم لیا۔ خدا جانے ابین کو کیا سُوجھی کہ (باوجودیکہ ان کو میرا اور ایوب کا بُہت ہی لحاظ تھا) انہوں نے بھی فوراً اس عورت کا مُنہ چُوم لیا۔ میری تو شرم کے مارے آنکھیں نیچی ہوگئیں لیکن ایوب کو تاب نہ رہی۔ بڑے ہی غصے میں فرمانے لگے " ابین! سخت بے حیا ہو گیا ہے۔ کیا ضرور ہے کہ جانوروں کے ساتھ تو بھی جانور بن جائے"

مَیں تو بہت ہی ڈرا تھا کہ دیکھئے کیا فساد ہو۔ مگر مجھے سخت تعجب ہؤا کہ لوگوں میں گھبراہٹ کے کوئی آثار نہ معلوم ہوئے۔ اور عورتیں کچھ مُسکرا کر رہ گئیں غنیمت ہے کہ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں معلوم ہؤا کہ ان عجیب الخلقت لوگوں میں تمام وحشی اقوام کے خلاف عورتوں کو مردوں پر تفوق ہوتا ہے۔ اور نہ صرف عورتیں مردوں سے افضل ہی سمجھی جاتی ہیں۔ بلکہ نسل عورتوں سے ہی منسوب ہوتی ہے۔ اور ماں کی طرف سے چلتی ہے۔ ہم نے لوگوں کو کسی خاص ماں اور دادی کی اولاد ہونے پر اتنا ہی فخر کرتے سُنا ہے جتنا ہمارے یہاں کسی بڑے آدمی کی اولاد ہونے پر۔ وہاں باپ کو یاد کرتے کبھی سُنا ہی نہیں گیا۔ اگرچہ ممکن ہے کہ اُن کا باپ اپنی قوم میں بڑا ہو قبیلہ بھر کا ایک باپ ہوتا ہے اور بس۔ مثلاً یافوت کہ قریباً سات ہزار آدمیوں کا باپ تھا*

نکاح یا شادی کا عجیب قاعدہ ہے۔ ایجاب پہلے عورت کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ عورت بھرے مجمع میں دُولہا کا منہ چُوم لیتی ہے۔ جس طرح ابھی

اس عورت سے نے کیا جس کا نام بعد کو معلوم ہوا اُستن تھا۔ اگر وہ مرد بھی عورت کا مُنہ چوم لے تو یہ بمنزلہ قبول کے ہے۔ نکاح یا شادی ختم ہو گئی۔ بس بعینہ اسی طرح جیسے ایجن سے اس وقت حرکت سرزد ہوئی۔ یہ نکاح برابر اس وقت تک قائم رہتا ہے کہ دونوں میں سخت ناراضگی ہو جائے۔ یا ایک مر جائے۔ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی کی تبدیلی بہت ہی جلد جلد ہوتی رہتی ہو گی۔ مگر نہیں اکثر مرکر ہی یہ تعلق ختم ہوتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی رقیب پیدا ہو جائے۔ تو آپس میں لڑائی نہیں ہوتی۔ بلکہ شوہر بے تامل اپنی بیوی کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اور فوراً ہی وہی ایجاب و قبول کی رسم ادا ہو جاتی ہے۔

ایک مشہور مقولہ ہے کہ مراسم وہ چیز ہیں کہ ان کی ادائیگی کے بعد ممنوعات جائز ہو جاتی ہیں۔ اور یہ اخلاقی عین تہذیب ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے گو ہماری نظروں میں یہ ایجاب و قبول غیر مقفی۔ اور یہ نکاح وحشیانہ سمجھا جائے مگر اس ملک کے رواج سے لاہائی یہ ہی نہیں بلکہ جائز ہے۔

باب ہفتم

دیوانہ بزنداں نشود تنگ کہ آنجا

صد دامن ویرانہ و دلہا خراب است

اگرچہ میں نے دیکھا کہ ایک عورت ایوب کی طرف بہت ہی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ مگر غنیمت ہے کہ میرے اوپر کسی کی عنایت مبذول نہیں ہوئی۔ یاقوت ہمیں کھوہ کے اندر لے گیا۔ اور اُستن سایہ کی طرح ہمارے ساتھ ہو گئی۔ ہم

کوئی پانچ ہی قدم چلے ہونگے کہ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ کھوہ قدرتی نہ تھی۔ بلکہ آدمیوں کی بنائی ہوئی ہے۔ اندر پہنچ کر ایک بڑا کمرہ کوئی چالیس گز لمبا اور بیس گز چوڑا بنا ہوا تھا۔ اور اس کمرہ میں سے اور مختلف راستے چھوٹے چھوٹے کمروں کی طرف کھلے ہوئے تھے۔ اندر اس قدر سردی تھی کہ وہاں بغیر آگ کے ٹھیرنا مشکل تھا۔ اس لئے وسط کمرہ میں آگ جل رہی تھی۔ یہیں یاقوت ہم سب کو لے کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں چند آدمی بکری کا گوشت اور تازہ دُودھ اور مکّی کی روٹیاں لے کر آ گئے۔ ہم سب کا بھوکوں کے مارے بہت بُرا حال تھا۔ اگرچہ گوشت کے لئے بہت ہی جی للچایا۔ مگر مجبوراً دکان سے روٹیاں منگوانی پڑیں +

جب ہم کھانا کھا چکے تو یاقوت جو بہُت ہی غور سے ہمیں کھاتے دیکھ رہا تھا کھڑا ہوُا اور کہنے لگا کہ " یہ جو کچھ ہو رہا ہے سخت عجیب معاملہ ہے۔ کبھی یہ نہیں دیکھا اور سُنا گیا کہ کوئی اجنبی یہاں آیا اور بنو الجمر نے اس کی تواضع کی ہو یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ ہم جیسے پتھر موم ہیں۔ میں نے پہلے تمہیں ادھر آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اور تمہارے مار ڈالنے کے واسطے حکم دے چکا تھا۔ لیکن یکایک " ملکہ مطاع الکل " کا تاکیدی حکم پہنچا کہ تم سب کو زندہ پیش کیا جائے۔ میں مجبور ہو گیا۔ ورنہ تم یہاں ان صورتوں میں نظر نہ آتے "

میں " ابوی! معاف کرنا " ملکہ مطاع الکل " تو شاید یہاں سے دُور رہتی ہے۔ پھر اس کو ہمارے آنے اور تمہارے حکم کا کیونکر حال معلوم ہو گیا "

یاقوت (یہ دیکھ کر ہم تنہا ہیں) " کیا تمہارے ملک میں کوئی بھی ایسا نہیں رہتا جو بغیر کانوں کے سُنے اور بغیر آنکھوں کے دیکھے۔ اگر رہتا ہے تو ایسے سوالات کیوں کرتے ہو۔ اُس کو سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے "

میں یہ مائل و دل جواب سُن کر بالکل خاموش ہو گیا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اور کیا سوال کروں۔ ایک مخمصہ تھا جس سے نکلنا محال معلوم ہوتا تھا +

یاقوت " اس کے بعد ملکہ کی اور کوئی ہدایت میرے پاس نہیں آئی۔ اِسی

خیال سے میں اب وہاں جاتا ہوں "

میں "ابوی! پھر تم کتنے روز تک واپس آجاؤ گے؟"

یاقوت "اگر میں دن رات ان ہی ڈولیوں پر چلتا رہوں اور وہاں ٹھیرا نہ لیا جاؤں تو پانچویں روز واپس آجاؤں گا۔ دلدل بہت پڑتی ہے۔ ورنہ شاید جلد آجاتا۔ لیکن تم گھبراؤ نہیں۔ تمہاری یہاں پوری طرح خبرگیری ہوگی۔ اور بہت آرام سے رہوگے۔ مجھے بھی تمہارے اوپر کچھ رحم آتا ہے۔ اگرچہ اس عظیم الشان قہار ملکہ کے سامنے کسی کو بولنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ لیکن جہاں تک مجھ سے ممکن ہوگا تمہارے بچانے کی کوشش کرونگا۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس میں مجھے بہت ہی شک ہے۔ کیونکہ میری اتنی عمر آئی ہے میری ماں بھی میری پردادی سے سُنی ہوئی یہی کہتی تھی کہ کبھی کوئی اجنبی اس سرزمین پر آکر باقی نہیں رہ سکا۔ بلکہ فوراً ہی ملکہ کے حکم سے مار ڈالا گیا ہے "

میں "ابوی! کیا تمہاری پردادی کے وقت بھی یہی ملکہ حکمران تھی؟ یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ میں تو جانتا ہوں کہ اگر تمہاری ہی جیسی تمہارے خاندان کی عمریں ہوئی ہونگی تو یہ ملکہ تمہاری پردادی کے وقت میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوگی "

یاقوت کے جانے کے بعد ہمیں یہ آزادی باتیں کرنے کا موقعہ ملا ۔

مَیں "امین! تم نے سُنا یہ جانگلو کیا کہتا تھا۔ بھئی میں تو اس "ملکۂ مطاع الکل" کے نام سے گھبراتا ہوں۔ ظالم کے ہاتھوں کوئی زندہ ہی نہیں رہنے پاتا۔ اور ذرا دقیانوسی عمر تو دیکھو!"

امین "جی ہاں سب سُن رہا تھا۔ آپ مہمل کہہ دینگے۔ لیکن ہو نہ ہو یہ ملکہ وہی عورت ہے جس کو میری مورثہ علیا نے جادوگرنی لکھا ہے۔ اگر اس کی عمر کی طرف خیال کیا جائے تو کچھ شک نہیں رہتا کہ وہی ہے "

واقعات پیش آمدہ ایسے تھے کہ میرے حواس ہی بجا نہ تھے۔ اگرچہ جی چاہا کہ "مہمل" کہہ دوں۔ مگر تین آدمیوں کی آنکھوں میں کیسے خاک ڈال دیتا۔

ظہر کا وقت ہو گیا تھا۔ نماز پڑھی اور میرے کہنے سے سب نہانے کے واسطے تیار ہو گئے۔ اتفاق سے ایک شخص بھی آ گیا۔ ہم نے اسی سے اپنی یہ خواہش ظاہر کی۔ وہ فوراً ہمیں لے جانے پر تیار ہو گیا۔ ہم نے جزوی کپڑے لئے۔ اور چٹ پٹ سدھا کر اس کے ساتھ ہو لئے۔ کھوہ کے باہر ایک جم غفیر ہمارے دیکھنے کو کھڑا تھا۔ لیکن ہمارے منہ سے دھواں نکلنا دیکھ کر سب یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے۔ کہ یہ جادوگر ہیں۔ یہ سیر بھی قابل دید تھی۔ خیر ہمارے راہبر نے ہمیں ایک قدرتی صاف و شفاف چشمہ پر جا کھڑا کیا۔ وہاں کمبخت عورتیں گھیر کھڑی ہوئیں۔ یہ مرض بے درمان تھا۔ ہم لاچار بے تکلف نہایت اطمینان سے نہائے اور عصر کی نماز وہیں پڑھ کر واپس ہوئے۔

کھوہ تک واپس آتے آتے مغرب کا وقت ہو گیا۔ اندر دیکھا تو وہی غول بیابانی پھر موجود ہے۔ مٹی کے چراغ روشن ہیں۔ اور تیل کی ناخوش آئند بو اڑ رہی ہے۔ اور لوگ بیٹھے روٹی کھا رہے ہیں۔ ہم نے نماز پڑھنی شروع کی۔ یہ لوگ روٹی پانی کو بھول کر ہماری نماز کی سیر کرنے لگے۔ کوئی ہنستا تھا۔ کوئی چپ تھا۔ ایک نے کہا کہ یہ لوگ جادو کر رہے ہیں۔ اسی پر سب کا اتفاق ہوا اور وہ لوگ گھبرا کر بھاگ گئے۔

نماز کے بعد ہم معمولات سے فارغ ہوئے تھے کہ ہمارے واسطے بھی کھانا آ گیا اور کھانا کھانے ہی ہمیں سو جانے کا حکم ہوا۔ ایک شخص چراغ لے کر میرے ساتھ ہو لیا۔ اور پہلو کے کمرہ یا ڈربے میں لے گیا۔ یہ جگہ کل چار گز مربع اور قد آدم اونچی تھی۔ اس کے ایک طرف پتھر تھا جو زمین سے گز بھر اونچا ہوگا۔ اسی پہاڑ سے کھوہ کے ساتھ تراشا گیا ہوگا۔ یہی پتھر میرا چھپر کھٹ تھا۔ اس کمرہ بھر میں اگر دنیوی سامان تھا تو یہی۔ لطف یہ ہے کہ کوئی طاقچہ یا روشندان تک نہ تھا۔ مجھے فوراً یہ خیال ہوا۔ اور بعد میں اس خیال کی تصدیق بھی ہو گئی کہ یہ مقام درحقیقت مقبرہ تھا۔ اور اس پتھر پر لاش مصالحہ

لگا کر رکھی جاتی ہوگی - یہ خیال آتے ہی جی کانپ گیا۔ مگر علاج کیا ہو سکتا تھا۔ رات گزارنی ضروری تھی - مجبوراً یہیں رہنا منظور کرنا پڑا +

مَیں اپنا اوڑھنا بچھونا لئے پھر اسی بڑے کمرہ میں گیا تو یہ جھگڑا سُنا۔ کہ ایوب کے واسطے بھی ایسا ہی کمرہ تجویز کیا گیا تھا۔ لیکن وہ وہاں ٹھیرنا پسند نہیں کرتا۔ اور میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ اور ہمارے میزبان اسے مجبور کر رہے ہیں۔ میری سفارش کا اتنا اثر ہوا کہ وہ میرے ساتھ کر دیا گیا +

رات فی الجملہ آرام سے کٹی۔ البتہ خواب پریشان آتے رہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ میں زبردستی زندہ دفن کیا جا رہا ہوں +

ایک دفعہ جو آنکھ کھلی تو ڈھول بجتا سُنا۔ معلوم ہوا کہ صبح ہو گئی۔ اول وقت تھا۔ اُٹھا ساتھیوں کو جگایا۔ نماز پڑھی۔ اور اس وقت تک کی سلامتی پر شکر کیا +

کھانا کھانے کے بعد عجیب لطف ہوا۔ ایوب اپنے خیال میں بیٹھا تھا کہ ایک جوان عورت اس کی طرف بڑھی اور اُس کا مُنہ چوم لیا۔ ایوب چونک اُٹھا۔ کھڑے ہو کر اس عورت کو دھکیل کر فرماتے کیا ہیں "مردار! یہ کیا؟" وہ پھر ہاتھ پھیلا کر بڑھی۔ اس وقت ایوب کی حالت بہت ہی غیر تھی۔ پیچھے ہٹتا جاتا تھا اور بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ اور وہ عورت تھی کہ بلا کی طرح اسے چمٹی جاتی تھی۔ امین بیٹھے قہقہہ لگا رہے تھے ہنسی مجھے بھی بہت آئی۔ بہت ضبط کیا۔ ایوب امین کو ہنستا دیکھ کر اَور بھی ناراض ہوا۔ اور کہنے لگا کہ "امین! او امین! ارے بے ہودہ ہنس رہا ہے۔ خدا کے واسطے اِسے پکڑ۔ اری چڑیل! مَیں ایسا آدمی ہی نہیں۔ ارے کوئی خدا کے واسطے اِسے پکڑ لو۔ اری کتیا دُور ہو۔ مَیں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ مجھے کوئی بدچلن مقرر کیا ہے۔ امین خدا کے واسطے"+

کسی کو اُٹھتا نہ دیکھ کر ایوب پہلو کے کمرے میں بھاگا۔ بنو الجرب ہنسنے لگے اور وہ عورت سخت طیش میں کچھ دیر تو وہیں کھڑی رہی۔ آخر چل دی۔ اور ایوب کانپتا ہوا ہمارے پاس آ بیٹھا۔ اور سخت شکایت کرنے لگا۔ امین نے کچھ مذاق کرنا چاہا۔ لیکن میں نے اُن کو اشارہ سے روک دیا +

مَیں نے دیکھا کہ ہمارے میزبانوں کو ایوب کی یہ حرکت سخت ناگوار ہوئی ہے۔ مَیں نے رفع دخل کے لئے ان کو سمجھایا کہ ہمارے ملک میں علے الاعلان ایسی حرکت سخت مکروہ ہے۔ اور بڑی شرم کی بات سمجھی جاتی ہے۔ اس پر ان کی تسلی نہیں ہوئی۔ اور ابین کی مثال پیش کی۔ مجھے ابین کی حرکت پر غصہ تو پہلے ہی آرہا تھا۔ اب برس پڑا۔ وہ فرمانے لگے کہ "عموّ! واللہ میں نے مذاق میں ایسا کیا تھا"۔ اب اس کا کیا جواب ہو سکتا تھا۔ مَیں یہ کہہ کر چُپ ہو رہا۔ کہ تمہارے بے تُکے پن کی بھی انتہا نہیں۔ خیر خدا خدا کرکے ان کو سمجھایا۔ مگر مَیں کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی تسکین نہیں ہوئی۔ اور اس کا نتیجہ بہت ہی بُرا ہُوا۔ چنانچہ آگے چل کر معلوم ہو گا ؛

ظہر کی نماز پڑھ کر ہم سیر کرنے نکلے۔ ہم نے وہاں دو قسم کی گائیں دیکھیں ایک تو قدآور۔ مگر دُبلی پتلی۔ معلوم ہُوا کہ یہ صرف دودھ کے کام آتی ہیں۔ دوسری چھوٹے قد کی۔ مگر موٹی تازی۔ یہ کھانے کے لئے مخصوص تھیں۔ بکریوں پر لمبی لمبی پشم ہوتی ہے۔ اُن کا دُودھ کام میں نہیں آتا۔ محض کھانے کے لئے پالی جاتی ہیں۔ زراعت کی یہ شکل تھی کہ ہَل تو وہاں کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ پھاوڑوں سے زمین گوڑ لیتے تھے۔ اور بیج ڈال کر چلے آتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ پھاوڑوں سے کام لینے میں بڑی محنت پڑتی ہے۔ لیکن کَل سے زیادہ کام لے لیا جاتا ہے۔ یہ تمام کام مرد ہی کرتے ہیں۔ عورتوں کو ایسی محنت کے کاموں میں کوئی دخل نہیں تھا۔ شاید اس کی وجہ وہی تفوق ہو جو اس نازک دلربا جنس کو مردوں پر حاصل ہے ؛

آئندہ چار روز میں کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ اُستنن سایہ کی طرح ابین کے ساتھ تھی ہی۔ ہم نے اسی سے اس عجیب الخلقت کا حال دریافت کیا۔ اس کی زبانی معلوم ہُوا کہ ان کی اصلیت کا پتہ نہیں۔ لیکن اس کے قیاس میں یہ ان ہی مہند بین کی اولاد ہیں۔ جو ان کھوہوں وغیرہ کے بانی تھے۔ ع

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

اگرچہ اس کے قیاس کی جو کچھ وقعت ہو سکتی ہے ظاہر ہے۔ لیکن اس خصوص میں اس پر اعتماد کرنے کے سوا چارہ نہیں تھا۔ وہ کہتی تھی کہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ جہاں "ملکہ مطاع الکل" رہتی ہے اُس کے قریب بڑی بڑی سنگی عمارات کے کھنڈر پڑے ہیں۔ اور بڑے مضبوط بلند ستون اب تک کھڑے ہیں۔ اس مقام کا نام "کور" ہے۔ پرانے عقلمند لوگ کہتے ہیں کہ یہاں کسی زمانہ میں ایک بہت بڑا شہر آباد تھا۔ چونکہ یہ کھنڈرات تمام آسیب زدہ ہیں۔ اس لئے ان کے پاس تک جانے کی کسی کو ہمت نہیں پڑتی۔ شہر "کور" کے علاوہ ملک بھر میں جا بجا کھنڈرات ملتے ہیں۔ اور وہ تمام آسیب زدہ ہیں۔ کھوئیں بھی ان ہی لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ جو یہاں آباد تھے۔ موجودہ نسل کسی ضابطہ یا قانون کو نہیں مانتی۔ بلکہ رواج کے پابند ہیں۔ جو سالہائے دراز سے ان میں چلا آتا ہے۔ اگر کوئی شخص رواج سے ذرا بھی تجاوز کرے تو اس کی کم سے کم سزا موت ہے۔ اپنے اپنے قبیلہ میں باپ یا "ابوی" حاکم اعلےٰ سمجھا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ سزا دینے کی کیا ترکیب ہے تو وہ مسکرا کر کہنے لگی کہ اگر یہاں رہے تو کسی روز دیکھ ہی لو گے۔

ان کی ایک بادشاہ بھی ہے جو ملکہ "مطاع الکل" یا صرف "ملکہ" یا "حیۃ"[1] کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ یہ ملکہ باہر کم نکلتی ہے۔ وہ بھی ان موقعوں پر کہ اس کو کسی نہایت اہم مقدمہ میں خود حکم سزا دینا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے اور سچ پوچھو تو اس دیکھنے کو دیکھنا بھی نہیں کہتے۔ کیونکہ سر سے لے پیر تک وہ ایک کپڑا لپیٹے رکھتی ہے۔ اس کے چہرہ کا تو کیا ذکر کسی نے کبھی اس کا ہاتھ پیر بھی نہیں دیکھا۔ لطف یہ ہے کہ اس کے محافظ تن[2] یا خدمتگار جتنے ہیں سب کے سب گونگے۔ اس لئے اس کے متعلق کوئی بات بھی نہیں معلوم ہو سکتی اتنا ضرور ہے کہ وہ اس قدر خوبصورت ہے کہ اس کا ثانی نہ کبھی دنیا میں ہوا تھا نہ ہوگا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ وہ مدت سے زندہ ہے۔ اور اس کو کبھی موت نہ

[1] حیۃ۔ ہمیشہ زندہ رہنے والی [2] محافظ تن۔ باڈی گارڈ۔

آ سے گی ۔ لیکن اُستن کو اس خاص اعتقاد میں اَوروں سے اتفاق نہ تھا ۔ اس کا یہ خیال تھا کہ ملکہ ایک خاص عمر میں اپنے لئے ایک شوہر انتخاب کرتی ہے اور جب اس سے ایک لڑکی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ شوہر مار ڈالا جاتا ہے ۔ اور اُس کی لاش ضائع کر دی جاتی ہے ۔ وہ لڑکی برابر پوشیدہ پرورش پاتی رہتی ہے ۔ اَور اپنی ماں کے مرنے کے بعد تخت نشین ہو جاتی ہے ۔ چونکہ خدمتگار تمام گونگے ہَیں اور خود ملکہ نقاب ڈالے رہتی ہے ۔ اس لئے یہ بھید نہیں کھلتا ۔ بہر حال یہ ملکہ نہایت عظیم الشان اور طاقتور سمجھی جاتی ہے ۔ اس کے احکام کی تعمیل میں ذرا بھی تساہل کرنا گویا دانستہ خود کو موت کے مُنہ میں ڈالنا ہے ✦

مجھے اُستن کا یہ قیاس جو ہر طرح قرین عقل تھا ۔ بہت ہی پسند آیا ۔ اَور میرے خیالات میں ایک قسم کا تغیر پیدا ہو گیا ✦

میں نے اس سرزمین کی وسعت اور تعداد آبادی کے متعلق سوالات کئے ۔ مگر ان کا جواب تسلی بخش نہ ملا ۔ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ اِس ملک میں یاقوت کے قبیلے جیسے کم سے دس قبیلہ اَور آباد ہَیں ۔ اور خاص ملکہ کا قبیلہ اس کے علاوہ ہے ۔ یہ تمام قبائل کھوؤں میں ہی آباد ہیں ۔ دلدلیں اس ملک میں بڑی کثرت سے ہَیں ۔ اور اُن کو عبُور کرنا یہیں کے باشندوں کو آتا ہے ۔ قبائل آپس میں لڑ بھی پڑتے ہیں ۔ یہ لڑائی برسوں برابر جاری رہتی ہے ۔ یہاں تک کہ ملکہ ممانعت کرا بھیجتی ہے ۔ اس کے بعد ایک متنفس کے خراش آنا بھی سخت جُرم ہو جاتا ہَے ۔ یہ لڑائیاں اَور وبائی بخار اگر نہ پھیلتا رہے تو شاید یہاں کی آبادی بہت ہی بڑھ جائے ۔ لیکن موجودہ صُورت میں بڑھنا ناممکن ہے ۔ اس ملک والوں کو غیر ممالک سے بہت کم واسطہ پڑتا ہے ۔ اور دلدلوں کی وجہ سے بیرُونی حملوں کا اندیشہ بھی نہیں ہَے ۔ ایک دفعہ سمندر کی طرف سے ایک فوج نے حملہ کیا تھا ۔ لیکن بغیر لڑائی بھڑائی کے ہی یہ فوج دلدلوں میں پھنس کر غارت ہو گئی ۔ اور جو باقی بچے ان کو بخار نے منگوا لیا ۔ یہ بات اس نے بہت ہی صحیح کہی کہ اگر ہمیں یاقوت یہاں تک نہ پہنچاتا تو ہم کسی حال میں یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے ۔ یہ اَور اسی

تقبیل کی اور سینکڑوں باتیں ہیں ان چار دنوں میں اُستن کی زبانی معلوم ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں ہمارے نزدیک عجائبات تھیں۔ سب سے زیادہ یہ کہ اکثر باتیں تحریر کی تصدیق کرتی تھیں۔ ملکہ کے حالات ہمیں جتنے زیادہ معلوم ہوتے جاتے تھے اسی قدر ہمارے استعجاب میں ترقی ہوتی جاتی تھی۔ اگرچہ اُستن کے قیاس سے میرے خیالات میں اس کی نسبت گو نہ تغیر آگیا تھا۔ لیکن امین اپنے اسی عقیدہ پر تھے کہ یہ ملکہ وہ شخص ہے جس کو اس تحریر میں جادوگرنی کہا گیا ہے۔ مجھے اس خیال کی تردید کے ذرائع حاصل نہ تھے۔ اور نیز میں ان خیالات کو کئی مرتبہ مہمل بتلا کر شرمندہ بھی ہو چکا تھا۔ اس لئے سوائے خاموش ہو جانے کے کچھ چارہ بھی نہ دیکھتا تھا۔ ایوب کی یہ کیفیت تھی کہ وہ پہلے ہی یہ کہ چکا تھا کہ جب سے میں نے اس زمین پر قدم رکھا ہے۔ میرے حواس بالکل جاتے رہے ہیں۔ اب باقی رہے حافظ جعفران کو وہ چپ لگی تھی کہ کسی عنوان ٹوٹنے میں ہی نہیں آتی تھی۔ خدا جانے اُن کو ایسا کہاں کا خوف آگیا تھا۔ کہ ان چار ہی روز میں قاق ہو گئے تھے۔ دن بھر قرآن مجید پڑھنا ان کا مشغلہ تھا۔ زبردستی کھانا کھلا دیا تو کھا لیا۔ پانی پلا دیا تو پی لیا۔ ورنہ ایک طرف ٹکی لگائے بیٹھے ہیں۔ قرآن شریف ہے اور وہ ہیں۔ بمشکل اتنا تو معلوم ہوا۔ کہ اُن کے نزدیک یہاں جتنے آدمی نظر آتے تھے۔ سب خبیث ارواح تھیں۔ بھئی سچ یُوں ہے کہ بعض وقت اُن کا یہ خیال مجھے بالکل صحیح معلوم ہوتا تھا۔

غرض بُرے یا بھلے وقت گزرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ یافوت کے جانے کے بعد پانچویں رات کو ایک عجیب واقعہ گزرا جو سُننے کے قابل ہے۔

ہم سب عشا کی نماز پڑھ کر وہیں اپنے قصر یا محل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے دو چراغ روشن تھے۔ کافی روشنی ہو رہی تھی۔ ہم آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے اور اُستن ہمارے پاس اپنی عادت کے موافق بیٹھی تھی کہ یکایک گھبرا کر اٹھی اور امین کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسی بگڑی ہوئی عربی میں ایک نظم پڑھی۔ جس کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے:۔

"تو میرا ہے اور میں شروع ہی سے تیرے انتظار میں تھی ؛

" تو بہت ہی خوبصورت ہے تیرے جتنا گورا کوئی نہیں ہو سکتا۔

" ایسا خوبصورت مرد اور ایسے قوی بازو کہاں ہوتے ہیں ۔

" تیری آنکھیں ایک آسمان ہے جس میں روشنی تاروں کی طرح چمکتی ہے ۔

" تیری صورت دیکھتے ہی میرا دل تیری طرف مائل ہو گیا ۔

" جیسے ہی میری آنکھیں تجھ پر پڑیں میں تجھے چاہنے لگی ۔

" اے میری جان ۔ بس فوراً ہی میں نے تجھے اپنا بنا لیا ۔

" اور تیرے سینہ سے اس واسطے لپٹ گئی کہ تجھے کوئی آسیب نہ پہنچے ۔

" میں نے تیرے سر کو اپنے بالوں سے ڈھک لیا کہ کہیں اس پر دھوپ نہ پڑے ۔

" بس میں بالکل تیری ہو گئی اور تو میرا ہو گیا ۔

" کچھ روز اسی طرح گزرے تھے کہ یکایک نحوست نے آگھیرا اور مصیبت کا دن آ گیا ۔

" ہائے میری جان ۔ نہ معلوم اس روز تجھ پہ کیا افتاد پڑی ۔

" لیکن میں نے تجھے اس کے بعد نہیں دیکھا ۔ اور میں اندھیرے میں کھڑی رہ گئی ۔

" وہ جو استن سے زیادہ حسین اور طاقتور تھی تجھے چھین لے گئی ۔

" لیکن پھر تو میرے پاس آیا ۔ اور تیری آنکھوں نے مجھے اندھیرے میں ڈھونڈا

" لیکن اس کا حسن تجھ پر غالب تھا ۔ وہ تجھے بیابان میں لے گیا ۔

" اور پھر ہائے پھر ۔ میری جان !!"

بیچاری استن آخری مصرعہ بھی پوری طرح نہ گنگنے پائی تھی کہ اس کی زبان بند ہو گئی کانپ رہی تھی ۔ خوف کے تمام آثار اس کے چہرہ پر تھے ۔ ایک طرف کو ٹکٹکی لگائے ہوئے تھی ۔ مگر ابھی تک ایین کے سر پر سے ہاتھ نہیں ہلا تھا ۔ یکایک گھبرا کر ہاتھ بھی ہٹا ۔ اور زیادہ کانپنے لگی ۔ اور بالکل زرد ہو کر اپنی انگلی سے اس طرف اشارہ کیا ۔ جدھر اس نے ٹکی لگائی تھی ۔ دو تین منٹ اسی طرح کھڑی رہی ۔ اور پھر بے ہوش ہو کر گر گئی ؛

عجیب نظارہ تھا ۔ جس کے تصور سے اب تک میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے

ہیں۔ امین کو تو خیر اس سے ایک طرح کی محبت ہو ہی چلی تھی۔ ان کا گھبرا کر اٹھنا اور اُستن کا سر زانو پر لے بیٹھنا تو کچھ بعید نہ تھا۔ میری خود بُری کیفیت تھی۔ اور سخت پریشان تھا ؛

غنیمت ہؤا کہ دو چار ہی مرتبہ مُنہ پہ چھینٹیں دینے سے اُس کو ہوش آ گیا۔ اور اُٹھ بیٹھی۔ جب کچھ بولنے کے قابل ہوئی۔ تو امین نے پوچھا۔ کہ "استن یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟"

اُستن "کچھ نہیں۔ مَیں تو اچھی خاصی ہوں۔ اپنے ملک کے رواج کے موافق ذرا گائی تھی"

امین "خوب! لیکن ہم تمہاری نظم کا مطلب نہیں سمجھے"

اُستن "نہیں کچھ نہیں۔ مطلب ہی کیا ہوتا"

امین "اچھا تم کیا دیکھ کر ڈری تھیں؟"

اُستن "نہیں کچھ بھی نہیں دیکھا۔ دیکھو مجھ سے کچھ پوچھو نہیں۔ کچھ بتلا کر میں تمہیں بھی کیوں ڈراؤں۔ (لیکن امین کا مُنہ چُوم کر) میری جان! جب میں یہاں نہ رہوں اور تم رات کو اپنا ہاتھ پھیلاؤ اور مَیں نہ ملوں تو مجھے بھول نہ جانا۔ اگرچہ مَیں تمہارے پیر دھونے کے قابل بھی نہیں ہوں۔ یہ ملاقات کی گھڑیاں اطمینان اور خوشی سے گزار دو۔ قبر میں محبت کی گرمی اور عشق کا ذائقہ نہ ہوگا۔ بلکہ یہ وقت یاد آ آ کر دکھ دے گا۔ آج رات تو ہماری ہے کل دیکھئے کس کی ہو اور ——"

اُستن آگے کچھ اَور کہنا چاہتی تھی۔ مگر چُپ رہ گئی ؛

باب ہشتم

سیر از جہاں نشدم بگداز فنائے خویش
چوں رشتہائے سوختہ گشتم غذائے خویش

دُوسرے روز جو کچھ واقعہ گزرا اس کے خیال سے ہی میرا خون خشک ہوا جاتا ہے - اور مجھ ہی پر کیا شاید ان لوگوں کا بھی جن کو دل گردہ کا دعویٰ ہو ✦

صبح ہی ہمیں شام کی دعوت کا حکم سُنایا گیا - مجھے خدا جانے کیوں اس دعوت کا نام ہی سُن کر ہول ہوُا - ہر چند مسافرت اور پریشانی کا عذر کیا - مگر ایک پیش نہ گئی - میزبانوں کو کبیدہ ہوتا دیکھ کر بجبر و اکراہ منظور کر لی - ایمن اور اُستن تو کہیں سیر کرنے گئے ہوئے تھے - مغرب کی نماز پڑھتے ہی ہماری طلبی آئی - مَیں ایوب اور حافظ جعفر باہر نکلے ہی تھے کہ ادھر سے وہ دونوں بھی آ گئے - دعوت کا نام سُن کر مَیں نے دیکھا کہ اُستن کو سخت پریشانی ہوئی - وہیں ایک آدمی جاتا ملا - اُستن نے اُس کو الگ لے جا کر کچھ باتیں کیں - اور اُس کو اطمینان تو نہیں کچھ تسکین سی ہو گئی - اگرچہ گھبراہٹ بدستور باقی رہی ✦

غرض جب ہم چاروں اور پانچویں اُستن ایک دوسری کھوہ کے دہانے پر پہنچے ہیں تو دیکھا کہ وہاں آگ جل رہی ہے - اور چند آدمی اس کے گرد بیٹھے ہیں - ان ہی میں وہ شخص بھی تھا جس کی یاقوت سے اُتر کر عزت کی جاتی تھی - اُستن کی اس سے کچھ ردو بدل ہوئی - جس کو خوب نہ سمجھ سکے - مگر ہم نے یہ دیکھا کہ وہ شخص اُستن پر ناراض ہوُا اور اس کو وہیں بٹھا لیا ✦

ہم کھوہ کے اندر گئے تو وہاں بھی آگ جل رہی تھی - اور بہت سے آدمی اس کے گرد ایک حلقہ باندھے بیٹھے تھے - اور وہ عورت بھی موجود تھی - جو ایوب پر نظر

عنایت کر چکی تھی۔ تمام لوگ اپنی عادت کے موافق بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ اور اُن کے نیزے ہر ایک کے پیچھے دیوار سے لگے رکھے تھے۔ ان میں سے ایک یا دو آدمی تو وہ کفنیاں پہنے ہُوئے تھے۔ جن کا تذکرہ مَیں کر چکا ہوں۔ باقی تمام وہی چیتے کی کھال باندھے ہوئے تھے ؎

ایوبؔ:۔ اب دیکھئے کیا ہو گا۔ وہ کمبخت چڑیل بھی یہیں موجود ہے۔ اگر کہیں یہاں بھی میرے سر ہو گئی تو بھاگنا بھی مشکل ہو گا (مجھے مخاطب کر کے) آپ نے دیکھا نہیں ان سب نے مجھے بُری نظروں سے گھُورا تھا۔ اور اسے لیجئے وہ حافظ کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا۔ اَور سُنئے وہ مردار اُس سے کیسی گھُل گھُل کر باتیں کر رہی ہے۔ شکر ہے کہ اِس وقت میرے اُوپر عنایت ہی رہی ؎

واقعی ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے راستہ سے ہی وہ عورت بے چارے حافظ کو لے گئی۔ اور حافظ مردہ بدست زندہ کے مصداق قرآن شریف پڑھتے ہوئے خاموش جا بیٹھے ؎

مَیں:۔ بھئی خدا خیر ہی کرے! مَیں ان جانوروں کی نظریں اچھی نہیں پاتا۔ لیکن اب تو جو کچھ ہو۔ بھرنا ہی پڑے گا۔ میں تو اپنا تمنچہ لے آیا ہوں۔ کسی اَور کے پاس بھی ہے؟"

ایوبؔ:۔ مَیں بھی احتیاطاً لے آیا تھا۔ لیکن ایبن کے پاس صرف شکاری چھُرا ہی ہے" مجھے ہتھیار پاس ہونے کی وجہ سے کسی قدر اطمینان ہوا۔ اور ہم سب وہیں دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گئے ؎

ہمارے بیٹھتے ہی ایک شخص ایک برتن لے کر اُٹھا جس میں کوئی چیز خمیر کی ہوئی تھی۔ اور اس کے کف باہر نکل رہے تھے۔ یہ برتن ہر شخص کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور ہر ایک نے اُسے ہاتھ لگا کر اپنے سینے سے مل لیا۔ چنانچہ ہم نے بھی اُن ہی کی تقلید کی۔ ہمیں اب تک نہ کھلا کہ اس سے کیا مراد تھی۔ بہرحال مجھے اس برتن کی کیفیت بیان کرنی ہے۔ جس کا وجود ان وحشیوں میں کسی قدر مستبعد ہے۔ میرے نزدیک یہ صراحی نما گلی برتن اس زمانے کے بنے ہوئے تھے کہ

شہر کو راپنی اصلی رونق پر تھا۔ اور یہاں کی صنعت و تجارت زوروں پر تھی۔ اس کے دونوں طرف وسٹکی لگی ہوتی ہیں اور اکثر مقبروں میں ایک قسم کے برتن پائے جاتے ہیں۔ جن کا حال میں آگے بیان کرونگا۔ غالباً مصریوں کے دستور کے موافق مردوں کے نہلانے۔ ان کی شکمی آلائش صاف کرنے اور مصالحہ بھرنے بھرانے کے کام میں آتے ہونگے۔ اور پھر ہیں مقبروں میں چھوڑ دئے جاتے ہونگے۔ لیکن این کی یہ رائے ہے کہ لاش کو رکھتے وقت یہ برتن بھی اس اعتقاد سے کہ مردوں کے کام آئے گا۔ ان کے پاس رکھ دیتے ہونگے۔ میرے نزدیک اُن کی رائے زیادہ قرین قیاس ہے۔ ان برتنوں کا قدگز بھر سے لے کر ایک گرہ بھر تک کا دیکھا گیا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کی شکل وصورت میں تفاوت ہوتا ہے۔ مگر ہر ایک بڑی اعلے صنعت کا نمونہ ہوتا ہے۔ ان پر تصویریں ایسی اچھی بنی ہوئی دیکھی ہیں کہ بعض وقت سخت حیرانی ہوتی ہے۔ اکثر پر تو وہی حسن وعشق کا پُرانا دکھڑا ہوتا ہے۔ مگر ذرا زیادہ واشگافانہ جس کو شاید اس زمانہ میں بدتہذیبی سمجھا جائیگا۔ بعض پر بچے کھیلتے ہوئے بنے ہیں اور بیشتر شکار یا جنگ کا نظارہ دکھلایا ہوتا ہے۔ مثلاً اس برتن پر جو ہمارے سامنے آیا تھا۔ ایک طرف تو ایک شخص کی تصویر بنی ہوئی تھی جو ایک ہاتھی پر اپنے نیزے سے حملہ کر رہا تھا۔ اور دوسری طرف ایک شکارگاہ تھی جس میں ایک شکاری بھاگتے ہوئے ہرن کے تیر لگاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ ؛

جس طرح لوگوں نے مصر کے پُرانے کتبوں اور تصویروں سے اس ملک کے طرز تمدن۔ وضع۔ تراش خراش ماندوبود۔ خیالات بلکہ جذبات تک کے صحیح نتائج اخذ کیئے ہیں۔ میرے نزدیک اگر وہی عمل یہاں کیا جائے۔ تو بہت بڑی کامیابی کی امید ہے کاش مجھے کچھ وقفہ وہاں اَور ملتا۔ تو میں دنیا کے سامنے ایک مجموعی تصویر ضرور پیش کرتا ؛

اس برتن کے پھرائے جانے کے گھنٹہ بھر بعد تک کوئی اور رسم نہیں ہوئی۔ اس اثناء میں بولنا تو ایک طرف کسی کا ہاتھ پیر ہلنا بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اتنا البتہ ہوتا تھا کہ اگر کسی وقت آگ ذرا مدھم ہو جاتی تھی۔ تو اُس پر اَور لکڑیاں ڈال دی

جاتی تھیں - ہم بھی بیٹھے آگ کے شعلوں کو دیکھ دیکھ کر جی بہلا رہے تھے غرض گھنٹہ بھر بعد ایک شخص اُٹھا - اور بڑے بڑے چار چمٹے اور ایک اَور آہنی بڑا سا برتن آگ کے پاس لا رکھا - مَیں ان چیزوں کو دیکھ کر (اگرچہ ان کا طریق اِستعمال نہیں معلوم ہُوا) بہت ہی گھبرایا ؎

ہم بیٹھے گھبرا گئے - اَور مجھے تو خود پر خواب مقناطیسی کا گمان ہونے لگا تھا کہ یکایک ایک شخص کی بلند آواز سے چونک اُٹھا ؎

شخص "ہمارے کھانے کا گوشت کہاں ہے ؟"

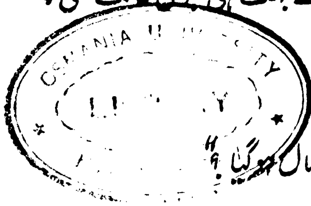
اس پر تمام وحشیوں نے اپنے ہاتھ آگ کی طرف پھیلائے اور متفق اللفظ اسی بلند آواز سے کہا "ابھی آتا ہے"

وہی شخص "کیا کوئی بکرا ہے ؟"

تمام "ہاں بے سینگ کا بکرا ہے - بلکہ بکرے سے بھی زیادہ - اِس کا کھا لینا ضروری ہے" یہ کہتے ہوئے سب نے اپنے نیزے ہاتھ میں لے لئے - اور جملہ ختم کرتے ہوئے رکھ دئے ؎

وہی شخص "کیا کوئی بیل ہے ؟"

تمام (نیزے پکڑ کر) ہاں بے سینگ کا بیل ہے - بلکہ اس سے زیادہ - اس کا کھا لینا ضروری ہے" اس کے بعد تھوڑی دیر تک پھر خاموشی رہی - اور وہی عورت حافظ جعفر سے محبت کی باتیں کر رہی ہے اور حافظ بیچارہ بالکل مبہوت و مدہوش ہے - مَیں تو خیر امین کی اُس وقت ڈر کے مارے بہت ہی بُری حالت تھی ؎



وہی شخص "گوشت تیار ہے ؟"

تمام "ہاں تیار ہے"

وہی شخص "گوشت پکانے کے واسطے برتن لال ہوگیا ؟"

تمام "ہاں لال لال ہوگیا - لال ہوگیا"

امین (گھبرا کر) "عمو! وہ یاد ہے - اور جہاں وہ لوگ رہتے ہیں جو مسافروں کے سروں پر لال توا رکھتے ہیں - مجھے تو وہی صورت معلوم ہوتی ہے - ذرا دھیان

رکھیئے گا"

میں ابھی جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دو جانگلو اٹھے اور چاروں چمٹوں کو آگ میں رکھ دیا۔ اور اس عورت نے ایک مضبوط سَن کے رستے کا پھندا جعفر کے شانوں پر ڈال کر اتنا کسا کہ غریب کو ہاتھ ہلانے مشکل پڑ گئے۔ ایک اَور شخص نے اس کی ٹانگیں پکڑ لیں۔ اَور پہلے دو آدمیوں نے آگ ہٹا کر اندر سے ایک توا نکالا۔ جو بالکل سُرخ ہو رہا تھا۔ جان کس کو عزیز نہیں ہوتی۔ اس وقت حافظ کا جان بچانے کے لئے تڑپنا اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو شاید اتنے بھی حواس باقی نہ رہتے جتنے اس وقت میرے ہیں۔

مجھ سے نہ رہا گیا۔ مَیں نے ایوب سے تپنچہ چھین کر اپنی طرف سے ہی احتیاط کر کے اس عورت کے گولی ماردی جو حافظ جعفر کو پکڑے ہوئے تھی۔ جس قدر میں اس عورت کو قتل کر کے خوش ہؤا ہوں شاید کوئی شخص ایک ہاتھی مار کر بھی خوش نہ ہو گا۔ کیونکہ بعد میں معلوم ہؤا کہ اسی عورت نے ان لوگوں کو حافظ جعفر کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ ورنہ ان لوگوں کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اور حافظ سے بعد ایوب کی باری آنے والی تھی۔ اور یہ سب کچھ محض اتنے کے لئے تھا کہ ایوب نے اس کے ایجاب کو نہایت حقارت سے رد کیا تھا۔

وہ عورت تو مردار ہو کر گری ہی تھی۔ لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ جعفر نے ایک چیخ ماری اَور وہ بھی دُنیا کے پھندوں سے چھوٹ کر اسی عورت کی لاش پر گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔ بغور دیکھنے سے معلوم ہؤا کہ مجھ کمبخت کی ہی گولی نے حافظ کی جان لی۔ کس قدر ملال اور خوف ہؤا ہے کہ اب تک بھی اکثر مجھے اس گناہِ عظیم کی یاد آ آ کر آٹھ آٹھ آنسو رُلاتی ہے۔ خدا رحم کرے۔ وہ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ میری نیّت ہرگز نہ تھی کہ ایک مُسلمان عرب کے خون سے مَیں اپنے دامن پر دھبا لگاؤں۔ مگر پھر بھی یہ خیال ہے کہ اس قتلِ خطا نے میرے نامۂ اعمال کی رہی سہی سفیدی پر سیاہی پھیر دی ہو گی۔ جعفر بیچارہ اللہ مغفرت کرے نہایت متقی شخص تھا۔ اس کی شہادت سے اتنا مجھے ضرور اطمینان ہے کہ اگر کہیں اِن مردم خوا

حیوانوں کی خواہش پوری ہوتی تو وہ موت زیادہ سخت ہوتی ۔ بہ نسبت اس گولی کے ۔ اور نتیجہ بہر حال یہی ہوتا جو اس وقت ہوا ۔

بنوالجھر خونخواروں نے کبھی بندوق یا گولی تو دیکھی نہ تھی ۔ ہر شخص کو اتنا تعجب ہوا کہ وہ سب کے سب بڑی دیر تک ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہتے بالآخر ایک شخص کو کچھ ہوش ہوا ۔ اور اُس نے امین کی طرف اپنا نیزہ اُٹھایا ۔ اب بھاگنے کے سوا مفر نہیں تھا ۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ کھوہ کے دہانہ پر بھی یہی آدم خور کھڑے ہوئے تھے ۔ اور ہمارے پیچھے تو یہ لوگ اپنے نیزے تانے چلے ہی آتے تھے ۔ بہر حال جس طرح بنا ہم باہر نکل آئے ۔ اور تینوں وہیں پہاڑ سے کمر لگا کر اس طرح کھڑے ہوئے کہ امین بیچ میں اور ایوب اور میں ان کے پہلو میں ۔ ہم کو سینہ ہدف کئے ہوئے دیکھ کر وحشی کچھ جھجکے ۔ لیکن انہوں نے پھر نیزے اُٹھائے اور ہم نے اپنے تمنچوں سے کام لینا شروع کیا ۔ اور امین نے اپنا چھُرا نکالا ۔ حالت ایسی تھی کہ ہم کو اپنی زندگی کی بالکل امید باقی نہ رہی تھی ہم ایک دُوسرے سے نہایت حسرت کے ساتھ دعا دے کر رخصت ہوئے ۔ اُدھر سے نیزے اُٹھے اور ادھر سے ہم نے اپنے تمنچوں سے اور امین نے اپنے چھُرے سے جواب دینا شروع کیا ۔ ہماری نالیں خالی ہو گئیں ۔ از سرِ نو بھرنے کی مُہلت نہ تھی ۔ ایوب نے اپنا چھُرا نکالا ۔ ابھی ہاتھ بھی اٹھانے نہ پایا تھا کہ ایک شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا ۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کے بعد ایوب پر کیا افتاد پڑی ۔ یہ میں نے ضرور دیکھا کہ ایوب گرتے ہوئے اس شخص کو بھی لے گرا جس نے اُسے گھسیٹا تھا ۔ پھر دو آدمی اپنے اپنے نیزے چھوڑ کر میری طرف جھپٹے اور مجھے گرالیا ۔ شاید خداوند عالم نے اپنے فضل و کرم سے اسی موقعہ کے لئے مجھے قوت عطا فرمائی تھی کہ میں گرتے ہوئے سنبھلا ۔ اور ان میں سے ایک آدمی کو اٹھا کر دوسرے پر دے مارا ۔ دونوں کے سخت ضرب آئی اور دونوں گرے ۔ میں ایک کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا ۔ اور دوسرے کا ہاتھ سے گلا دبا دیا ۔ ایک کی پسلیاں توڑ دیں ۔ اور دوسرے کا گلا گھونٹ دیا ۔ غنیمت تھا کہ اس رستخیز

ہیں ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ میں بالکل نہتا تھا۔ اگر کہیں دوسرا شخص اپنے ہم جنسوں کی مدد کے لئے آپہنچا ہوتا۔ تو یہاں چڑیا سی جان جاتی ہی رہتی۔ سر جو اُٹھاتا ہوں تو ایک شخص ابین کا چھُرا چھین رہا ہے۔ اور دو نے اس کو بھی مل کر ڈھا لیا۔ ابین بھی گرتا گرتا ایک مرتبہ پھر سنبھلا۔ اور ایک لاش کی ٹانگیں پکڑ کر دو تین خونخواروں پر دے ماریں۔ یہ ترکیب کسی قدر کارگر ہوئی۔ ابین جھپٹ کر دُوسری لاش اُٹھاتے ہی تھے۔ کہ آٹھ دس آدمی لپٹ گئے۔ دو نے ہاتھ پکڑے۔ دو نے پیر۔ آگے لے جانے لگے۔ ابین ایک مرتبہ پھر تڑپ کر قابو سے نکل گیا۔ دو چار مُکّے اِدھر اُدھر چلا کر پھر پکڑا گیا۔ اور ایک شخص اُس کے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ نیزہ منگوایا گیا۔ اور جیسے ہی ایک شخص کو میں نے اُدھر نیزہ لے جاتے ہوئے دیکھا۔ مَیں نے آنکھیں بند کر لیں ؂

لمحہ کے لمحہ میں پھر کشاکشی شروع ہوئی۔ مَیں نے تو سوچا تھا کہ ظالموں نے ابین کو بھی ذبح کر ڈالا ہوگا۔ زبردستی آنکھ کر کھول کر مَیں نے دیکھا کہ اُستنن ابین پر پڑی ہے۔ اور دو تین آدمی اس کو پکڑ پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ لیکن اُس کے بازو ابین کے گلے ہیں اور اس کی ٹانگیں ابین کی ٹانگوں سے ایسی لپٹی ہیں کہ کسی طرح چھٹنے میں نہیں آتیں۔ وحشیوں نے اُسے جا بجا کونچا بھی مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر وہی شخص جس نے جعفر کی شہادت سے پہلے سوالات کئے تھے کہنے لگا کہ "نیزے سے کام لو۔ اور ان دونوں کو ایک ہی جگہ چھید کر رکھ دو۔ بڑی شوہر والی بنی ہے۔" ہائے کیا قیامت کا وقت ہے کہ مَیں ایک آدمی کو نیزہ اُٹھاتے دیکھتا ہوں اور کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ بے بس ہو کر آنکھیں بند کر لیں کہ یکایک باہر سے ایک شخص کی غیبی فرشتہ کی طرح نہایت تحکمانہ لہجہ میں آواز آتی ہے۔ "بس" اور مَیں بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ اور اس عالم بیہوشی میں دیکھ رہا ہوں کہ فرشتے مجھے اوپر اُٹھائے لئے جاتے ہیں ؂

باب نہم

عشق ازیں بسیار کردست و کند
سبحہ را زنّار کردست و کند

جب مجھے ہوش آیا ہے۔ تو میں نے خود کو اسی کھوہ میں پڑا پایا ہے جس میں تھوڑی دیر پیشتر یہ سانحہ گزرا تھا۔ میں فوراً اُٹھ بیٹھا۔ دیکھا تو میرے سامنے وہی آگ کا ڈھیر ہے۔ اور وہ تو اب تک لال پڑا ہوا ہے۔ میرے پہلو میں ابین بیہوش لیٹا ہوا ہے۔ اور استنن اس کا زخم ٹھنڈے پانی سے دھو رہی ہے۔ اور ایوب ایک طرف دیوار سے لگا بیٹھا ہے۔ میں نے دیکھ کر شکر کیا کہ اس کے کہیں کوئی زخم نہیں آیا تھا۔ البتہ مُنہ اور ہاتھوں پر بڑے بڑے خراش تھے۔ ہمارے سامنے ان لوگوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ جن کو ہمارے ہاتھوں نے جہنم میں پہنچایا تھا۔ میں نے گِنا تو جعفر اور اس عورت کی لاش سمیت چونتیس تھیں۔ اور باقی لوگوں کی کئی آدمی مشکیں کس رہے ہیں۔ اور ان کے سامنے ہمارا مہربان یاقوت نہایت تیز نظروں سے ان سب کو دیکھ رہا ہے۔ مجھے بیٹھا دیکھ کر وہ میرے پاس آکر نہایت اخلاق سے میرا حال پوچھنے لگا۔ میں نے کہا کہ اور تو کچھ معلوم نہیں مگر تمام جسم میں درد پاتا ہوں۔

پھر ابین کے زخم کو بغور دیکھ کر کہنے لگا کہ" بڑا بُرا زخم ہے۔ اور بڑی بُری جگہ پسلی کے نیچے ہے۔ غنیمت ہے کہ رودوں تک آسیب نہیں پہنچا"۔

"میں نے" ہزار شکر ہے کہ تم عین وقت پر پہنچ گئے۔ ورنہ ہماری لاشیں ہی دیکھتے اور تمہارے یہ خونخوار چیتے ہمارا خون پی چکے ہوتے۔ ہمارے ایک ساتھی کو گویا وہ کھا ہی گئے"۔

یاقوت:" کچھ فکر نہ کرو۔ یہ سب لوگ "ملکہ مطاع الکل" کے سامنے پیش ہونگے۔ اور ان سے وہ انتقام لیا جائے گا کہ جس کے خیال سے بھی آدمی کانپ جائے۔ جو لوگ تمہارے ہاتھوں مارے گئے۔ وہ لاکھ اپنی جگہ اچھے رہے کہ عذاب سے بچے یہ قصہ تو بیان کرو۔ کیونکر یہاں تک نوبت پہنچ گئی؟"

میں نے مختصر الفاظ میں تمام قصہ بیان کر دیا۔

یاقوت:" یہاں کی یہی رسم ہے کہ اگر کوئی اجنبی یہاں آنکلتا ہے تو یہ لوگ اُس کے سر پر لال توا رکھتے ہیں۔ اور پھر اس کو کھا جاتے ہیں۔"

میں:" کیا خوب! مسافر نوازی کا بہت ہی اچھا قاعدہ ہے۔ ہمارے ملک میں اگر اس طرح کوئی مسافر آنکلے تو اس کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور خاطر کرتے ہیں۔ اور یہاں مسافر کے سر پر لال توا رکھ کر کھا جاتے ہیں۔"

یاقوت:" اپنے اپنے ملک کا رواج ہی تو ہے۔ میں تو خود اس رواج کو اچھا نہیں سمجھتا۔ لیکن آخر رواج ہے۔ پردیسیوں سے نفرت تو مجھے بھی ہے۔ اور ذرا غور کرو۔ ان لوگوں کا اعتبار ہی کیا جو دریاؤں میں لکڑیاں ڈال کر مرغابیاں کھاتے ہوئے یہاں تک پہنچیں۔ اصل یہ ہے کہ اگر تمہارا یہ ساتھی (ایوب) اس عورت کی اِس قدر توہین نہ کرتا تو یہاں تک نوبت نہ پہنچتی۔ اس شخص سے جو آغاز ہوا وہ صرف اس لئے تھا کہ تم لوگ رُعب میں آجاؤ۔ اگر تم اس شخص کی حمایت میں اس عورت کو نہ مار ڈالتے تو بس صرف اس شخص تک اور نوبت پہنچتی۔ اور تم پر کوئی آنچ نہ آتی۔ اب صرف تمہیں صدمہ پہنچانے کے بدلہ میں دیکھنا ان کے ساتھ کیا نوبت گزرتی ہے۔ میں جیوٹ والے لوگوں پر جان دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ تم سب بڑے بہادر ہو۔ ایک شخص کی تو تو نے پسلیاں ہی توڑ ڈالیں۔ اگرچہ تیری صُورت اچھی نہیں۔ اور تیرے لمبے لمبے ہاتھ ہیں۔ مگر تو بہادر ضرور ہے۔ خدا جانے تیرا کیا نام ہوگا۔ مگر میں تو تجھے آج سے "نسناس" کہا کرونگا تیرا دوسرا جوان ساتھی بیشک شیر ہے۔ خوب لڑا۔ مگر افسوس ہے کہ بہت ہی بُرا زخم کھایا۔ اس کا نام آج سے میں "اسد" رکھتا ہوں۔ تیسرا بھی کچھ کم نہیں۔ مگر بھدا ہے

۔ ۔اج سے "کبش" کہلائے گا"

میری یہ سمجھ میں نہ آیا کہ آخر یہ خطابات کس تقریب سے عطا فرمائے گئے۔ اِن خطابوں نے عجیب قبولیت پائی کہ شاید اس مُلک میں ہم اب بھی ان ہی ناموں سے موسوم ہوتے ہونگے ۔

یاقوت "ہاں یہ بتلا کہ تُو نے دُور سے ہی بیٹھے بیٹھے اس عورت کے جسم میں روزن کیسے کر دیا۔ یہ سُنا ہے کہ تو ایک مرتبہ زور سے چیخا تھا۔ اور تیرے مُنہ سے کچھ دھواں بھی نکلا تھا"

مجھے ایمن کا فکر لگا ہوا تھا اور خود بھی بہت تھکا ہوا تھا۔ کسی طرح بات کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ لیکن یاقوت جیسے صاحب قوت شخص کو جواب نہ دینا بھی خالی از خدشہ نہ تھا۔ اس لیئے مَیں نے مختصراً بندوق کی ہیئت اور بارُود کی ہیئت سمجھائی وہ جانور کیا خاک سمجھتا۔ کہنے لگا میں یوں نہیں سمجھونگا کر کے دکھلا دو۔ کہنے لگا۔ کہ ان ہی میں سے ایک آدمی کھڑا کرتا ہوں۔ اس کو مار کر دکھلا دے۔ ایک آدمی کو کون پوچھتا ہے۔ مجھ سے یہ معلوم کر کے کہ ہم بلا وجہ کسی آدمی کو قتل نہیں کرتے۔ اور نہ بے رحمی کے ساتھ انتقام لینا چاہتے ہیں۔ اس کو سخت تعجب ہوا۔ بہرکیف مَیں نے اس کی تسلّی کر دی کہ جب میں اچھا ہو جاؤنگا تو تمہیں کوئی جانور شکار کر کے دکھلا دونگا۔ بلکہ ممکن ہوا تو تمہارے ہی ہاتھ سے شکار کرا دوں گا۔"

میرے اس وعدہ پر اس پیر فرتوت کو اتنی خوشی ہوئی کہ شاید کسی ناسمجھ بچے کو کھلونا دینے کے وعدہ پر بھی اتنی نہ ہوتی ۔

اتنے میں ایمن نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ مَیں اور ایّوب اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور یاقوت سے پیچھا چھوٹا ۔

ایوب نے اور مَیں نے حافظ جعفر کی تجہیز و تکفین کی۔ اور وہیں باہر دونوں نے نماز جنازہ پڑھی اور دفن کر دیا ۔

انسان پر جو افتاد پڑتی ہیں یا پڑ سکتی ہیں۔ اُن کو دیکھتے وہ لوگ بہت ہی خوش قسمت معلوم ہوتے ہیں جن کو گور و کفن میسّر آ جاتا ہے۔ ورنہ سینکڑوں بیکس

تو ایسی کس مپرسی میں مرے یا مارے جاتے ہیں کہ وہیں پڑے پڑے درندوں پرندوں اور حشرات الارض کی خوراک بن جاتے ہیں۔ لیکن بہرحال یوں بیکس مریں یا مقبروں میں دفن ہوں نتیجہ سب کا ایک ہے۔ وہی اعمال کی جزا و سزا جو ایک کے واسطے مقرر ہے۔ دوسرے کے واسطے بھی ہے۔ پھر ذرا قبرستان کی سیر کیجئے اور دیکھئے کہ مرنے والوں میں ہر فرد ایسا تھا۔ جس کے اُٹھنے سے ایک خاندان میں اور بعض وقت اس سے بھی گذر کر شہر بھر میں قیامت زا کُہرام برپا ہوگا۔ مگر آج تلاش کر کے بھی کوئی ایسا شخص نکال دیجئے جو یہ کہہ دے کہ "یہ ہمارے بزرگ تھے"! پس اس خصوص میں بھی دونوں کا حشر ایک سا ہی ہوا۔ اس قادرِ مطلق کی نظر میں تمام دُنیا مساوی ہے۔ مگر اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ خدا ان ہی کے ساتھ ہمارا حشر کرے ✦

رات کو ہم دونوں امین کو اسی کھوہ میں اٹھا لے گئے۔ جہاں ہم ٹھیرائے گئے تھے۔ استن نے تنہا امین کی خبر گیری کا بیڑا اٹھایا۔ مَیں اور ایوب جا کر سو رہے۔ مجھے تکان تھپک تھپک کر سُلانا چاہتی تھی۔ لیکن جعفر کی دردناک موت کا سماں چٹکیاں لے لے کر جگا دیتا تھا۔ آخر نیند آگئی۔ اور خواب میں حافظ جعفر۔ نہیں بلکہ جعفر شہید کو باغ میں ٹہلتا ہوا پایا۔ مَیں نے دیکھا کہ اُنہوں نے (خدا اُن کی مغفرت کرے) میرے سلام کا جواب دیا ہے۔ اور مُسکرا کر یہ فقرے کہے ہیں:۔

"جو شخص زندہ ہے وہ موت کو جانتا ہے۔ اور جو مر گیا اس کو پھر موت نہیں"!

"عالمِ ارواح میں زندگی و موت دونوں کا ذکر نہیں ہوتا۔ تمام چیزیں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ البتہ ایک خاص وقت میں وہ سو جاتی ہیں۔ اور اُن کو لوگ بھول جاتے ہیں۔ بھلا یہ باغ زمین پر کہاں ملتا"!

مجھے یہ فقرے لفظاً اس وقت تک یاد ہیں۔ اور اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم حافظ کو میری طرف سے کوئی ملال نہیں۔ خدا بھی اپنے فضل و کرم سے میرے گناہ معاف کر دے تو کیا بڑی بات ہے ✦

دن خوب چڑھ آیا تھا کہ میری آنکھ کھلی۔ میرا عضو عضو دُکھ رہا تھا۔ اور کسی طرح اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ اتنے میں ایوب بھی لنگڑاتا ہوا آیا۔ اس کی زبانی معلوم

ہوُا کہ امین رات کو سوئے تو بہت آرام سے۔ لیکن اس وقت ان کو سخت نقاہت ہے۔ یہاں علاج معالجہ کا کون موقعہ تھا۔ میری تجویز سے ایوب نے انہیں کچھ کو نین کھلا دی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد قہوہ پلا دیا۔

مَیں وہیں پڑا ہوُا کروٹیں بدل رہا تھا۔ کہ یاقوت کو آتے دیکھ کر مَیں نے آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن کن انکھیوں سے تاڑتا رہا۔ پہلے اُس نے مجھے بڑے غور سے دیکھا اور پھر آپ ہی آپ کہنے لگا:۔

یاقوت:۔ بڑا ہی بدصورت ہے۔ بس بالکل بندر۔ مَیں نے نسناس بہت ہی موزوں نام تجویز کیا ہے۔ لیکن خدا جانے مجھے اِس سے محبت کیوں ہے۔ ایک تو مرد اور پھر پردیسی۔ مثل مشہور ہے کہ جس شخص کا اعتبار نہ ہو۔ اُس کو زندہ نہ رکھنا چاہئے۔ اور عورت سے تو دور بھاگنا چاہئے۔ یہ کسی نہ کسی روز تجھے ضرور موت کا دروازہ دکھلائے گی۔ مگر خیر مجھے اِس نسناس سے محبت ہے۔ ملکہ بھی اسے پسند کرے گی اور ضرور اس پر اپنا جادو چلائے گی۔ بیچارہ لڑائی کے بعد تھک گیا ہے۔ چلو سونے دو۔

یہ کہ کر وہ دو ہی قدم آگے گیا ہو گا کہ مَیں نے انگڑائی لے کر آواز دی۔ "ابوی! کیا تم تھے"؟

یاقوت:۔ "ہاں مَیں ہی تھا۔ تو ابھی سو جا۔ مَیں تجھے یہ پوچھنے اور یہ کہنے آیا تھا۔ کہ تیرے دشمن سب "ملکہ مطاع الکل" کے تخت گاہ کی طرف روانہ ہو گئے"۔

ملیں:۔ "نہیں اب سونے کا تو کیا وقت ہے۔ یہاں پڑے میرا جی بہت ہی گھبراتا ہے۔ خدا کے واسطے مجھے باہر لے چلو"۔

یاقوت:۔ "تیرا جی یہاں ضرور گھبراتا ہو گا۔ یہ جگہ ہی ایسی ہے۔ میں نوعمر تھا۔ کہ اتفاق سے مَیں نے اسی تخت پر جہاں تو لیٹا ہے ایک بہت ہی حسین عورت کی لاش دیکھی تھی۔ وہ بہت ہی خوبصورت عورت تھی۔ مَیں اکثر رات کو چراغ لے کر یہاں آیا کرتا تھا۔ اور اس کی صورت دیکھا کرتا تھا۔ اس کی صورت و شکل میں ذرا بھی فرق نہ آیا تھا۔ اگر اس کا جسم سرد نہ ہوتا تو کوئی یہ نہیں کہ سکتا تھا۔ کہ

وہ سوتی ہے یا مردہ ہے۔ ہر شخص یہی جانتا کہ جب اُس کی نیند پوری ہو جائے گی تو وہ اٹھ بیٹھے گی۔ اُس کا رنگ بالکل سفید تھا۔ اور بھورے بال اس قدر لمبے تھے کہ اُس کے پیروں تک پہنچے ہوئے تھے۔ "ملکہ مطارع الکل" کے تخت کے پاس اب بھی ایسی لاشیں بہت رکھی ہوئی ہیں۔ دیکھنا وہ لوگ کیسے عقلمند تھے کہ اپنے محبوبوں کو ہمیشہ کے لئے اس طرح بچاتے تھے کہ ان کی شکل و شباہت میں ذرا فرق نہ آنے دیتے تھے۔ غرض میں روز یہاں آ کر اس کو دیکھا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ میں بالکل اُس کی صورت کا دیوانہ ہو گیا۔ ناتجربہ کار لڑکا تو تھا ہی۔ دیوانہ ہُوا بھی تو کس پر! مردہ پر، جس کے جسم میں خدا جانے کبھی جان تھی بھی کہ نہیں۔ میں اس کی صورت دیکھ دیکھ کر اپنے دل کی حسرت نکال لیا کرتا تھا۔ اس عشق نے میری عقل میں بڑی ترقی کی۔ یہ بات میں نے اس جنون میں ہی معلوم کی کہ آدمی کی زندگی کی میعاد بہت ہی کم ہے۔ اور موت ہی ازلی و ابدی چیز ہے۔ اور جتنی چیزیں سورج کے نیچے نظر آتی ہیں۔ ایک روز یوں ہی معدوم ہو جائیں گی۔ اور دنیا ان کو بھول جائیگی۔ غرض یہ باتیں مجھے اسی لاش سے حاصل ہوئیں۔ ایک روز میری ماں کو کچھ شبہ ہو گیا۔ اور مجھے بہت ہی متغیر دیکھ کر اُس نے چھُپ کر میرا پیچھا کیا۔ اور لاش کو چومتے ہوئے دیکھ کر مجھ پر بہت ناراض ہوئی۔ اور اپنے چراغ سے اُس مردہ کے بالوں میں آگ لگا دی۔ جو مردے اس ملک میں اس طرح رکھے ہوئے ہیں۔ وہ جلنے خوب ہیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ لاش بھی جل گئی۔ دیکھ وہ چھت میں اب تک اسی کا دھواں لگا ہُوا ہے۔

میں نے آنکھ اٹھا کر جو دیکھا تو واقعی اب تک چھت میں دھواں لگا ہُوا تھا۔ دیواروں پر بھی ضرور ہو گا لیکن شاید اتنے عرصہ میں اُتر اُترا گیا ہو گا۔

یاقوت "میری ماں آگ لگا کر مجھے اپنے ساتھ لے گئی۔ مجھے بڑا صدمہ ہُوا۔ اور کچھ بہانہ کر کے میں پھر یہاں آیا۔ دیکھا تو ساری لاش جل چکی ہے۔ مگر گھٹنوں تک ابھی آگ نہیں پہنچی۔ مجھ سے اَور تو کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ میں نے ایک پیر گھٹنے سے کاٹ کر یہیں چھپا دیا تھا۔ ایک مدت تک میں روز اسے بھی آ کر چوما کرتا تھا۔ مگر ہوتے

ہونے پھر خیال جاتا رہا۔ وہ پیر اب بھی شاید یہیں پڑا ہوگا۔ مَیں اس روز سے آج ہی یہاں آیا ہوں"

یاقوت نے یہ کہ کر تخت کے نیچے اپنا ہاتھ ڈالا اور تھوڑی سی تلاش کے بعد ایک لمبوتری گٹھڑی بالکل مٹی میں بھری ہوئی نکالی۔

یاقوت "رُنساس! دیکھ مَیں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ لے دیکھ وہ پیر یہ رہا۔"

کپڑے کی خاک جھاڑی اور پیر نکال کر میرے ہاتھ میں دے دیا۔ واقعی یہ پیر کسی گوری چٹی حسین و نازنین عورت کا تھا۔ اور اس قدر تازہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی کاٹا گیا ہے۔ یہ وزن میں بہت ہی ہلکا تھا۔ گوشت اور ہڈیاں اپنی اصلی صورت پر باقی تھیں۔ اور اس میں سے ایک بھینی بھینی خوشبو نکل رہی تھی۔ لطف یہ ہے کہ مصری لاشوں کی طرح اس کی رنگت میں بھی فرق نہیں آیا تھا۔ اگرچہ دُنیا میں پرانے مصری اس فن میں بڑے کامل سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ اس ملک کے باشندوں کے سامنے وہاں کے لوگ بالکل عطائی ہی ہیں"

مَیں نے اُس پیر کو اسی تخت پر رکھ دیا۔ جس پر اس کی مالک ہزاروں برس سوتی رہی تھی۔ عجیب عجیب خیالات میرے ذہن میں آئے۔ اس ملک کے زمانہ تہذیب کا نقشہ۔ اس نازنین کی تصویر۔ جیسی کچھ میرے تصوّر میں آ سکتی تھی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ ہائے خدا جانے بچپن میں کن کن نازوں کی گود میں پلی ہو گی۔ یہ پیر خدا جانے کھیل کود میں کہاں کہاں پھرتے ہونگے۔ پھر جوانی میں ان ہی قدموں نے کیا کیا قیامت نہ اٹھائی ہو گی۔ کس کس کے دل بسمل نہ کئے ہونگے۔ کس کس کی امیدوں کو ترڑپایا ہو گا۔ اور آخر خدا جانے کس کس خوش نصیب کی زیب پہلو ہوئی ہو گی۔ کن کن کنیزکوں نے یہ قدم دھوئے ہونگے۔ اور کیسے کیسے قیمتی قالینوں کو روندا ہو گا۔ وہ مرد میدان جن کی گردنیں اہل دنیا کے سامنے کبھی خم نہ ہوئی ہونگی۔ یہیں آ کر جھکی ہوں گی۔ اور آج کیا ہے؟ بے کسی اور وہ بھی کس بلا کی۔ کہ آدمی قیاس ہی نہیں کر سکتا کہ یہ کون تھی۔ بے بسی۔ اور وہ بھی اس قیامت کی۔ لاش جلا دی گئی اور کسی کے مُنہ سے اُف تک نہیں نکلی۔ کون جانتا ہے کہ اس نازنین نے

اپنے اصلی مستقل مکان تک پہنچنے میں دُنیاوی محلات کے کن کن درجوں میں قدم رکھا ہوگا۔ اور کہاں کہاں کی حسرتیں اس کے ساتھ ہی گئی ہونگی ٭

مَیں نے اُس پَیر کو پھر اسی کپڑے میں لپیٹ دیا جو میرے نزدیک مرنے والی کا کفن تھا۔ کیونکہ یہ بھی کچھ تھوڑا جل چکا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ اس کو اپنے ساتھ ہی رکھونگا۔ مگر چلتے ہوئے بالکل بھول گیا۔ مَیں پھر یاقوت کے ساتھ ایبن کے دیکھنے کو گیا۔ مَیں نے اُن کو بالکل خوش پایا۔ زخم اُن کا بیشک بہُت ہی بُرا تھا۔ اور خون ضائع ہونے سے نقیہ بہُت دیکھا۔ ماشاء اللہ گورے چٹے تو بہت تھے۔ اِس وقت بالکل سفید معلوم ہوتے تھے۔ ہم سب اُن کو اٹھا کر باہر ہوا میں لے گئے۔ اور وہیں سایہ میں بیٹھ کر کھانا کھایا ٭

یہ دو دن ہمارے بھی اطمینان سے کٹے۔ تیسرے روز تک میں اور رابرٹ اچھے ہوگئے۔ ایبن بھی بہ نسبت پہلے کے بہت اچھے معلوم ہوتے تھے۔ اُستنن ہی اپنی تجویز سے کچھ مرہم پٹی کرتی تھی۔ میرے نزدیک اب زخم کی حالت کچھ بہتر تھی ٭

چونکہ یاقوت ہماری روانگی کے لئے سخت متقاضی تھا۔ لہذا مَیں نے دوسرے روز "شہر کور" اور "ملکہ مطاع الکل" کی طرف روانگی کا وعدہ کر لیا ٭

ایبن کا زخم ابھی تک پُوری طرح مندمل نہ ہُوا تھا۔ اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں ہچکولوں سے انگور نہ پھٹ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یاقوت یہ نہ کہتا کہ اُس کو اپنی جان کا خوف ہے۔ تو ایبن کے تندرست ہونے تک میں کبھی چلنے کی حامی نہ بھرتا۔ مگر مقدر ٭



باب دہم

بخیالِ چشم کہ می زند قدح جنوں دلِ تنگ ما
کہ ہزار میکدہ میدود بہ رکاب گردشِ رنگ ما

صبح ہی صبح پانچ ڈولیاں تیار ہوئیں جن میں سے تین تو ظاہر ہے کہ ہمارے واسطے ایک یاقوت کے واسطے جس کی ہمراہی میں نے مقدمات سے سمجھی۔ اور پانچویں شاید اُستن کے واسطے ؛

میں "ابوی! یہ اُستن بھی ہمارے ساتھ ہی جائیں گی ؟"

یاقوت "اُن کی مرضی ہے۔ جائیں یا نہ جائیں۔ ہمارے مُلک میں عورتیں بالکل آزاد ہوتی ہیں۔ ہم ایک حد تک اُن کی پُوری مدارات کرتے ہیں۔ کیونکہ دُنیا کا قیام محض اُن ہی کی وجہ سے ہے۔ اکثر وادی بننے تک وہ ناگوار نہیں ہوتیں۔ لیکن پھر اُن کی آزادی ناگوار ہونے لگتی ہے۔ اور ہم جوانوں کی عبرت کے واسطے انہیں قتل کر ڈالتے ہیں۔ اِس سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ تمام عورتوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مرد اُن سے ہر حال میں زیادہ قوی ہیں۔ میری بیوی بھی اِسی طرح تین برس ہُوئے کہ مار ڈالی گئی۔ لیکن تب سے میری زندگی بہت ہی خوش گزر رہی ہے ؛"

یہ عقدہ کہ ان وحشیوں کی نظروں میں عورتوں کی اس قدر وقعت کیوں ہے اس وقت جا کر حل ہُوا۔ کیا یہ لوگ دنیا کا قیام محض ان کی ذات سے سمجھتے ہیں ؛

میں "یعنی بیوی کے مار ڈالے جانے سے تمہیں آزادی زیادہ مل گئی۔ اور ذمہ داریاں کم ہو گئیں۔ اور یہی دو چیزیں ہیں۔ جن کے وجود سے آدمی کو چین نہیں ملتا"

یاقوت (بہت غور کر کے) "بس یہی بات ہے۔ اسی وجہ سے تو اس مُلک میں تمام

جوان ہی عورتیں نظر آتی ہیں۔ یہ ان ہی کا قصور ہے۔ اور یہ عورت اُسنئن تو بہت ہی دل گردہ کی ہے۔ اور اسد کو بہت ہی پیار کرتی ہے۔ تو نے دیکھا نہیں۔ کس طرح اُس نے خود کو اس پر سے قربان کر دینا چاہا تھا۔ اور ہمارے ملکی رواج کے بموجب اس کا نکاح بھی اسد سے ہو چکا ہے۔ اس کو حق ہے کہ ساتھ جائے بشرطیکہ ملکہ مطاع الکل اس کے خلاف حکم نہ دے دیں۔"

مَیں " اور اگر یہ ملکہ کا حکم نہ مانے تو کیا ہوگا؟"

یاقوت " اگر آندھی ایک درخت کو جھکا دینا چاہے اور وہ نہ جھکے۔ تو اس کا یہی انجام ہوگا نا کہ آندھی اس کو دو ٹکڑے کر کے پھینک دیگی۔"

میرے جواب کا انتظار نہ کر کے یاقوت اپنی ڈولی میں جا بیٹھا۔ اور ہم اپنی اپنی ڈولی میں۔ اور فوراً روانہ ہو گئے۔ ہمارے ساتھ پچاس آدمی تو محافظت اور ہمارا اسباب اٹھانے کے لئے تھے۔ اور فی ڈولی چھ چھ آدمی ڈولیوں کے واسطے۔

ہمارے قافلہ نے گھنٹہ بھر میں یہ پہاڑی طے کی۔ اور گھنٹہ بعد دوسری پہاڑی پر پہنچے۔ ہم سے کوئی نو دس میل آگے دلدل کی جھیل نظر آتی تھی۔ جس پر آفتاب کی شعاعیں پڑ پڑ کر چار چاند لگے ہوئے تھے۔ اس کے گرد کوسوں تک سبزہ بیٹھا یہ سبزہ دیکھ رہا تھا۔ دو پہر کو ہم اس دلدل کے کنارے پر پہنچ گئے۔ کھانا کھایا۔ اور پھر اُسی دلدل پر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دُور تو کچھ راستہ دھن جیسا بنا نظر آتا تھا۔ لیکن آگے بڑھ کر اس کا نشان تک نہ تھا۔ مجھے اس وقت تک سمجھ میں نہ آیا کہ یہ وحشی اُس دلدل کے دریا کو کس طرح عبور کر گئے۔ جہاں چھوٹی چڑیاں بھی میرے نزدیک پھنس کر رہ جائیں۔ صرف اتنی احتیاط ضرور کی جاتی تھی کہ ہمارے قافلہ کے آگے آگے دو آدمی لمبے لمبے بانس جیسی لکڑیاں لئے ہُوئے کہیں کہیں اس دلدل کے عمق کا اندازہ کر لیتے تھے اور بس۔ اس کی بھی وجہ یہ بیان کی جاتی تھی۔ کہ اس دلدل کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ جہاں آج گڑھا تھا۔ کل نہ ہوگا۔ اور دوسری جگہ اس سے بھی گہرا گڑھا پڑ جائیگا۔ مجھے ایسا سخت سفر یا ایسا ناخوش آئند نظارہ کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوُا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔

یا تو یہی دلدل تھی یا بڑے بڑے مینڈک اُچھلتے ہوئے نظر آتے تھے۔ یا آبی چڑیاں اُڑتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ کہیں کہیں سبز بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور بس۔ ان سب پر قیامت تھے وہ زہریلے بُخارات جو اس دلدل سے اُٹھتے تھے۔ اور تنفس کے ساتھ ہی تیرِ نشتر کا کام کرتے تھے ؛

خدا خدا کر کے شام کے قریب ایک مرتفع و مسطح زمین ملی۔ باوجودیکہ سخت گرمی تھی اور مچھروں اور مینڈکوں کی وجہ سے کسی طرح آرام ملنے کی اُمید نہ ہوسکتی تھی۔ لیکن یہ قدرتی فرش سچ جانئے کہ قاہرہ کے اعلےٰ درجہ کے آراستہ مکان چھوڑنے کے بعد بدرجہا غنیمت معلوم ہوُا۔ نماز پڑھی۔ کھانا کھایا۔ میرے ساتھی تو خدا جانے سوئے یا نہیں۔ لیکن میری نیند تو کوسوں اڑ گئی ؛

یہ سفر ابین کو بہت ہی مضر ہوُا۔ اُسی روز دوپہر کو بخار ہو گیا۔ چہرہ زرد ہو گیا اور سخت کرب رہا۔ خدا اُمتن کا بھلا کرے۔ بیچاری رات بھر مچھر اُڑایا کی۔ میں نے احتیاطاً کچھ کونین کھالی۔ عجب نہیں کہ اسی کی یبوست نے میری نیند اُڑائی ہو۔ مَیں چت لیٹا ہوُا قدرت کاملہ کی سیرگاہ کی سَیر کر رہا تھا ؛

ستارے یکے بعد دیگرے ہزاروں نہیں لاکھوں پر پہنچ گئے۔ مَیں تو ڈرا کہ کہیں یہ آسمان کی پرانی چھت ان قندیلوں کے بوجھ سے نہ ٹوٹ پڑے۔ جو بجائے خود ایک دنیا کو اپنے پہلو میں چھپائے بیٹھے ہیں۔ یہ نظارہ فی حد ذاتہٖ انسان کی غلط فہمی کے لئے عجیب تازیانہ تھا۔ میں بہت دیر تک تو اس عالم بالا کی سیر اور ان مرئیات کے فلسفہ کے مشغلہ میں لگا رہا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں مَیں نے چاہا کہ اپنے تخیلات کی جولانگاہ اس میدان کو نہ بناؤں۔ جس میں قدم قدم پر طلجان خار راہ ہوتے ہیں۔ اور قاعدہ بھی ہے کہ انسان جب ان لامحدود قدرتوں کو (اور پھر قدرتیں بھی کس کی ؟ قادرِ مطلق کی) اپنے محدود علم کا آشیانہ بنانا چاہے۔ تو وہ ایک کرہ سے دوسرے کرہ تک جانے میں بہت ہی جلد تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ معلومات ہمارے ہاں کی نہیں۔ بلکہ ایک اَور ہی فرقہ کے حصتہ میں آئی ہیں۔ جن پر مخلوقات کامل کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ ہمارا علم ہی

جس کو ہم اپنے نزدیک نہایت کامل سمجھے بیٹھے ہیں۔ ہم کو اندھا کر کے ایک گڑھے میں ڈال دیتا ہے۔ اور یہی ہمارے دلائل و براہین کی قوت کا نشہ ہم کو ایسا اوندھے منہ گراتا ہے کہ اٹھنا اور نکلنا بغیر کسی کامل دستگیر کے ناممکن ہو جاتا ہے۔ اگر مقدّر نے یہاں بھی دھوکا دیا۔ اور یہ میسّر نہ ہوا تو ہم ہیں اور تحت الثریٰ کی سیر۔ کیا یہ اکثر نہیں دیکھا جاتا کہ اسی کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کی آنکھیں چوندھیا جاتی ہیں؟ کیا یہ نہیں ہوتا کہ انسان ظلوم وجہول آخر کار ان ہی قدرت کی صنعتوں کو دیکھتے دیکھتے اُس واجبُ الوجود کی ہستی سے انکاری ہو جاتا ہے! یا یوں کہو کہ اپنے ہی زور میں آپ آ گرتا ہے۔ حقانیت کے وجود سے انکار کرنا اور آفتاب سے انکار کرنا برابر ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس کے مُنہ پر امتحاناً ایک نقاب ڈال دیا گیا ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ آفتاب سے آنکھیں لڑا کر کون اپنی آنکھ کھوئے۔ بس جہاں زیادہ زور کا وقت آیا اور ہماری آنکھیں گئیں۔ اور اے دیکھتے وہ چاروں شانے چت گرے۔ یہ سب کچھ علم کا قصور نہیں بلکہ علمِ ناقص کا قصور ہے مشکل تو یہ ہے کہ علم کامل حاصل ہونا بھی نہایت مشکل ہے۔ اور یہ ہم جیسوں کو حاصل ہوتا ہے تو کب؟ جب کہ ہم پر من وجہ انسانیت کا اطلاق نہیں رہتا۔ کیونکہ یہاں کی آلائشات کسی طرح ہمارا قدم اس مقام اعلےٰ تک پہنچنے ہی نہیں دیتیں۔ بھری ہوئی مگر ٹوٹی ہوئی کشتی دریا میں جا رہی ہے۔ اس کا کنارے لگنا ہی بہت مشکل ہے۔ بجز اس کے کہ وہ جس کے ہاتھ میں نظام کائنات ہے۔ اس کو پہنچا دے۔ ہم جیسے خواب و خور کے بندے تو محض اس لئے ہیں کہ ایک محدود گندے تالاب میں ایک بُلبُلا دیکھتے ہیں۔ اور اپنی عقل و علم کو بغل میں دبا کر اس کو قبضہ میں لے آنے کے لئے مصروف ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر وہ بُلبُلا ہم نے پکڑ پایا۔ اور کچھ دیر ہم نے اس پر قابو بھی پا لیا۔ تو اس کا نام ہم نے رکھا ہے خوشی اور اطمینان۔ لیکن جہاں وہ بُلبُلا ٹوٹا (اور حباب کی عمر ہی کیا) بس ہم ہیں اور موت کی جستجو اور قبر کی تلاش۔ دیکھئے اب بھی ہیکڑی نہ گئی ؛

میں سیدھا لیٹا ہوں۔ ستاروں کی نہ جھپکنے والی آنکھیں مجھ سے آنکھیں لڑا

رہی ہیں - قریب ہی دلدل آنکھیں دکھا رہی ہے - اور زہریلے بخارات اُٹھ اٹھ کر کاٹنے دوڑ رہے ہیں کہ عالم خیال میں انسان کی حالت کا نقشہ کھنچ گیا - اور مجھے خیال ہوا کہ اگر وہ صانع مطلق اس فانی مخلوق کو بھی اپنی قدرت کاملہ سے وہی کیفیت عطا فرمادے - جو ان اشیاء کو ہے تو اس کی کیا حالت ہو گی - کاش اطمینان قلب کی (جو ہم کو دم دم کے لئے میسر آتا ہے) جڑ مضبوط ہوتی - اور اس کو بھی قدامت کا رتبہ حاصل ہو جاتا - کاش اِن سوہانِ روح کی عمر کم ہوتی - جن سے ہمیں عمر بھر واسطہ رہتا ہے - مگر معاً خیال ہوا کہ نتیجہ بہت ہی بُرا ہوتا - اس کم مائگی پر تو یہ کیفیت ہے کہ ہم اپنے خالق و صانع کے وجود میں بحث کرنے لگتے ہیں - اس حالت میں تو شاید اس کے ہم پلہ ہونے کا دعویٰ کرنے لگ جائیں - ہاں شاید یہ صورت اس وقت میں مفید ہو سکتی کہ ہم چشم بصیرت سے اپنے ہر فعل کے ساتھ ہی اس کے نتیجہ کو دیکھتے +

اگر بالفرض ہم میں طاقت دی جاتی کہ جب چاہتے موجودہ چولے کو چھوڑ کر دوسرا چولا اختیار کر لیتے - یا ان بخارات کی طرح جو اس وقت دوڑتے پھر رہے ہیں نہایت آزادی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پر سُبک روی کر سکتے - یا کم سے کم ما یحتاج چیزوں پر ہم کو تصرف کامل عطا ہوتا - یا ان ستاروں کی طرح ہم کو بھی قدامت اور گونہ جلا اور روشنی حاصل ہوتی تو اس صورت میں کیا ہم کائنات کے پرزوں کی ماہیت سمجھ سکتے - یا حقانیت کی روشنی سے جو ہمیشہ اور ہر وقت ہر جگہ موجود ہوتی ہے - محض اپنے علم و عقل کے بھروسہ پر جادۂ مستقیم معلوم کر سکتے - نہیں ہرگز نہیں - تو اطمینان کامل حرف غلط ہے - مُنہ دھو رکھو +

یہ اور اسی قسم کے لاکھوں خیالات مجھ پر ہجوم کئے ہوئے تھے - یہ خیالات کچھ نرالے نہیں ہیں - بلکہ ہر انسان کو - اگر اُس میں عقل اور روح ہے - کسی نہ کسی وقت اس کی حیثیت کے موافق اس کو ضرور ستاتے ہیں - فی الاصل یہ ایک مضمر تحریک ہوتی ہے جادۂ مستقیم کی طرف - اب کسی نے تو ان ہی نجوم و مہ و خورشید کو دیکھ کر خالق کو پالیا اور کوئی ان ہی کو دیکھتے اس کی ہستی کا انکاری ہو گیا +

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایک لق ودق میدان میں دوڑتے چلاتے پھرنے سے ہم ستاروں کا فلسفہ معلوم کر سکتے ہیں۔ مشکل ہے مگر قلب متاثر ہو تو وہ دیکھئے پو پھٹی۔ وہ آفتاب نکلا اور وہ روشنی ہوگئی۔ اگر یہ نہیں تو سلامتی اسی میں ہے کہ آدمی ایک اُمید کے سہارے بیٹھا رہے۔ اسی میں چھٹکارا ہے۔ امید وہ چیز ہے کہ محض اس کے طفیل آدمی معراج پر پہنچ سکتا ہے۔ اگر ہماری تقدیر نے یاوری نہ کی۔ اور ہماری بے بضاعتی نے ہمیں لوٹ لیا تو قبر کا چین بھی گیا۔ وہاں پیر پھیلا کر بھی کوئی ہمیں لیٹنے نہ دے گا۔ اس کے بعد مجھے اس سفر اور مقاصد سفر کا دھیان آیا تو اَور بھی بےچینی ہوئی۔ بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ ہم ایک نامعلوم غیر مشخص تحریر کا بھروسہ کرکے خواہ مخواہ مہلکہ میں پڑ گئے۔ آخر یہ ملکہ ہے کون جو اپنے ہی جیسی عجیب وغریب رعایا پر اس شدّومد کے ساتھ حکمرانی کر رہی ہے؟ پھر وہ حیات ابدی کا روشن مینار کیا معنی رکھتا ہے؟ لطف یہ ہے کہ اس کو ایک جگہ قیام نہیں۔ کیا اس کائنات کی چار دیواری میں کوئی ایسی چیز بھی موجود ہو سکتی ہے جو انسان کے گوشت پوست کی دیواروں کو بوسیدہ ہونے اور گرنے سے محفوظ رکھ سکے؟ امکان کا میدان تو بہت وسیع ہے۔ لیکن یقین۔ یہ اب تک نہیں آتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عارضی طور پر اپنی زندگی بڑھا لینی قالب انسانی میں روح داخل ہو جانے سے زیادہ تو عجیب نہیں ہے۔ بھلا اگر یہ قصہ صحیح ہو تو پھر؟ بلاشبہ وہ شخص جس کو ایسی عجیب وغریب چیز مل گئی ہے۔ آسانی سے تمام دنیا پر قابض ہو سکتا ہے دنیا بھر کی قوت و دولت وحشمت۔ علم و عقل حاصل کر سکتا ہے۔ ہماری عمر کا مساوی زمانہ وہ ایک ایک علم کے لئے وقف کر سکتا ہے۔ پھر جب یہ صورت ہے۔ اور یہ ملکہ بھی" ہمیشہ زندہ رہنے والی" مانی جاتی ہے تو یہ ان کھوؤں۔ ان وحشیوں میں کیوں پڑی ہے؟ اس خیال نے میرے دل میں تھوڑی دیر کے لئے یکسوئی پیدا کر دی۔ اور مجھے اطمینان ہو گیا یہ قصہ ہی سرے سے لغو اور بے بنیاد ہے۔ اگر اس ازدیاد عمر کا غالب نتیجہ یہ ہی ہے کہ آدمی وحشیوں میں پیر توڑ کر بیٹھ رہے

تو میرا دُور ہی سے سلام ہے ؛

اگر حیات ابد یافت خضر ہمت گو ؟ کہ چیں زموج بہ ابروے حیواں اندازد

مَیں تو دہی جامع ازہر کی دیواروں کے سایہ تلے ایک آن مقرمیں جان نکل جانے کو فوز الکبیر سمجھونگا - اور ان خونخواروں میں خونخوار ہوکر رہنے کو حیاتِ خضر کے بدلہ میں بہت ہی گراں جانونگا - یُوں میری زندگی کون اچھی گزر رہی ہے - لیکن اس ملک کی زندگی کو پھر بھی نہایت ذلیل سمجھتا ہُوں ؛

موجودہ حالت تو یہ ہے کہ ع اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہُوئے کا مضمون اس پر بہت ہی صادق آتا ہے - کون جانتا ہے کہ آج ہم زمین کے اوپر ہیں تو کل ہی ان وحشیوں کے ہاتھوں دو گز زمین کے نیچے نہ ہونگے ؛

اللہ اللہ کرکے نیند آئی اور ان خیالات پریشان کا خاتمہ ہوا - صبح کو جو آنکھ کھلی تو وہ آفتاب جو اپنی آپ دلیل ہے - اور جو اپنے خالق اور خالق الکل کی قدرت وعظمت کی دلیل ہے افق سے نکلتا ہوا معلوم ہُوا - شعاعیں مشعلیں لئے ہوئے رات کے سیاہ کاروں کو ڈھونڈتی پھرتی تھیں - اور ہمارے درندے حال روانگی کی فکر میں اِدھر اُدھر پھر رہے تھے - میں نے اُٹھ کر قضا نماز پڑھی امین کو دیکھا تو سر پکڑے بیٹھے تھے - چہرہ پر زردی تھی - اور آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے ہوئے تھے ؛

مَیں "امین ! کیا حال ہے ؟"

امین "عمّو ! کچھ پوچھئے نہیں - مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری جان قبض کی جا رہی ہے - تمام جسم سُن ہے - اور سر تو جیسے ہے ہی نہیں "

مجھے اَور بھی پریشانی ہوئی - نبض پر ہاتھ رکھا تو سخت بخار پایا - لاچار صُورت دیکھ کر چُپ ہو رہا - ایوب کے پاس گیا تو اسے درد کمر نہ اٹھنے دیتا تھا - اُسے کونین کھلائی - خود کھائی - اور موجودہ حالت نے جو حکیم (یعنی یاقوت) ہمارے ساتھ کردیا تھا - اُس سے مشورہ کیا - اُس نے بڑے غور سے دونوں کو دیکھا ؛

یاقوت "اس کو (امین) بے شک بخار بہت ہی سخت ہے - لیکن وہ جوان آدمی

ہے ۔ بخار آپ ہٹ جائیگا ۔ اور کبش (ایوب) کو کچھ ایسا بخار نہیں تھے ۔ یہ موٹا تازہ آدمی ہے ۔ ڈولی میں چلیگا تو ٹھیک ہو جائیگا ۔ سارا بخار اس کی چربی پی جائیگی ؛"

مجھے اِس تشخیص اور اس علاج پر بہت ہی ہنسی آئی ۔

مَیں " ابوی ! ایسا نہ ہو کہ سفر کا تکان انہیں اَور بھی مضرت پہنچائے ؛"

یاقوت (اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر) نہیں ۔ اور یہاں رہینگے تو یہ دونوں مر جائینگے ۔ بس ان کا علاج ہی ڈولی کے ہچکولے ہیں ۔ کل صبح ہوتے ہوتے ہم اس دلدل سے گزر جائینگے ۔ لو بس اب جلدی چلو ۔ ڈولی ہی میں آج کھانا کھا لینگے ؛"

اب چلنے کے سوا چارہ نہ تھا ۔ ایبن کو خدا کے سُپرد کر کے ڈولی میں بٹھایا ۔ اور چل پڑے ۔ تین گھنٹہ تو کوئی بات قابل بیان نہیں ہوئی ۔ اس کے بعد ایک واقعہ گزرا کہ جس سے ہم یاقوت اور اس کی معیّت سے قطعی ہاتھ دھو بیٹھے تھے ۔

ہماری ڈولیاں اُسی دلدل پر چلی جا رہی ہیں ۔ حمال گھٹنوں گھٹنوں اس دلدل میں دھنسے جاتے ہیں ۔ مگر اپنی عقل حیوانی کے طفیل میں آگے بڑھتے جا رہے ہیں کہ یکایک چیخ پکار کی آواز آئی ۔ اور دفعتاً پانی میں کوئی بھاری چیز گرتی ہوئی سُنائی دی ۔ تمام قافلہ وہیں ٹھیر گیا ۔ جھانک کر جو دیکھتا ہوں ۔ تو ہماری داہنی طرف دلدل کے پانی نے ایک تالاب جیسا بنا دیا ہے ۔ اسی تالاب میں یاقوت کی ڈولی تیر رہی ہے ۔ اور یاقوت کا کہیں پتہ نہیں ۔ مَیں فوراً کود پڑا ۔ معلوم ہوا کہ یاقوت کے ایک حمال کو وہیں سانپ نے ڈسا ۔ اس نے پہلے تو گھبرا کر ڈولی چھوڑ دی ۔ اور پھر حالتِ غشی میں اضطراراً اُس نے پھر ڈولی کا ڈنڈا دونوں ہاتھوں سے پکڑنا چاہا ۔ اور حمالوں نے ایک تو دھکا کھایا ۔ اور پھر دیکھا سانپ ۔ سب نے ڈولی اُٹھا کر پھینک دی ۔ اور گھبراہٹ میں پھینکی تو کس طرف ؟ جدھر تالاب تھا ۔ مارگزیدہ حمال تو اسی وقت مر گیا ۔ اور سانپ بھی مار ڈالا گیا ۔ لیکن تالاب میں ڈولی کا کپڑا یاقوت کا بلائے جان ہو کر اُسے غوطے دینے لگا ۔ تمام حمال کھڑے دُور سے بنتا ہی رہے تھے کہ " ہمارا باپ وہ رہا " لیکن اس کو بچانے کے لئے ایک نے بھی تو قدم آگے نہ بڑھایا ۔ مَیں فوراً تالاب میں کود گیا ۔ اور

ذراسی کوشش میں ڈولی تک پہنچ کر کپڑا ہٹایا اور یاقوت کو گھسیٹ لایا۔ یاقوت کی مضحک صورت اس وقت دیکھنے کے قابل تھی سر سے پیر تک کیچڑ میں لتھڑا ہوا۔ لمبی ڈاڑھی نوک دم بنی ہوئی۔ اس پر کیچڑ کا خضاب پانی سے ٹپکتا ہوا۔ مجھے بھی خوب خوب پھبتیاں سوجھیں لیکن افسوس موقعہ نہ تھا۔ تھوڑی دیر میں اسے ہوش آگیا۔

یاقوت (اپنے بیٹوں سے) "ارے ادکتو! تم نے یوں آسانی کے ساتھ اپنے باپ کو ڈوبنے دیا۔ اگر میرا بیٹا نسناس مجھے نہ بچاتا تو میں کبھی کا ڈوب گیا ہوتا۔ خیر تمہاری بات مجھے ہمیشہ یاد رہیگی "

میں نے دیکھا کہ یاقوت کے آخری فقرہ سے سب کانپ گئے۔ مگر جواب ایک نے بھی نہ دیا۔

یاقوت (مجھ سے) "نسناس! میں عمر بھر کے لئے تیرا احسانمند ہو گیا۔ اب اس زمین پر تیری نیکی بدی میں کوئی کام آنے والا ہو گا تو میں۔ تو نے آج میری جان بچائی ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی وقت ایسا آجائے کہ میں تیری اسی طرح جان بچالوں "

اب خدا جانے یاقوت کو لوگ اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ یا ان خونخواروں میں کسی کی جان جانے کی پرواہی نہ تھی یا کیا صورت تھی کہ کسی نے پرواہی نہ کی۔ بہرکیف بڑی دیر میں ان کے باپ کا بدن سوکھ گیا اور ہمارا قافلہ آگے روانہ ہو گیا۔

باب یازدہم

محبت جادۂ دارد نہاں در خلوت دلہا
چو تارِ سبحہ گم گردید ایں رہ زیر منزلہا

غنیمت ہوا کہ یاقوت کا اندازہ غلط نکلا اور خدا کا شکر ہے کہ آج غروب کے بعد ہی اس دلدل سے پیچھا چھوٹ گیا۔ مگر رات بھر وہیں دلدل کے کنارے ہی

گزارنی پڑی - یہاں نسبتاً مچھر بھی کم تھے - اور گرمی میں بھی تخفیف تھی - میں نے سب سے پہلے ایمن کو جا کر دیکھا اور افسوس ہے کہ صبح سے زیادہ خراب حالت میں پایا - دن بھر قے ہوتی رہیں - اور اس وقت بالکل غشی تھی - میری رات بھر پلک سے پلک نہیں جھپکی - بیچاری اُستن مجھ سے بھی زیادہ مستعد رہی - ایوب کی حالت بھی کچھ تسلی بخش نہ تھی - مگر نہ اس قدر کہ کوئی خاص بے اطمینانی ہوتی ؀

صبح ہوتے ایمن کو کچھ ہوش ہوا - لیکن سفر سر پر سوار تھا - نماز پڑھتے ہی ہم چل پڑے - استن پیدل ہو لی - کیونکہ اندیشہ تھا کہ شدت ضعف اور بے ہوشی سے ایمن کہیں گر نہ پڑیں - میں نے دن بھر جب جھانک کر دیکھا ہے - اُستن کو ایمن پر سے مکھیاں اُڑاتے ہی پایا - مجھے ایک لمحہ بھی ایمن کے خیال نے نہیں چھوڑا اور اس کے انجام کی نہایت مخوف تصویر میری آنکھوں کے سامنے رہی - میں ہزار اس خیال کو دفع کرنا چاہتا تھا مگر نہیں ہو سکتا تھا - خدا بھلا کرے کریا قوت اپنی ڈولی میرے برابر لے آیا - اس کی باتوں میں کسی قدر جی بہلا - مگر ایمن کی نسبت اس کی بھی یہی رائے تھی کہ اگر دو چار پہر اس کی یہی حالت رہی اور کسی آسائش کے مقام پر نہ پہنچ گیا تو جان کا بچنا مشکل ہو جائیگا - اب علاج ہی کیا ہو سکتا تھا - میں بھی ٹھنڈے سانس لے لے کر چُپ ہو جاتا تھا ؀

دوپہر سے کچھ پہلے ہم ایک عجیب پُرفضا میدان میں پہنچے - نظر کوسوں تک سبزہ روندتی چلی جاتی تھی - اگر کہیں رُکتی تھی تو اکثر ان پھولوں پر جو دلکش انداز سے اپنی آزادانہ حالت پر وجد کر رہے تھے - اور سبزہ کی سُستی اور بے بسی پر ہنستے تھے - ہمارے سامنے کچھ فاصلہ پر ایک پہاڑ تھا جو ایک قدرتی بہار کو بغل میں دبائے کھڑا تھا - بس بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک ظالم دیوزاد ایک مرصّع زیور پہنے ہوئے پری نگار کو دبوچے کھڑا ہے - شاید کوئی پندرہ سَو فٹ کی بلندی پر ایک قلعہ کی سی فصیل نظر آتی تھی - جو اندازاً بارہ تیرہ سَو فٹ اونچی ہو گی - مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ دیوار نہ تھی - بلکہ پتھر کی چٹانیں تھیں جنہوں نے ملکر ایک دیوار قائم کر دی تھی - اس پہاڑ کا عرض و طول ٹھیک تو نہ معلوم ہو سکا -

مگر اندازاً پچاس مُربع میل پر احاطہ کئے ہوئے تھا۔ میرے نزدیک ایسا وسیع اور مضبوط قلعہ جس کے قدرتی بروج آسمان کا مُنہ چُومتے ہیں۔ اس آسمان کے نیچے تو دوسرا ہوگا نہیں ؛

مَیں اپنے مذاق کے موافق اس کا لطف اٹھا رہا تھا۔ اور یاقوت میری صورت دیکھ کر مُسکراتا تھا ؛

یاقوت:۔ "ملکہ" مطاع الکل" کا مکان دیکھا۔ بھلا دنیا میں کسی اَور بادشاہ کا بھی ایسا تخت ہوگا ؟"

مَیں:۔ "واقعی بہت ہی عجیب و غریب جگہ ہے۔ مگر ہم اس کے اوپر کیونکر پہنچ سکینگے؟ یہ تو بہت ہی دشوار گزار جگہ معلوم ہوتی ہے ؛

یاقوت (مُسکرا کر) "دیکھتا جا۔ آپ معلوم ہو جائیگا۔ اب ذرا اس میدان کو تو دیکھ تو بڑا عقلمند آدمی ہے۔ بتلا تو یہ کیا جگہ ہوگی ؟"

مَیں نے دیکھا کہ ہمارے سامنے ہی ایک سڑک جیسی پڑی ہوئی تھی۔ جو سیدھی پہاڑ تک پہنچتی تھی۔ لیکن اس سڑک کے دونوں پہلوؤں پر کنارے جیسے بنے ہوئے ہیں۔ جو کہیں کہیں ٹوٹ گئے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ آخر سڑک پر ایسے اُونچے کنارے کیوں بنائے گئے ہیں ؛

مَیں:۔ "شاید سڑک ہوگی۔ (کچھ سوچ کر) مگر نہیں۔ یہ نہر تھی ؛"

یاقوت:۔ "شاباش! تو بالکل سچا ہے۔ یہ نہر ہی تھی۔ ہم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہوں نے پانی کے واسطے بنائی تھی۔ اصل میں پہاڑوں کے بیچ میں ایک جھیل تھی۔ اور بہت نقصان پہنچاتی تھی۔ ہم سے پہلوں نے پہاڑ کاٹ کر اس جھیل کے پانی کے واسطے راستہ بنایا تھا۔ پھر یہ نہر کھودی اَور وہ پانی اس نہر میں لا ڈالا۔ اسی نہر میں ہو کر وہ پانی حصّہ زیرین میں پہنچا۔ اور میرے خیال میں تو اسی پانی نے ان دلدلوں کی بنیاد رکھ دی تھی۔ جن سے ابھی ہم گزر کر آئے ہیں اچھا تو جب وہ جھیل بالکل سُوکھ گئی۔ تو ان لوگوں نے جہاں وہ جھیل تھی۔ ایک شہر آباد کر کے اس کا نام کور رکھا۔ جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔

ان ہی لوگوں نے خدا جانے کتنے روز میں یہ کھوئیں کھودی تھیں۔ جن کو تو دیکھ چکا ہے۔ اور ابھی دیکھے گا۔"

میں "ہاں شاید۔ لیکن اب وہ جھیل برسات اور چشموں کے پانی سے پھر کیوں نہیں بھر جاتی؟"

یاقوت "وہ لوگ بڑے عقلمند تھے۔ انہوں نے پانی کا نکاس ہی دوسری طرف کر دیا تھا (کوئی کوس بھر ایک ندی دکھلا کر) یہ جو دریا نظر آتا ہے۔ بس یہی وہاں پانی جمع نہیں ہونے دیتا۔ یہ دریا پہاڑ کے کنارے ہو کر بہتا ہے۔ شاید پہلے اسی نہر میں سے ہو کر پانی کا نکاس رکھا گیا ہو۔ لیکن پھر ان لوگوں نے اس کا رُخ اس دریا کی طرف پھیر دیا۔"

میں "میرے نزدیک سوائے اس کے کہ کوئی شخص اس دریا کے کنارے کنارے جائے۔ اَور کوئی راستہ اوپر جانے کا نہ ہوگا۔"

یاقوت (مجھے بغور دیکھ کر) "نہیں آدمیوں اَور جانوروں کے گزرنے کے واسطے ایک اَور بھی چور راستہ ہے۔ تو اگر برس روز بھی تلاش کرتا رہے۔ تو تجھے پتہ نہیں لگ سکے گا۔ سال بھر میں صرف ایک دفعہ جب لوگ اپنی بھیڑ بکریاں لینے آتے ہیں تو اس پر آمد و رفت ہوتی ہے۔"

میں "ملکہ مطلع الکل کیا ہمیشہ پہاڑ پر ہی رہتی ہیں۔ یا کبھی نیچے میدان میں بھی اُتر آتی ہیں؟"

یاقوت "یوں ہونے کو تو ملکہ ہر جگہ ہیں۔ لیکن رہنے کو جہاں رہتی ہیں۔ رہتی ہی ہیں۔" یہ مہمل اور بے معنی جواب دے کر یاقوت نے اپنی ڈولی آگے بڑھوا لی۔

اس سدا بہار میدان کو اگر آپ فی المثل قلعہ کا پائیں باغ کہئے۔ اور چھوٹے قد کے پھولدار بوٹوں کو مکمل زیور پہنے ہوئے دلربا مانئے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جا بجا بڑے بڑے درخت خواجہ سراؤں کی طرح کھڑے ادب سے پہرہ دے رہے ہیں۔ اور عالمِ محویت میں بلا لحاظ آداب مقررہ اس تو بہ شکن نظارہ کو دیکھ دیکھ

کر جھومے جاتے ہیں۔ ان میں کہیں کہیں سرو چمان کے رقیب کھجوروں کے درخت بھی نظر آتے ہیں جو موقت سے کم اونچے نہ ہوں گی۔ ان میں سے ہر ایک پر شہد کی مکھیوں کا وہ ہجوم تھا کہ اس کے استقلال وتحمل سے دیکھنے والوں کا جی گھبراتا تھا۔ شکار کی یہ کیفیت تھی کہ گینڈے سے لے کر خرگوش تک ایسے آزاد اور نڈر ٹہلتے پھر رہے تھے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ میدان بلا شرکت غیرے ان ہی کی ملکیت ہے۔ اور سچ پوچھئے تو تھا بھی۔ اتنا شکار دیکھ کر میرے منہ میں پانی نہ بھر آنا ناممکن تھا۔ اتفاق سے میرے پاس ڈولی میں ایک بندوق اور کچھ کارتوس بھی تھے۔ میں نے ایک بارہ سنگے کو تاکا اور پیدل ہو گیا۔ میری اس وحشت کو دیکھ کر تمام قافلہ ٹھہر گیا۔ اور ہمارے ہمراہی جانوروں نے میرا تماشا بنا لیا۔ مجھے خوف تھا کہ اگر کہیں بندوق خالی گئی تو بڑی ہیٹی ہو گی۔ تکبیر پڑھ کر جو بندوق داغتا ہوں۔ تو گولی بارہ سنگے کا شانہ توڑتی ہوئی نکل گئی۔ اور وہ وہیں بیٹھ گیا۔ حمال غل مچاتے ہوئے دوڑے۔ اور اس کو دبا بیٹھے۔ امین تو خیر بالکل بیہوش تھے۔ ایوب وحشی نہ تھا۔ باقی تمام نہایت حیرت سے میرا منہ تک کر رہ گئے۔ یاقوت نے آ کر مجھے گود میں اٹھا لیا۔

یاقوت:" بڑی عجیب بات ہے۔ نسناس یا تو بدصورت تو ہے۔ مگر ہے بڑا عقلمند۔ تیری عقلمندیوں کا مجھے اب یقین آیا۔ تو تو مجھے بھی سکھلا دینے کا وعدہ کرتا تھا۔"

میں:" ہاں ہاں سکھلا دونگا۔ یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

غروب آفتاب سے کوئی دو گھنٹہ پیشتر ہم اس پہاڑ کے سایہ میں پہنچ گئے۔ جو سماں اس وقت میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ بیان ہو نہیں سکتا۔ مختصر یہ ہے کہ اس پہاڑ کی بلندی اور اس کے دامن کی لطافت نے مجھے بالکل محو کر دیا تھا۔ ہم کچھ اور بڑھے تھے کہ سایہ نے ہاتھ پھیلا کر اس لطافت کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور ہم ایک درہ جیسے راستے میں داخل ہوئے جو اسی پہاڑی سے کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ میرے نزدیک برسوں ہزارہا آدمی لگے رہے ہونگے۔ تب کہیں جا کر

یہ راستہ کٹ سکا ہوگا۔ یہ اب تک میری سمجھ میں نہ آیا۔ کہ اتنا بڑا کام بلا مدد بارود اور ڈائنامیٹ کے کیونکر ہوگیا ہوگا۔ میرے خیال میں جس طرح مصر میں اس قسم کے تمام کاموں کا بار سلطنت کے ذمہ ہوتا تھا۔ اور ہزاروں قیدیوں سے یہ کام لیا جاتا تھا۔ اور تمام خرچ شاہی خزانہ پر پڑتا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی یہ تمام کام سلطنت کو رنے کرائے ہونگے۔ ورنہ کسی فرد واحد کا تو منہ ہرگز نہ پڑیگا کہ پہاڑ کٹوا پھینکے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر یہ لوگ تھے کون؟

آخر ہم اس درہ کے آخری حصہ پر پہنچ گئے۔ بالکل سامنے ہی ایک ٹنل[1] نظر آئی۔ اس کی محراب میں اور نیز جس قدر نظر اندر جا سکتی تھی۔ وہی تمام باتیں موجود تھیں۔ جو آج انیسویں صدی عیسوی کے ٹنل میں ہوتی ہیں۔ یہ ٹنل اس طرح کاٹی گئی تھی کہ اس کا ایک حصہ تو ندی کے کام آتا تھا۔ اور دوسرا مرتفع حصہ ندی کے کنارے کنارے راستہ تھا۔ جس پر آدمی اور چوپائے بہ آسانی چل پھر سکتے تھے۔ یہی وہ ندی تھی جس کو یاقوت نے دریا کا خطاب دیا تھا۔ اس ٹنل پر آکر ہمارا قافلہ ٹھیرایا گیا۔ حمالوں نے روشنی کا انتظام کیا۔ اور یاقوت نے مجھ سے آکر کہا کہ "ملکہ مطاع الکل" کا حکم ہے کہ اس میں داخل ہونے سے پیشتر تم سب کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی جائیں۔ مجھے اس میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔ یاقوت نے کچھ پٹیاں زرد رنگ کے کپڑے[2] کی نکالیں۔ میں نے تو خود باندھ لی لیکن ایوب نے سمجھا کہ کہیں یہ "لال توا" رکھنے کا مقدمہ نہ ہو۔ وہ کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا۔ مگر خیر میرے سمجھانے سے اُس نے بھی بندھوا لی۔ اُستان بھی اُس سے نہ بچی۔ غالباً اس خیال سے کہ کہیں ہمیں راستہ نہ بتلا دے۔ غرض چراغ جل گئے اور ہم پھر روانہ ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر میں پانی کی آواز اور پیروں کی گونج سے میں نے اندازہ لگایا کہ ہم اب پہاڑ کے اندر جا رہے ہیں۔ یہ

[1] وہ سرنگ جس میں سے ہوکر آج کل ریل چلائی جاتی ہے۔

[2] پہلے میرا خیال تھا کہ یہ کپڑا یہاں بنایا جاتا ہوگا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مقبروں میں یہی کپڑا مردوں کا کفن ہوتا تھا۔ وہیں سے لے کر یہ اس بیدردی کے ساتھ خرچ ہو رہا ہے۔ (مصنف)

یہ بہت ہی خوفناک حالت تھی کہ ایک شخص اس مُلک کے خونخواروں سے واقف ہونے کے بعد اندھا بنا کر بالکل بے دست و پا ایک ٹنل کے اندر سے لے جایا جائے گو میں ان باتوں کا عادی ہو گیا تھا۔ ورنہ کبھی اس مہلکہ میں نہ پڑتا۔ مَیں بیٹھا ہوا اپنے نزدیک اس مقام کا لطف اُٹھا رہا ہوں۔ کہ ان وحشیوں نے اپنے لہجہ میں اس قسم کا گیت گانا شروع کیا۔ جیسا کہ ہمارے گرفتار ہونے کی رات کو گایا تھا۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ اس سے میری طبیعت میں فرحت پیدا ہوئی۔ یا خوف جو کچھ حالت تھی۔ مَیں اس کی تصویر کاغذ پر نہیں کھینچ سکتا۔ تھوڑی دیر میں ہوا اس قدر بھاری ہو گئی کہ مَیں نے تو سمجھا تھا کہ میرا دم بند ہو جائے گا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ڈولی ایک طرف کو پھری اور وہ کیفیت جاتی رہی۔ اور دو تین موڑ پھیروں کے بعد پانی کی آواز بھی نہ رہی۔ لیکن ڈولیوں کا یہ پھر پھراؤ دیر تک قائم رہا۔ مَیں نے تو چاہا تھا کہ ان کا ایک نقشہ اپنے ذہن میں جما لُوں۔ شاید کسی بُرے وقت کام آئے مگر نہ ہو سکا۔ تھوڑی دیر میں روشنی معلوم ہوئی اور ہمیں پٹیاں کھول ڈالنے کی اجازت ہو گئی۔ اب مَیں نے دیکھا کہ ہم پہاڑ کے دوسرے پہلو پر ہیں۔ اتنے بڑے پہاڑ کو اس قدر جلد طے کر لینے سے مجھے کتنا تعجب ہُوا ہے۔ ادھر پہنچ کر معلوم ہُوا کہ جس چوٹی کو ہم اُس طرف بہت ہی اُونچا سمجھ رہے تھے۔ ادھر سے بہت ہی قریب تھی۔ شاید کوئی دو سَو فٹ اونچی رہی ہو گی۔ اس سے معلوم ہو سکتا تھا کہ اس طرف کی زمین اُس طرف کی زمین سے کسی قدر اُونچی ہے۔ اب نہ معلوم اس کو ضرورتاً اونچا کرنا پڑا تھا یا قدرتی ہی تھی۔ بہرحال اس وقت ہم نے خود کو ایک بڑی پہاڑی پر پایا جو بالکل ایک پیالے کی قطع کی تھی۔ عجب نہیں ہے کہ یہ پہاڑ بھی کسی زمانہ میں آتش فشاں رہا ہو۔ گرد و پیش کے میدان میں تمام کھیتیاں لہلہا رہی تھیں اور بھیڑ بکریاں بڑی آزادی سے کلیلیں کرتی پھر رہی تھیں۔ اس کے بعد کچھ کھنڈرات پڑے نظر آتے تھے۔ مگر مَیں ان کو بغور دیکھ بھی نہ سکا کہ بنوالحجر کے غول بیابانی نے ہم کو آگھیرا۔ اور نظر کی سد راہ ہو گئے۔ ابھی

ہم ان کو دیکھ ہی نہ چکے تھے ۔ کہ اسی فرقہ کی ایک فوج دقیانوسی ہتھیاروں سے سجی ہوئی سامنے آئی ۔ ان کے افسروں کے ہاتھ میں ہاتھی دانت جیسی کسی چیز کی چھڑیاں تھیں ۔ یہ سب ایک چیتے کی کھال باندھے ہوئے تھے ۔ میں نے سمجھا کہ یہ فوج ملکہ کے باڈی گارڈ کی ہے ⁂

اس فوج کے افسر نے بڑھ کر یاقوت کو اس قطع سے سلام کیا کہ اپنی وہی چھڑی بائیں ہاتھ سے اپنے ماتھے پر ترچھی رکھی ۔ اور پھر دل پر داہنا ہاتھ رکھ کر کسی قدر جھک گیا ۔ یاقوت سے کچھ پوچھا (یہ سوال وجواب میں بالکل نہ سمجھ سکا) اور اُلٹے پیروں پھر گئے ۔ اور ہماری ڈولیاں اُن کے پیچھے ہو گئیں ۔ کوئی آدھے گھنٹہ کے بعد ہمارا قافلہ ایک بہت بڑی کھوہ کے سامنے ٹھیرایا گیا ۔ جس کا دہانہ اندازاً دس گز اُونچا ۔ اور تیس گز چوڑا ہوگا ۔ یاقوت نے اپنی ڈولی سے اُتر کر مجھے اور ایوب کو بھی اترنے کو کہا ⁂ امین چونکہ بالکل بیہوش تھا ۔ اس لئے اُن کی ڈولی آگے کی گئی ۔ اور اُس کے پیچھے ہم ⁂ اس کھوہ میں کچھ تھوڑی دُور تک تو آفتاب کی روشنی تھی ۔ آگے بڑھ کر چراغوں کی قطاریں تھیں ⁂ مدت کے بعد آج مجھے قاہرہ کے بازار کے گاس کی روشنی یاد آ گئی ⁂

کھوہ کے اندر سب سے پہلے جس چیز پر میری نظر پڑی وہ تصویریں تھیں ۔ جو سنگ تراشوں کی اعلےٰ صنعت کی گواہی دے رہی تھیں ۔ یہ تصویریں بالعموم اسی قسم کی تھیں جن کا ذکر میں یہاں کے برتنوں میں کر آیا ہوں ۔ اکثر میں تو وہی حُسن وعشق کے دلچسپ قصے دکھلائے گئے تھے ۔ اور پھر شکارگاہیں ۔ مجرمین کی سزائیں دکھلائی تھیں ۔ جن میں سب سے زیادہ "لال توا" رکھنے کی سزا کے نقشے تھے ۔ غالباً اِن وحشیوں نے ان تصویروں سے ہی "لال توا" رکھنا سیکھا ہوگا ۔ اگرچہ کشتی اور نیزہ بازی کی تصویریں نظر آتی تھیں ۔ لیکن میدانِ جنگ یا نقشۂ جنگ ڈھونڈے ہی سے ملتا تھا ⁂

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ عروج میں بھی ان بانیوں کو خانہ جنگی یا بیرونی حملوں سے بہت کم واسطہ پڑا ہے یا شاید کبھی نہیں پڑا ۔ ہر تصویر کے

شروع ہونے سے پہلے کچھ کتبہ بھی تھا۔ جس کو میں نہ پڑھ سکا۔ اتنا ضرور تھا۔ کہ نہ وہ یونانی خط تھا۔ نہ عبرانی۔ نہ سریانی۔ نہ قبطی۔ البتہ چینی خط سے بہت مماثل تھا۔ اگرچہ کھوہ کے دروازہ کے قریب کسی نامعلوم وجہ سے یہ تصویریں کچھ خراب ہو گئی تھیں۔ لیکن اندر تو بالکل یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا سنگ تراشوں نے آج ہی اپنا کمال ختم کیا ہے ؀

آگے بڑھے۔ ایک مرد ملا اور اپنی ملکی رسم کے موافق سینہ پر ہاتھ رکھ کر جھک کے سلام کیا۔ اور خاموش ساتھ ہو لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص گونگا تھا ؀

دروازہ سے کوئی سو قدم آگے بڑھ کر داہنے اور بائیں طرف اور چھوٹی چھوٹی کھوہ یا غلام گردش کے دروازے تھے۔ بائیں طرف کے دروازے پر دو شخص پہرہ دے رہے تھے۔ میں نے نتیجہ نکالا۔ کہ "ملکہ مطاع الکل" اسی طرف رہتی ہے۔ داہنی طرف کی کھوہ میں ہمیں داخل ہونے کا حکم ہوا۔ اس غلام گردش کو چند قدم طے کر کے ہمیں ایک چھوٹا سا کمرہ ملا۔ اس کے دروازے پر کسی گھاس کے بوریئے کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ گونگے نے پردہ اُٹھایا۔ اور ہم اس کمرہ میں داخل ہو گئے۔ یہاں ایک تو پتھر کی چوکی جیسی تھی۔ اور اس پر کچھ چیتے کی کھالیں رکھی تھیں۔ گونگے نے ہمیں اشاروں سے سمجھایا کہ یہ ہمارے اوڑھنے بچھونے کے لئے ہیں۔ اور کچھ برتن پانی سے بھرے ہوئے رکھے تھے ؀

یہاں ہم نے امین کو اسی غفلت میں سوتا چھوڑا۔ اور اس کے ساتھ اُستن کو۔ اسی قطع کے دوسرے کمرے میں ایوب کو ٹھیرایا گیا۔ اور دو اَور کمروں میں مجھے اور یاقوت کو ؀

---*---

باب دوازدہم

کجا وزدم دل خوں گشتہ را از ناوک چشمے
کہ در آئینہ ماند ہمچو جوہر عکس مژگانش

میں اپنے کمرے میں آتے ہی سب سے پہلے نہایا۔ غنیمت تھا کہ ہم نے اپنا تمام اسباب جہاز تباہ ہونے سے پہلے ہی اپنی کشتی پر رکھ لیا تھا۔ اور اب بنوالحجر کے طفیل مجھے تمام چیزیں سلامت مل گئیں۔ میں نے خود حجامت بنائی۔ کپڑے بدلے۔ افسوس ہے کہ صابن ہمارے ساتھ نہ تھا جس کی سخت ضرورت تھی۔ بہیں بعد میں معلوم ہوا کہ اس ملک میں ایک قسم کی مٹی ہوتی ہے جو صابن کا اچھا کام دیتی ہے۔ نہا کر مجھے بہت ہی سخت بھوک معلوم ہوئی۔ ایک گونگی عورت نے آکر مجھے کھانے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ دوسرے کمرے میں کھانا رکھا تھا۔ اور ایوب بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ مگر کچھ وحشت زدہ سا۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا۔ کہ خدا جانے اس ملک کی عورتیں میری کیوں دشمن ہو گئی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مجھے ٹیڑھی ہی نظر سے دیکھتی ہے۔ بڑی بدتمیز عورتیں ہیں۔

میں نے اسے سمجھایا کہ اس ملک میں تمیز اور تہذیب کی تو کسی سے امید رکھو نہیں باقی رہی یہ بات کہ وہ تمہیں ٹیڑھی نظر سے دیکھتی ہیں۔ یہ محض وہم ہے مگر ایوب کی تسلی نہیں ہوئی۔

یہ کمرہ میری "خوابگاہ" سے دگنا بڑا ہو گا۔ فی الاصل یہ جگہ میرے نزدیک مُردوں میں مصالحہ وغیرہ بھرنے کے لئے بنائی گئی ہو گی۔ کیونکہ فی الاصل یہ تمام کھوئیں اسی غرض سے تھیں کہ مُردوں میں مصالحہ وغیرہ بھر کر پتھر کی چوکیوں پر لٹا دیتے تھے۔ اور یہ مُردے صدیوں اپنی اصلی حیثیت پر باقی رہتے تھے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں۔ اس فن خاص میں کوئی قوم بھی اس مردہ

قوم کی برابری نہیں کر سکی ہے۔ اگرچہ مصر والے بھی کچھ کم کمال نہیں کرتے تھے لیکن اگر ان سے مقابلہ کیا جائے تو وہ لوگ بالکل ان کا منہ چڑاتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کمرے میں جو چوکی تھی وہ اوروں کے مقابلے میں بہت بڑی اور ذرا زیادہ اُونچی اور اَور چوکیوں کی طرح پتھر کی چٹان سے ہی کاٹی گئی تھی۔ اور اس پر بھی اوروں کی طرح پہاڑ کاٹ کر روشندان بنایا گیا تھا۔ فرق صرف اس قدر تھا۔ کہ چوکیاں بیچ میں سے گہری بنی تھیں۔ تاکہ مردہ زلزلہ کے صدمے سے نیچے نہ گر پڑے۔ اور اس میں پانچ مختلف قد کے آدمیوں کے برابر گڑھے جیسے ہاتھ۔ پیر۔ سر رکھنے کے لئے بنائے گئے تھے۔ تاکہ لاش کو بآسانی لٹا کر اس پر عمل کیا جا سکے۔ اگر اس میں کچھ شک رہتا تھا تو وہ تصویریں رفع کرتی تھیں جو دیواروں پر بنی تھیں۔ اور جن میں ایک خاص دراز ریش شخص (شاید کوئی بادشاہ ہو) کے مرنے کے وقت سے لیکر مصالحہ وغیرہ بھر کر لٹا دینے کی تصویریں دکھائی تھیں۔

ان میں سے پہلی تصویر اس شخص کی حالت نزع کی تھی کہ وہ شخص ایک مسہری پر لیٹا جان توڑ رہا ہے۔ مرد عورت کھڑے بیٹھے رو رہے ہیں۔ حسین و جوان عورتوں کے بال ایک خوشنمائی کے ساتھ شانہ اور سینہ پر پڑے ہوئے ہیں۔ اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کی وضع ہی یہ تھی۔ یا کہ سوگ میں بال یوں بکھیرے جاتے تھے دوسری تصویر لاش میں مصالحہ وغیرہ بھرنے کی تھی۔ لاش ایک اسی قسم کی چوکی پر برہنہ ایک گڑھے میں پڑی ہے (کیا عجب ہے کہ یہی چوکی ہو) اور تین آدمی اس پر عمل کر رہے ہیں۔ ایک شخص تو کھڑا ہوا دیکھ ہی رہا ہے۔ دوسرے کے ہاتھ میں نلکی جیسی کوئی چیز ہے۔ جس کا آخری باریک حصہ سینے کی ایک شریان میں زخم کر کے لگا ہوا ہے۔ تیسرا ٹانگیں چیرے ہوئے لاش کے اوپر کھڑا کوئی گرم چیز ایک لوٹے میں لئے ہوئے اس نلکی میں ڈال رہا ہے۔ بھاپ اٹھ رہی ہے۔ اس خاص تصویر میں دو چیزیں بالکل عجیب سی معلوم ہوتی ہیں۔ اول تو یہ کہ مؤخرالذکر دونوں آدمی ایک ہاتھ سے اپنی ناک دبائے ہوئے ہیں۔ شاید اس وجہ سے کہ اس دوا کے بخارات اس قدر زہر آلود ہوتے ہونگے کہ آدمی کو جان کا خوف ہوگا۔ دوم۔ یہ کہ

تینوں آدمیوں کے مُنہ پر ایک کپڑا لپٹا ہوا ہے۔ صرف آنکھوں کی دو دو روزن ہیں ہیں اس کی وجہ نہ سمجھ سکا۔ کیونکہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ دوا یا اُس کے بخارات چہرے کو بھی مضرت پہنچاتے تھے تو اس تیسرے شخص پر اس کا اثر کیوں نہ پہنچتا جو صرف کھڑا دیکھ ہی رہا ہے۔ اور ان لوگوں پر کیوں نہ پہنچتا جو بالکل قریب ہی کھڑے ہیں؎

تیسری تصویر اسی شخص کے امانت رکھنے کی تھی۔ لاش ایک کھوہ کے اندر ایک اسی قسم کی چوکی پر جو ہمیں سونے کے لئے نصیب ہوتی رہی ہیں۔ ٹھنڈی پڑی ہے۔ کمر سے لے کر گھٹنے تک ایک کپڑا لپٹا ہوا ہے۔ سر اور پیر کی طرف چراغ جل رہے ہیں اور اس طرف پہلو میں مختلف برتنوں میں بھری ہوئی کچھ جنس رکھی ہوئی ہے ان میں اس قسم کے برتن بھی ہیں۔ جو "لال نوا" رکھتے وقت ہمارے سامنے لایا گیا تھا پوری کھوہ آدمیوں سے بھری ہوئی ہے اور ایک طرف کوئی شخص کھڑے ہوئے بر ربط پر کچھ گا رہے ہیں۔ مردہ کے بائیں جانب ایک شخص ایک بڑی چادر لئے لاش کو ڈھکنے کا منتظر کھڑا ہوا ہے؎

یہ تصویریں ایسی خوبصورتی سے بنائی گئی تھیں کہ آدمی ذراسی کوشش سے لوگوں کے جذبات تک کا اندازہ کر سکتا تھا۔ میں نے ان کو بالتفصیل اس لئے بیان کر دیا ہے کہ ناظرین کو اس مُلک کی آخری رسمیں پورے طور پر معلوم ہو جائیں۔ وہ حضرات جو زمانہ قدیم کی تحقیق کا مدار ان تصویروں کو سمجھتے ہیں اور نہایت دور فہمی کے ساتھ ان کو درایت سے کہیں معتبر جانتے ہیں۔ نئی تحقیقات کے وسیلے مصر عتیق سے زیادہ شہر کور کی کھوؤں میں ایک لامحدود ذخیرہ پائیں گے۔ اور کیا عجب ہے۔ کہ میرا یہ خیال صحیح ہو) یہاں کے باشندے مصروالوں سے زیادہ مہذب ملینگے؎

فے الجملہ یہاں بھی کھانا وہی بکری کا اُبلا ہوا گوشت۔ تازہ دودھ اور مکی کی روٹیاں تھیں۔ مگر ذرا وحشیانہ تکلف کے ساتھ لکڑی کے خوانوں میں چُنا ہوا۔ میں نے حسب معمول دودھ سے روٹی کھائی اور فوراً لین کو دیکھنے چلا گیا۔ اس وقت ان کی حالت اور بھی ردی تھی۔ اگرچہ ان کی آنکھ کھل گئی تھی۔ مگر سخت کرب کے ساتھ بے انتہا ہذیان تھا۔ اُستن ان کو سنبھالنا چاہتی تھی اور وہ اپنے نزدیک دریائے نیل

کی کشتیوں کی دوڑ دیکھنے جانا چاہتے تھے - بیچاری اُستن سخت پریشان روتی جاتی تھی اور کچھ نہیں کرسکتی تھی - میری آواز سُن کر امین کو کسی قدر تسکین تو ہوئی - لیکن ہذیان کی وہی کیفیت رہی - کسی بات کا جواب مجھے تسلی بخش نہ ملا - مَیں نے بمشکل انہیں لٹا یا اور زبردستی کچھ دُودھ پلایا - تھوڑی دیر میں وہ پھر غافل ہو گئے ◆

مَیں کوئی گھنٹہ بھر حیران پریشان اُن کے پاس بیٹھا رہا - کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا علاج کروں کہ یاقوت گھبرایا ہوُا آیا ◆

یاقوت "نسناس! "ملکہ مطاع الکل" نے تیری حاضری کا فوراً حکم دیا ہے - یہ وہ عزّت ہے جو آج تک کسی کو حاصل نہیں ہوئی ◆

مَیں تو ایک اَور ہی اُلجھن میں پڑا ہوُا تھا - سُن کر خاموش ہو رہا - علاوہ ازیں ایک خونخوار نامعلوم ملکہ کے سامنے پیش ہونے کی "عزت" کو مَیں نفرت سے دیکھتا تھا - جانے کو جی تو نہیں چاہتا تھا - لیکن یاقوت کے تقاضے سے بادلِ ناخواستہ اُٹھا اور چلا - اتّفاق سے وہیں فرش پر میری نظر ایک چمکدار چیز پر پڑی - اُٹھا کر دیکھا تو وہی انگوٹھی تھی جو امین کے والد کی امانت یعنی کپتی کے ٹکڑے کے ساتھ نکلی تھی - اور اس پر ایک بط اور انڈے کی تصویر بنی تھی جس کے معنی تھے "ملک ابن الشمس" امین نے چلتے ہوئے اسے نکلوا کر پہن لیا تھا اور اس وقت کہیں کروٹ ہذیان میں نکالکر پھینک دی ہوگی - مَیں نے سوچا کہ یہاں پڑی رہی تو گم ہو جائیگی یا ممکن ہے کہ پھر کسی وقت نکال کر پھینک دیں اور گم ہو جائے - مَیں نے اپنے ہاتھ کی انگلی میں پہن لی - ایتوب کو مَیں نے امین کے پاس بھیج دیا اور خود یاقوت کے پیچھے ہولیا ◆

غلام گردش طے کرکے اس دروازے پر پہنچے - جہاں دو شخص بالکل بتوں کی طرح کھڑے پہرہ دے رہے تھے - ہمیں دیکھ کر دونوں نے معمول کے موافق سلام کیا اور پردہ اُٹھا دیا - اندر گئے تو یہ غلام گردش اور اس کے کمرے بھی بالکل ویسے ہی تھے جن میں ہم تینوں ٹھیرائے گئے تھے - آگے بڑھ کر پھر دو مرد اور عورتیں (گر چاروں گونگے) ملے - چاروں نے سلام کیا - آگے دونوں عورتیں ہولیں اور ان کے پیچھے مرد اور ان کے بعد ہم دونوں کئی پردے طے کرکے آخر ایک کمرے میں پہنچے یہاں بہت

سی گونگی مگر حسین عورتیں کھڑی ہوئی تھیں۔دو چار قدم آگے بڑھ کر پھر ایک دروازہ ملا۔
چونکہ اس کا جواب دوسری طرف نہ تھا۔ اس لئے خیال ہؤا کہ اس کے آگے اَور کوئی
کمرہ نہ ہوگا۔یہاں بھی دو گونگے مرد کھڑے تھے ہمیں سلام کیا اور پردہ اُٹھا دیا۔یہ کمرہ کوئی
پندرہ گز مُربع ہوگا۔ آٹھ دس وہی گونگی پری نژاد عورتیں بیٹھی ہوئی ہاتھی دانت کی سُوئیوں
سے کشیدہ کاڑھ رہی تھیں۔ سامنے کے دروازہ پر ایک بہت ہی خوش قطع پھولدار
پردہ پڑا ہؤا تھا۔ اس پردے کے پاس دو اور دلربا مجت سینے پر ہاتھ رکھے سر جھکائے
مؤدب کھڑے ہوئے تھے۔ ہمیں بڑھتا دیکھ کر دونوں نے ایک ادا کے ساتھ اپنے
نازک ہاتھوں سے پردہ ہٹایا۔ اندر گھستے ہی یاقوت نے ایک عجیب حرکت کی۔
یعنی زمین پر لیٹ گیا اور اپنے گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل چلنے لگا۔ آپ کی لمبی لمبی
ڈاڑھی آگے آگے جھاڑو دیتی جاتی ہے اور آپ ہانپتے کانپتے کتوں کی طرح بڑھے چلے
جا رہے ہیں۔ مجھے بہت ہی ہنسی آئی۔ضبط کرنے کے لئے کھانسا تو یاقوت کی نظر پڑ
گئی کہ میں کھڑا چلا آ رہا ہوں۔ وہیں اُسی حالت میں ٹھیر گیا اور بہت ہی آہستہ مجھ سے
کہا کہ "نسناس! لیٹ جا۔ جلدی لیٹ کر میری طرح چل۔بس اب ہم "ملکہ مطاع الکل" کے
سامنے پہنچا ہی چاہتے ہیں۔ اگر اس نے تیری یہ گستاخی دیکھ لی تو ہمیں بھسم کر دیگی"۔

عجیب مخمصہ تھا۔طبیعت اِس ذلت اور حیوانیت کو گوارا نہ کرتی تھی۔ ایک شخص
کی خیر خواہانہ بات نہ ماننی داخل حماقت تھی۔ میں نے سوچا کہ میں ایک پردیسی۔ غیر
سلطنت کا باشندہ۔مسلمان۔ ان پابندیوں سے ضرور معاف رکھا جاؤنگا۔مگر معاً ہی خیال
پیدا ہؤا کہ اس وحشت کدہ میں ان مراتب قانونی کے طے ہونے سے پہلے ہی جان جاتی
رہیگی۔لاچار یہ سوچتا ہؤا کہ یہ تیری ہنسی کی سزا ہے یاقوت کی وضع اختیار کر لی۔اور
چاروں ہاتھوں پیروں سے چلنے لگا۔ یاقوت بیچارہ بڈھا آدمی اس مصیبت کو مجبوری
گوارا کر رہا تھا۔دم چڑھا ہؤا تھا اور لمبی ڈاڑھی بار بار گھٹنوں میں پھنس پھنس کر اس کو
جھٹکے دے رہی تھی۔مجھے اس کی آہستگی پر بہت ہی غصہ آیا۔کئی دفعہ جی چاہا۔ کہ ایک
لات رسید کروں۔غرض اسی حیثیت سے ایک اَور کمرے میں پہنچے جس کی دیواروں پر
بہت ہی نفیس پردے لٹک رہے تھے۔سامنے ایک اور دروازے پر پردہ پڑا ہؤا تھا۔مگر

قاعدہ کلیہ میں صرف اس قدر ترمیم تھی کہ یہاں کوئی پہرہ دار مرد یا عورت نہ تھی۔ یاقوت اس دروازے کے سامنے بالکل چھپکلی کی طرح چاروں ہاتھ پیر پھیلا کر اوندھا لیٹ گیا۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کروں۔ مَیں نے اِدھر اُدھر کمرے کو دیکھنا شروع کیا۔ یکایک مجھے معلوم ہوا کہ کوئی شخص مجھے دیکھ رہا ہے لیکن دیکھنے والے کی صورت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ آپ اس کو محض میرا خیال یا خوف کہہ دیجئے یا کچھ ہی کہئے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ میرے قلب پر یہی کیفیت طاری تھی۔ اَور جیسے جیسے وقت زیادہ گزرتا جاتا تھا۔ مجھ پر خوف اَور بھی ترقی کرتا جاتا تھا اَور بوٹی بوٹی کانپتی تھی۔ وہ مردوں کا مدفن۔ وہ ہُو کا مقام وہ پردہ۔ وہ چراغ۔ یاقوت کا مُردے کی طرح پڑا ہونا کسی اَور زندہ شخص کا موجود نہ ہونا اور پھر اس پر یہ معلوم ہونا کہ کوئی شخص مجھے دیکھ رہا ہے۔ وہ چیزیں تھیں کہ انسان خواہ مخواہ خوف زدہ ہو۔ اگر مَیں ڈر کے مارے کانپ بھی رہا تھا تو کچھ بعید نہ تھا۔

آخر پردے کو حرکت ہوئی۔ دیکھئے اس پردے کے پیچھے سے کون نکلتا ہے؟ کوئی برہنہ خونخوار وحشی ملکہ۔ یا فرانس کی پری تمثال زاہد فریب خاتون۔ کون کہ سکتا تھا جبکہ دونوں ممکن تھیں۔ پردہ کچھ اَور ہلا۔ اور ایک نہایت خوبصورت گورے ہاتھ کی نازک انگلیوں نے پردہ کسی قدر ہٹایا اور اس کے ساتھ ہی وہ دلکش آواز جو شاید ارگن باجے سے بھی نہ نکلے۔ سُنائی دی۔

آواز (نہایت فصیح عربی میں) " اجنبی! تو کون ہے۔ اتنا کیوں ڈرتا ہے"! اگرچہ میں ڈرا ہوا تھا۔ مگر نہ اس قدر کہ میرے حواس پر صدمہ ہو یا چہرے پر اثر ہو۔ مجھے اس سوال پر لامحالہ تعجب ہُوا۔ ابھی مَیں نے جواب نہ دیا تھا کہ پردہ ہٹا اور ایک کشیدہ قامت ہیولے میرے سامنے آ کھڑا ہُوا۔ ہیولے میں اس واسطے کہتا ہوں کہ صورت تو نظر نہ آتی تھی۔ کیونکہ اس کے جسم پر سر سے پیر تک ایک حریری سفید کپڑا لپٹا ہُوا تھا کہ جس سے دیکھنے والے کو یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ یہ کوئی قبر کا مردہ کفن پہنے ہوئے سامنے کھڑا ہے۔ بہرکیف اس کو دیکھ کر تمام جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور پسینہ آ گیا۔ اتنا ضرور مَیں نے کنکھیوں سے دیکھ کر قیافہ لگایا کہ یہ شخص خواہ کوئی ہو حسن کی

دیوی ہے کہ اس کے عضو عضو پر حسن فدا ہو رہا ہے۔ لیکن اس کی حرکات سے بے انتہا ظالم ہونے کا بھی یقین ہوتا تھا۔ یوں اسکی ہر حرکت کے ساتھ اسکا تمام جسم ہلتا تھا لیکن گردن نہ مڑتی تھی پھر آواز آئی "تو اتنا ڈرا ہوا کیوں ہے؟ کیا مجھ میں کوئی ایسی بات ہے کہ آدمی دیکھ کر ڈر جائے۔ اگر یہی ہے تو پہلے اور اب کے آدمیوں میں بڑا فرق ہو گیا ہے۔ پہلے تو مرد اتنا نہ ڈرتے تھے۔"

یہ کہ کر خدا جانے کیوں میری طرف سے پیٹھ موڑ کر کھڑی ہوئی۔ یہ اور غضب ہوا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے سیاہ بال ریشم کے لچھوں کی طرح پنڈلیوں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ وہ دلکش چیز تھی کہ باقی حسن ایک طرف۔ انسان کا دل ان بالوں کے جال ہی میں اگر پھنس جائے تو نکلنا ناممکن ہو جائے۔

میں "حضور کا حسن مجھے ڈرا رہا ہے۔ اگر میں اس میں محو نہ ہو جاتا۔ تو شاید جواب دینے کی بھی مجھے ہمت نہ رہتی۔"

وہی ہیولے (میری طرف مڑ کر۔ اُسی فصیح عربی میں) "اہا۔ مردوں کو اب تک ہی عورتوں کو پھسلا لینے کی باتیں آتی ہیں۔ صاف یوں ہی کیوں نہیں کہتا کہ تجھے خوف اس لئے ہوا کہ میری آنکھیں تیرے دل کو ٹٹول رہی تھیں۔ تجھے میری آنکھیں محسوس ہوتی تھیں مگر میری صورت نظر نہ آتی تھی۔ کیوں اسی واسطے ڈرتا تھا؟ میں آخر ایک عورت ہوں۔ تیری اس جھوٹی خوشامد کو معاف کرتی ہوں۔ اچھا اب تو یہ بتلا کہ تو اس سرزمین پر ان کھوؤں کے رہنے والے لوگوں میں۔ ان دلدلوں میں۔ ایک مردہ قوم کے مردہ سایہ میں کیا لینے آیا ہے؟ آخر تجھے اپنی جان ایسی کیوں بے کار معلوم ہوئی کہ تو نے خود کو حبیبہ ملکہ "مطاع الکل" کے سپرد کر دیا اور ہاں یہ بھی بتلا کہ میری زبان تجھے کیونکر بولنی آگئی۔ یہ تو وہ زبان ہے جو عرب کا میٹھا دودھ پی پی کر پلتی تھی۔ کیا یہ زبان اب بھی زندہ ہے؟ میں ایک زمانے سے ان کھوؤں میں مُردوں کے ساتھ پڑی ہوں۔ مجھے دنیا کا کچھ حال معلوم نہیں۔ میری دل لگی کا سامان صرف وہ محسوسات ہیں جو میرے صندوقِ دل میں محفوظ ہیں۔ کبھی جی گھبراتا ہے تو ان ہی چیزوں کو سامنے لے بیٹھتی ہوں۔ افسوس کہ میں نے ہی کنواں کھودا اور خود ہی اس میں گر گئی۔

اور ایسی گری کہ دیکھئے اب کبھی نکلنا ممکن بھی ہوتا ہے یا نہیں" یہ آخری فقرہ کہتے ہوئے ہونٹ کانپنے لگے اور کچھ اور کہنے کو تھی کہ یاقوت کو پڑا دیکھ کر رُک گئی۔

ملکہ:- "میں بُڈھے! تو ابھی یہیں پڑا ہے۔ یہ تیرے قبیلہ نے کیا غضب کیا۔ اُن کے کھانے کے واسطے میرے ہی مہمان رہ گئے تھے؟ ایک پر تو ان کا وار چل ہی گیا۔ یہ لوگ اپنے قوتِ بازو سے بچ رہے۔ ورنہ ان کو بھی کھا جاتے۔ تیرے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ جی تو چاہتا ہے کہ تجھے بھی عذاب سے ماروں۔"

ملکہ کی آواز اس وقت غصّے سے بہت ہی بلند ہو گئی تھی اور یاقوت اپنی جگہ پڑا کانپ رہا تھا۔

یاقوت:- "حبیبہ امان! حبیبہ امان! اپنی عظمت کے صدقے میں اپنے ایک ادنےٰ غلام پر رحم کر۔ اس معاملے میں میرا قدم درمیان نہ تھا۔ نہ مجھے ان کمبختوں کے مشورے کا علم ہُوا۔ ایک عورت نے اپنے ملک کی رسم کے موافق کیش کو چُومنا چاہا تھا۔ اُس نے سخت نفرت کی۔ بس اس عورت نے انتقام کی یہ سبیل نکالی۔ رُعب ڈالنے کے لئے پہلے اُس شخص سے شروع کیا گیا۔ اسد اور نساس نے اس عورت کو بھی مار ڈالا۔ اور اپنے ساتھی کو بھی۔ عورت کے قتل پر ان شریروں کو بھی غصّہ آیا۔ لڑائی ہوئی اور یہ تینوں نہایت بہادری کے ساتھ لڑے۔ لیکن شریروں کی جماعت زیادہ تھی۔ اگر میں وقت پر نہ پہنچ جاتا تو وہ اسد کو ضرور قتل کر ڈالتے۔ میں نے جاتے ہی بچا لیا۔ اور اس مجمع میں جتنے لوگ شامل تھے۔ سب کو ادھر روانہ کر دیا ہے کہ تیرے انصاف کے حوالے کر دئے جائیں۔ چنانچہ وہ پہنچ بھی گئے ہیں۔"

ملکہ:- "میں جانتی ہوں۔ کل عدالت میں اُن کو پیش کیا جائے۔ تجھے میں معاف کرتی ہوں۔ دیکھ اپنے قبیلے کی حفاظت کر! خبردار پھر کوئی معاملہ ایسا سُننے میں نہ آئے ورنہ یاد رکھ کہ سارا وبال تیری گردن پر ہوگا۔ چل جا۔"

یاقوت نے کھڑے ہو کر تین دفعہ جھک جھک کر سلام کیا اور جس قطع سے آیا تھا۔ اسی طرح چوپایہ بن کر واپس چلا گیا۔ اور مجھے اُس خوفناک سحر کار عورت کے سامنے تنہا چھوڑ گیا۔

باب سیزدہم

رُخت بے پردہ نتواں دید و شوق یک نظر دارم
کجا بُردی سرت گردم نقاب روئے زیبا را

ملکہ "یہ گیا کمبخت پُرانا احمق - انسان اپنی زندگی میں کس قدر کم علم حاصل کر سکتا ہے۔ ایک احمق دریا کو اپنے ہاتھوں سے روکنا چاہتا ہے - بھلا دریا اُس کے روکے کب رکتا ہے - اگر اس میں کہیں اُس کے ہاتھوں پر نمی بھی آجاتی ہے تو احمقوں کا گروہ چیخ پکار مچا دیتا ہے کہ "دیکھو یہ بڑا عقلمند ہے" ہاں! مجھے یہ جانور نسناس کیسے کہنے لگے - ان وحشیوں کا تصور محض جانوروں ہی تک محدود رہتا ہے - اس بڈھے کا نام یاقوت بھی میں نے ہی رکھا ہے - ورنہ نامعلوم کیا گدھا - کتا نام ہوتا - تیرا اصل نام کیا ہے" (میں یاقوت کے نام رکھنے پر چونکا)

میں "میرے ماں باپ کا رکھا ہؤا نام تو حنیف ہے - اب یہاں جو کچھ کہلایا جاؤں"

ملکہ "کیا حنیف! اچھا نام ہے - اب تو یہاں کب تک کھڑا رہیگا - چل اندر چل میں نہیں جی نہیں چاہتا کہ تجھے بھی ان جانوروں کی طرح چلتا دیکھوں - ان جانوروں پر میرا خوف اس قدر غالب ہے کہ یہ لوگ میری پرستش کرتے ہیں - بعض وقت جب یہ مجھے تنگ کرتے ہیں تو میں اُسی دم ان کو سزا دے دیتی ہوں - لیکن بہرحال میں ان کی خوشامد سے بہت ہی تنگ ہوں"

ملکہ نے اپنے ہاتھ سے پردہ اُٹھایا اور میں کانپتا ہؤا اندر داخل ہؤا - مجھے اپنا ایک ایک قدم آخری معلوم ہوتا تھا - عورت ہی کمبخت بلا کی خوفناک تھی

یہ ایک مختصر سا کمرہ کوئی چار گز مربع ہوگا - اس میں ایک طرف قرینے سے پلنگ بچھا ہؤا تھا - سامنے ایک میز جیسی چیز پر کچھ پھل رکھے ہوئے تھے اور آبخورے میں پانی - پلنگ کی پائینتی سنگ مرمر کے ایک بڑے خوشنما پیالہ میں پانی بھرا

ہؤا تھا۔ دو تین چراغ جل رہے تھے اور تمام کمرہ خوشبو سے مہک رہا تھا۔ خدا جانے وہ خوشبو ملکہ کے کپڑوں اور بالوں میں سے نکل رہی تھی یا کہیں پھول تھے۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ غرض میں اس کمرے میں جا کر کھڑا ہو رہا ؂

ملکہ:۔ پلنگ پر بیٹھ جا۔ اب تک تو تجھے مجھ سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور ہو تو جلدی تیرا خاتمہ کر دیا جائیگا۔ مرنے سے ڈرنا ہی کیا ؟"

میں ادب سے پائنتی بیٹھ گیا۔ اور ملکہ سرہانے ہو بیٹھی ؂

ملکہ:۔ ہاں خلیف! پہلے تو تو یہ بتا کہ تو نے میری پیاری زبان عربی کہاں سے سیکھی؟ یہ زبان بنو قحطان کی ہے اور میرے پیارے وطن یمن سے بہتر کہیں نہیں بولی جاتی تھی۔ تیرے محاورات بھی میرے وطن کے محاورات سے بہت ملتے ہیں۔ لیکن پھر بھی تیری زبان میں وہ شیرینی نہیں جو میرے قبیلۂ حمیر کی زبان میں تھی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کچھ الفاظ میں تغیر و تبدل ہو گیا ہے اور ان کمبخت بنو البحر کی نہ کہو۔ انہوں نے میری زبان کا ایسا ستیاناس کیا ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ان سب کا منہ پھونک دوں۔ میں ان سے جو گفتگو کرتی ہوں تو یہ تھوڑا ہی معلوم ہوتا ہے کہ میں عربی بول رہی ہوں"

میں:۔ عربی میری مادری زبان ہے۔ میرے وطن مصر میں بھی یہی زبان بولی جاتی ہے۔ مگر یمن جیسی میں نے عربی پڑھی ہے۔ اسی وجہ سے ایسی گفتگو کر سکتا ہوں۔ ورنہ میرے ملک کے محاورات اور قطع کے ہیں۔ عربی اس وقت ماشاء اللہ تمام دنیا پر حاوی ہے کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اس کا قدم نہ گیا ہو۔ عرب۔ عراق۔ شام۔ مصر۔ ترکستان ایران۔ ہند۔ بیشتر حصہ افریقہ میں یہ زبان بولی اور پڑھائی جاتی ہے"

ملکہ:۔ اچھا! عربی کا وجود ابھی تک باقی ہے اور یہ ملک بھی جن کا تو نے نام لیا ہے۔ سب موجود ہیں۔ میں تو سمجھتی تھی کہ ان میں سے اکثر تباہ ہو چکے ہونگے۔ مصر میں اب بھی خاندان فراعنہ کی سلطنت ہو گی یا ایران کا کیانی خاندان حکمران ہے"

میں:۔ فراعنہ مصر کا تو مدت ہوئی قلع قمع ہو چکا۔ ایرانی بھی تباہ ہو چکے۔ ان کے بعد بھی کتنے ہی خاندان بادشاہ رہ چکے ہیں لیکن سلطنت نے کسی کے ساتھ وفا نہیں کی"

ملکہ:۔ اور ہاں یونان؟ اس نام کا کوئی ملک اب بھی باقی ہے۔ میں یونانیوں کو بہت

ہی پسند کرتی تھی۔ خوبصورت لوگ ہوتے تھے اور بلا کے ذہین۔ لیکن نہایت قسی القلب اور متلون۔"

میں۔" ہاں یونان تو موجود ہے لیکن وہاں کی ذہانت اور طباعی مدت ہوئی کہ تشریف لے جا چکی۔ آج کل کے یونانی پرانے یونانی نہیں رہے۔ اب تو کُندہ ناتراش اور سخت بزدل ہوتے ہیں۔"

ملکہ۔" اور یہودیوں کا کیا حال ہے؟ یہ کمبخت اب بھی باقی ہیں۔ سلیمان کی بنائی ہوئی عمارت ابھی قائم ہے یا نہیں۔ اس میں کس خدا کی پرستش ہوتی ہے۔ جس مسیحا کو وہ لوگ ڈھونڈھتے پھرتے تھے۔ وہ ملا بھی؟"

میں۔" یہودی بھی کہنا چاہیے کہ تباہ ہی ہو گئے۔ دنیا کے پردے پر کہیں، ان کی سلطنت نہیں۔ پریشان حال پھرتے ہیں۔ یروشلم پر بھی بڑی بڑی تباہیاں آئیں۔ پہلے بابل والوں نے جلایا۔ مگر ہیروڈ نے پھر بنا دیا تھا۔"

ملکہ۔" کون ہیروڈ؟ میں نہیں جانتی۔ خیر۔"

میں۔" ہیروڈ نے ان ہی بنیادوں پر پھر بنایا تھا۔ مگر رومۃ الکبریٰ والوں نے پھر تباہ کر دیا لیکن وہ بھی نہ رہے اور تباہ ہو گئے۔"

ملکہ۔" معلوم ہوتا ہے کہ رومۃ الکبریٰ والے بھی بڑے دلاور تھے۔ لیکن قیام کسی کو نہیں۔ آخر وہ بھی تباہ ہو گئے؟"

میں۔" ہر کہ آمد عمارت نو ساخت   رفت و منزل بدیگرے پرداخت"

ملکہ۔" اہا! تو فارسی بھی جانتا ہے؟ یہ فارسی ہی تھی۔ مگر میرے زمانے میں یہ اَور طرح بولی جاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو فاضل شخص ہے۔"

میں۔" بقول آپ کے ذرا ہاتھوں پر نمی آگئی ہے اور احمقوں کے گروہ نے عقلمند کہنا شروع کر دیا ہے۔" میں کہنے کو تو یہ فقرہ کہ گیا۔ مگر کانپ ہی گیا کہ کہیں ملکہ کو ناگوار ہو اور مصیبت آ جائے۔"

ملکہ۔" (مسکرا کر) یہ شعر کس کا ہے۔ ایک ایک حرف صحیح لکھا ہے۔ میں جس زمانے میں اُس نواح میں تھی تو رُدم۔ رومۃ الکبریٰ نہیں بنا تھا۔ تو یونانی بھی جانتا ہے؟"

میں "ہاں جانتا ہوں - مگر بے تکان بول نہیں سکتا۔ اسی طرح عبرانی بھی - یہ دونوں زبانیں اب مُردہ زبانوں میں شامل ہوگئی ہیں"
ملکہ (اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر) "اہا! تب تو تُو بے شک فاضل ہے - ان یہودیوں کا کیا حال ہے؟ کمبخت سخت جاہل تھے مجھے ہمیشہ کافر ہی کہا کئے - ان کا مسیحا بھی آیا؟"
میں "ہاں مسیح پیدا ہوئے تھے - مگر جو قوم اپنی نبی کی تعلیمات نہ مانے گھر کے محسن کی احسانمند نہ ہو - وہ دوسرے کی کیا پروا کریگی - مسیح (علیہ السلام) واقعی بڑے اولوالعزم نبی تھے - مگر یہودیوں کے ہاتھوں عمر بھر تنگ بلکہ مصیبت میں رہے - یہاں تک کہ ان ظالموں نے اپنے نزدیک انہیں سولی پر چڑھا دیا - مگر خدا اپنے مرسلین کی محافظت اور ہی طرح کرتا ہے"
ملکہ "کمبخت بالکل بھیڑیے تھے - بت پرست - تن آسان - نفع کے دشمن - نقصان کے متلاشی - بے شک انہوں نے اپنے مسیحا کو سولی پر چڑھا دیا ہوگا - ان کو سخت غرور تھا کہ ہم کو خدا نے برگزیدہ کیا ہے - اور تھے فی الاصل بعل کے بندے - یہوا کو پوجنے والے - مصریوں کے بتوں کو سجدہ کرنے والے - ظالموں نے مجھے سخت صدمہ پہنچایا - میں یروشلم میں توحید کا وعظ کرتی تھی اور ستائی جاتی تھی - میرے اوپر ہر طرف سے پتھروں کی بوچھاڑ ہوتی تھی (اپنا بازو کھول کر) یہ دیکھ اس وقت تک ان کے پتھر کا نشان موجود ہے"
دیکھا تو واقعی کہنی سے کچھ اوپر ایک زخم کا نشان تھا - سخت حیرت ہوئی - ڈرا اور چپ ہو رہا
میں "حضور معاف کریں - میں سخت حیرت میں ہوں - یہودی اپنے نزدیک مسیحا کو دو ہزار برس کے قریب ہوئے کہ پھانسی چڑھا چکے - آپ نے مسیح سے پہلے ان کے سامنے توحید کا وعظ کیونکر کیا ہوگا - میری عقل کام نہیں کرتی - آپ آخر ایک عورت اولاد آدم ہیں - دنیا میں کوئی آدمی دو ہزار برس تک زندہ نہیں رہ سکتا - یا تو آپ مجھے بنا رہی ہیں یا میں خواب دیکھ رہا ہوں"
ملکہ نے ایک قہقہہ لگایا اور مجھ پر پھر وہی حالت طاری ہوگئی کہ گویا کسی

شخص کی آنکھیں میرے قلب پر پڑ رہی ہیں۔ میں نے ملکہ کی طرف دیکھا اور آنکھیں نیچے کرلیں۔

ملکہ (نہایت آہستگی سے) "معلوم ہوتا ہے کہ تجھے بھی اب تک دنیا کے بہت سے عجائبات کی خبر نہیں۔ کیا تیرا بھی یہودیوں کی طرح یہ عقیدہ ہے کہ رُوح کو موت ہے؟ سچ جان کہ رُوح تو رُوح۔ آدمی کا جسم بھی نہیں مرتا۔ موت تو ایک لفظ غلط العام ہے "نقل" البتہ ایک چیز ہے۔ اس سے کہیں یہ نہ سمجھ جانا کہ میں تناسخ کی قائل ہوں (دیوار کی تصویروں کو دکھلا کر) جس دو ہزار برس کو تو روتا ہے۔ شاید اس سے بھی چوگنا زمانہ (آٹھ ہزار برس) گزرا ہوگا کہ اس قوم کو جس نے یہ تصویریں بنائی تھیں۔ وبا نے تباہ کردیا۔ لیکن یہ لوگ مرے نہیں۔ اب بھی کہیں نہ کہیں زندہ موجود ہونگے۔ اور ان کی روحیں تو کیا عجب ہے کہ اس وقت ہماری باتیں سُن رہی ہوں۔ بلکہ بعض وقت تو گمان ہوتا ہے کہ میری آنکھیں اُن کو دیکھ رہی ہیں۔"

میں "معاف کیجئے۔ ان کو تو نہیں ان ننگی تصویروں کو دیکھتی ہوں گی۔ باقی دنیا کے حساب سے تو کچھ شک نہیں کہ وہ مرچکے۔"

ملکہ "ہاں تھوڑی دیر کے لئے۔ مگر دنیا ہی میں وہ پھر پیدا ہونگے۔ یا شاید اسی وقت کہیں پیدا ہو گئے ہوں۔ میں خود یعنی عذرا (میرا نام عذرا ہے) خود ایک شخص کے پیدا ہونے اور یہاں آنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ یہ وہ شخص ہے جس پر میں اپنی جان تک فدا کرنے کو تیار ہوں۔ میں اُس کے یہاں ملنے تک انتظار کرونگی۔ یہاں ان کھوؤں میں وہ آئے گا اور ضرور آئیگا۔ آخر تو کیا سمجھا ہے کہ میں باوجودیکہ اتنی طاقتور ہوں۔ باوجودیکہ اُس ہیلن سے بڑھ کر حسین ہوں۔ جس کو یونانی حُسن کی دیبی سمجھے بیٹھے ہیں۔ باوجودیکہ عقل اور علم میں یونانی حکما سے کہیں بڑھ کر ہوں باوجودیکہ زمین بھر کے دفائن مجھے معلوم ہیں۔ اور مجھے ان پر پورا اختیار حاصل ہے باوجودیکہ مجھے اس نقل کی بھی چنداں پروا نہیں۔ جس کا لوگوں نے ڈراؤنا نام موت رکھ لیا ہے۔ اِن وحشیوں میں اس بیابان میں ان کھوؤں میں کیوں پڑی ہوں؟"

میں "نہیں میں کچھ نہیں سمجھا - بلکہ مجھے خود تعجب ہے"

ملکہ "محض اپنے مطلوب اور محبوب کے انتظار میں - میں جانتی ہوں کہ میری زندگی بہت ہی خراب گزر رہی ہے اور آخر انسان ہوں اور "نقل" یا تبدیل لفظ "موت" سے ڈرتی بھی ہوں - کیونکہ موت ایک نامعلوم و مقررہ ساعت پر آکر رہیگی - مگر نہ اُس وقت سے پہلے کہ میں اپنے پیارے سے مل لوں اور بالفعل تو میرے اور میرے پیارے کے بیچ میں ایک بلند دیوار حائل ہے جس پر میں چڑھ نہیں سکتی یا یوں کہو کہ چڑھتی ہوئی ڈرتی ہوں - مگر اُس کے ملنے کا وقت آنے والا ہے - اب خواہ وہ آج سے پانچ ہزار برس بعد آئے یا کل ہی آ جائے کہ وہ مجھ سے اپنی دلربا صورت کو لئے ہوئے یہیں آکر ملیگا - یہ کچھ میں اپنے قیاس سے نہیں کہتی - بلکہ میں جانتی ہوں کہ یہ وہ قاعدہ ہے جس پر انسان کا قابو نہیں - اگرچہ میں نے اس کا بڑا گناہ کیا ہے - مگر آخر یہیں آکر اُس کا دل پسیجیگا - ممکن ہے کہ وہ مجھ کو نہ پہچان سکے - مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ میرا عاشق نہ ہو جائے - خواہ حُسن ہی پر کیوں نہ ہو"

یہ باتیں ملکہ کی زبان سے ایک عالت وجد میں نکل رہی تھیں اس پر ایک طرح کا ذوق غالب معلوم ہوتا تھا - جھومتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی - میں خاموش بیٹھا سُن رہا تھا اور کچھ کہہ نہیں سکتا تھا - اس گفتگو تک میری عقل ہی نہیں پہنچتی تھی ◆

مَیں "اچھا میں یہ فرض کئے لیتا ہوں کہ انسان مرکر پھر ایک مرتبہ پیدا ہو جاتا ہے - لیکن یہ تو فرمائیے کہ اس قاعدہ کلیہ سے آپ کیونکر مستثنیٰ ہو گئیں - ممکن تھا کہ آپ بھی مرکر ایک مرتبہ پھر پیدا ہوتیں اور ان کھوؤں میں ہی آکر پھر اپنے محبوب کا انتظار کرتیں ؟"

مجھے پھر معلوم ہوا کہ وہی آنکھیں میرے قلب کو ٹٹول رہی ہیں ◆

ملکہ - ہاں صحیح ہے - مگر کچھ تو اتفاق سے اور کچھ اپنے علم کے ذریعے سے دنیا کے عجائبات میں سے مجھے ایک عجیب چیز مل گئی کہ موت پر ایک وقت خاص تک غالب ہو گئی ہوں - اچھا تو زندگی کا تو ضرور قائل ہو گا - پھر کیا ایسی صورت ممکن نہیں کہ اسی زندگی کو ہم بڑھا سکیں ؟ اور جب بڑھا سکتے ہیں تو دس - بیس - پچاس ہزار سال

کیا بڑی بات ہے؟ دس ہزار برس میں مینہ یا اولے پہاڑ کو ایک بالشت بھر بھی تو کم نہیں کر سکتے۔ دو ہزار برس سے میں ان کھنڈوں کو اسی حالت میں پاتی ہوں جو تو اس وقت دیکھ رہا ہے۔ ان کا کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ البتہ انسان اور جانور بہتیرے بدل چکے ہیں۔ اس خاص معاملے میں تو کوئی بات بھی عجیب نہیں۔ بشرطیکہ تیری سمجھ میں آجائے۔ زندگی کا وجود فی ذاتہ ایک عجیب چیز ہے۔ لیکن اس کا بڑھ جانا اس قدر عجب نہیں۔ انسان کو اگر کہیں چشمۂ حیات مل جائے۔ تو ممکن ہے۔ کہ اس کی زندگی بہت بڑھ جائے لیکن ساتھ ہی یہ قطعی ممکن نہیں کہ اس کو بقائے دوام حاصل ہو جائے۔ کیونکہ یہ اُس کی فطرت میں داخل نہیں اور کچھ اسی پر منحصر نہیں۔ اس نظام کائنات ہی کو بقائے دوام نہیں۔ اس تمام کارخانہ میں ایک وقت مقررہ پر تبدیلی آنے والی ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ کب اور کس طرح؟ اس کا علم خود مجھے بھی نہیں۔ حالانکہ میرا علم نسبتاً بہت وسیع ہے۔ خیر اس کے متعلق اگر طبیعت حاضر ہوئی۔ تو پھر کبھی تجھ سے گفتگو کرونگی اور ممکن ہے کہ کبھی لب کشائی بھی نہ کروں۔ اس وقت تجھ سے دنیا کے مذاہب کا حال پوچھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ میں علاوہ اپنے پیارے کے ایک اور شخص کی جستجو میں ہوں۔ مگر تقاضائے بشریت یا بدقسمتی سے مجھے اس طرف زیادہ انہماک ہے۔ اچھا اب یہ بتلا کہ کیا تجھے اس سے کچھ تعجب نہیں ہوتا کہ مَیں نے تمہارا سب کا اس طرف آنا کیونکر معلوم کر لیا؟"

مَیں "تعجب سا تعجب ہے! میں تو خود سوال کرنے والا تھا"

ملکہ "آ تجھے بتلاؤں"

ملکہ اُٹھ کر اس پیالہ کے پاس جا کھڑی ہوئی جو پائینتی رکھا ہُوا تھا۔ جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ اپنے ہاتھ کا اس پر سایہ ڈالا۔ یکایک پانی پر ایک سیاہی دوڑی اور پھر صاف ہو گیا۔ میں جھکا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ہماری کشتی نہر میں چلی جا رہی ہے۔ ایمن مچھروں کے خوف سے سر سے پیر تک کمبل اوڑھے لیٹے ہیں۔ میں۔ ایوب۔ حافظ جعفر مرحوم بیٹھے ہوئے ہیں گرد و پیش کا وہی جنگل ہے جس کو ہم طے کر چکے تھے میں تو وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور صاف پکار اُٹھا کہ "ھذا سحرٌ مبین!"

ملکہ (ہنس کر) کیا خوب! وحشیوں کی طرح جو بات سمجھ میں نہ آئی۔ اُس کو جادو کہ دیا۔ جادو کوئی چیز نہیں ہے۔ قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ایک نہایت ادنے علم کا یہ بھی ایک شعبہ ہے۔ یہ پانی ہی میرا آئینہ ہے۔ کبھی کبھی جی بہلانے کے لیئے اس کا تماشا بنالیتی ہوں۔ اس میں تصویریں کھچ جاتی ہیں۔ نقص یہ ہے کہ آئندہ کا کچھ حال نہیں معلوم ہوسکتا اور نیز وہ چیزیں بھی نہیں معلوم ہوسکتیں جن کو اس ملک سے کچھ لگاؤ نہ ہو۔ یہاں بیٹھ کر تو اپنے دل میں کسی کا تصور کر اور اس کی تصویر پانی میں دیکھ لے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ مصر والے تو آج سے صدیوں پیشتر اس سے واقف تھے۔ مگر وہاں یہ جادو ہی کہلاتا تھا۔ ایک روز اتفاق سے بیٹھے بیٹھے مجھے اُس نہر کا خیال آگیا۔ جسے ۔۔۔ بیس صدیاں پیشتر میں عبور کرکے آئی تھی۔ میں نے اس پانی میں دیکھا تو تمہاری کشتی نظر آئی۔ تم تین آدمیوں کی تو میں نے صورت دیکھ لی۔ مگر چوتھا چونکہ کپڑا اوڑھے لیٹا تھا۔ اُس کی صورت نہ دیکھ سکی۔ آدمی کی صورت دیکھنے کو جی ترس گیا تھا۔ میں نے فوراً تم لوگوں کو یہاں حاضر کرنے کا حکم دیا۔ خیر۔ اب جاکر آرام کرو مگر ہاں یہ کون شخص ہے جس کا نام ان جانوروں نے اسد رکھا ہے۔ میں اُسے بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔ مگر اُسے بخار ہے۔ شاید زخم کی وجہ سے ہو۔"

میں "وہ میرا متبنٰے ہے اور بہت ہی سخت علیل ہے۔ آپ اُس کا کچھ علاج نہیں کرسکتیں؟"

ملکہ "کیوں نہیں کرسکتی۔"

میں "تو پھر میں اُسے یہاں اُٹھا لاؤں؟"

ملکہ "نہیں۔ یہاں نہ لانا۔ آج اُس کے بخار کو کتنے روز ہوئے؟"

میں "آج تیسرا روز ہے۔"

ملکہ "خیر۔ کل اَور دیکھ لیں۔ شاید خود اُتر جائیگا۔ اور بہ نسبت علاج سے اُترنے کے یوں اُتر جانا اَور اچھا ہے۔ کیونکہ میری دوائیں تو ایسی ہیں کہ ایک دفعہ زندگی کی بنیادیں تک ہلادیتی ہیں۔ اگر کل رات تک بخار نہ اترا تو میں آکر اچھا کردوں گی۔ اس کا

نبرگیر کون ہے "

میں " ایک تو ہمارا ہی آدمی ہے اور دوسری اسی ملک کے رہنے والی ایک عورت ۔جس نے امین کا منہ چوم لیا تھا۔ یعنی آپ کی رعایا کے رواج کے موافق امین کے ساتھ تنہائی میں رہنے کا استحقاق حاصل کر چکی ہے "

ملکہ " میری ۔رعایا کا کچھ ذکر نہ کر۔ میں اُن سے اتنا ہی تعلق رکھتی ہوں ۔جتنا کوئی شخص کتوں سے رکھ سکتا ہے۔اُن کے رسم و رواج سے مجھے کوئی بحث نہیں ۔ آئندہ سے مجھے اب ملکہ بھی نہ کہنا ۔میں یہ خوشامدی لفظ سُنتے سُنتے عاجز آ گئی ہوں میرا نام "عذرا" ہے ۔اور یہی مجھے بھاتا ہے ۔ہاں یہ عورت کون ہے ؟ کہیں وہی نہ ہو ۔جس کی نسبت میں آگاہ کی گئی ہوں ۔اُس کا ..... اچھا ٹھیر (پیالہ کے پاس جا کر) دیکھ تو یہی عورت ہے ؟"

دیکھا تو اُستن کی صورت اُس پانی میں موجود تھی ۔

میں " ہاں یہی ہے "

ملکہ " خیر ۔اچھا اب کچھ کہنا ہو تو کہہ ۔ورنہ جا ۔یہاں تیری دلچسپی کا تو کوئی سامان ہوگا نہیں ۔وحشیوں میں رہنا کس کو اچھا معلوم ہوا ہے ۔میں خود تنگ ہوں ۔یہ میرا کھانا دیکھ !بس ان پھلوں اور کچھ تھوڑے سے اناج پانی پر میرا گزارا ہے میں نے اپنے خاص خدمتگاروں کو تمہارے کام کاج کے لئے حکم دیدیا ہے ۔شاید تجھے معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ سب گونگے ہیں اور میری ہی کوشش سے یہ ایسے پیدا ہوتے ہیں ۔صدیوں میں نے دقتیں اُٹھائی ہیں ۔تب یہ بات حاصل ہوئی ہے ایک مرتبہ پہلے بھی کامیاب ہوئی تھی ۔مگر وہ لوگ بہت ہی بدصورت تھے مجبوراً اُن کو نیست و نابود کرنا پڑا ۔خیر کچھ کہنا ہے ؟"

(ہم بھی آئندہ ملکہ کی ہدایت کے بموجب ان کی خاطر سے اُن کو ملکہ نہ کہینگے بلکہ عذرا کہیں گے)۔

میں " ہاں صرف ایک بات ۔بشرطیکہ آپ مانیں "

عذرا ۔وہ کیا ؟"

میں "(ڈرتے ڈرتے) صرف یہ کہ میں آپ کی صورت دیکھنے کا مشتاق ہوں"
عذرا۔ میری صورت! (ایک قہقہہ لگایا) تجھے یونانیوں کا حال معلوم ہو گا کہ ایک شخص ایکشین نامی کی ایک بے انتہا خوبصورت عورت کو دیکھتے ہی جان نکل گئی تھی۔ ممکن ہے کہ اسی طرح اگر تو میری صورت دیکھے تو تیری بھی جان نکل جائے یا شاید اگر زندہ رہے تو تیری زندگی میری تمنا میں تلخ گزرے۔ کیونکہ میں سوائے ایک شخص کے اَور کسی کی نہیں بن سکتی۔ غرض اچھی طرح غور کرلے۔ سمجھ سوچ لے"
میں "خوب سمجھ سوچ لیا۔ یہاں وہ دل ہی نہیں جس پر کسی کے حسن کا اثر پڑے۔ عورت کا سایہ میرے اوپر پیچھے پڑتا ہے۔ پہلے میں اپنا دل نکال کر الگ رکھ دیتا ہوں"
عذرا "دیکھ غلطی کرتا ہے۔ میرے حسن کی تجلی تو کبھی برداشت نہ کر سکیگا"
میں "نہیں میں برداشت کرلوں گا"
عذرا "اچھا تو پھر مجھ پر الزام نہ دھرنا۔ خوب سمجھ لے کہ کسی شخص نے آج تک مجھے بے نقاب نہیں دیکھا کہ اس کی زندگی تلخ نہ ہوگئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان وحشیوں میں بھی نقاب ڈالے نکلتی ہوں۔ کہ کہیں یہ کمبخت مجھے تنگ نہ کریں اور آخر کار مجھے ان سب کو قتل کرنا پڑے۔ بول اب کیا کہتا ہے"
میں "بس وہی کہ یہ جمال ضرور دیکھنا چاہتا ہوں"
عذرا۔ اچھا احمق! لے"

عذرا نے ہاتھ پیچھے کرکے پہلے اپنے سر کا بندھن کھولا اور دم کے دم میں نقاب یا بُرقع زمین پر آرہا۔ اللہ اکبر ایک نور کا بقعہ یا تجلی طور کا لمعہ تھا کہ اس وقت میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ میں ایشیائی شاعروں کی دریوزہ گری کرکے اس قصے کو غیر معتبر نہیں بنانا چاہتا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ حسن ہے کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر۔

بُرقع کے نیچے ایک اَور حریری تنگ و چست لباس تھا جو اُس کے حسن کے نُور کو اَور اُبھار اُبھار کر دکھلا رہا تھا۔ نازک پیروں میں عربی وضع کا جوتہ تھا۔ شراک میں دل عشاق کی جگہ سونے کی گھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ کمر پر ایک مطلا مرصع پیٹی

سانپ کی صورت کی باندھے ہوئے تھی - اس کے اوپر وہ قدرتی سحر نظر آتا تھا - جو میری نظر کو خیرہ کئے دیتا تھا - اپنے ہاتھ وہ اس قطع سے سینے پر رکھے ہوئے تھی جیسے حنفی مذہب کی خواتین نماز پڑھتی ہیں - اس کے چہرے پر نظر پڑی تو بلا مبالغہ میں تھوڑی دیر کے لئے بالکل مدہوش ہو گیا - میں جو کچھ لکھتا ہوں اس میں مبالغہ کو ہرگز دخل نہیں دیتا - اس وقت سے بلکہ اس وقت تک میرا یہی خیال ہے کہ جنت کی حوریں اس سے زیادہ ہرگز حسین نہ ہونگی - فرق اس قدر ضرور ہوگا - کہ وہاں چہرے پر سادگی و لطافت ہوگی اور یہاں اس قدر زیادتی تھی کہ چہرے پر گو نہ قہر برستا تھا - میں ہزار چاہتا ہوں کہ اس کا نقشہ بیان کردوں - مگر نہیں ہوسکتا - واللہ نہیں ہوسکتا - ایسی استعارۃً چشم غزال چشم مست - لگاوٹ باز انکھڑیاں کچھ بھی کہ جاؤں - مگر وہ ادا جو ان چشم فتان و جادو زا میں تھی کسی لفظ سے مفہوم نہیں ہوسکتی - مجھے خبط تو ہے نہیں کہ میں گلاب کے پھول توڑتا پھروں یا چاند کو پکڑوں اگر بالفرض میں یہ کر بھی لوں - تاہم آپ کے سامنے وہ لطافت - وہ تازگی - وہ دلربائی جو ان گالوں میں تھی پیش نہ کرسکونگا - مجھے اس سے پہلے کبھی خیال بھی نہ ہوا تھا کہ حسن اس درجے کا بھی اس دنیا میں ہوسکتا ہے - میرے سامنے اٹھائیس برس سے کچھ زیادہ عمر کی عورت کھڑی تھی - صورت پر ایک قسم کا الھڑ پن بھی تھا - آنکھیں بھی سُرمگین تھیں - لیکن غایت تجربے کے ساتھ صورت پر خشونت برستی تھی - نور کے ساتھ گناہوں کی مار بھی چمکتی تھی - وہ میرے سامنے کھڑی گویا صورت حال سے یہ کہہ رہی تھی "لے میری نورانی شکل دیکھ اور اپنی عمر میری یاد میں گزار دے - میرے جذبات میرے روکے کبھی نہ رُک سکے - گناہ کا بوجھ سر پر ہے اور ندامت کا غازہ میرے منہ پر"

خدا جانے کس قسم کی کشش تھی کہ میرا دل اس کی طرف کھچا چلا جاتا تھا - اور آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں - یہاں تک کہ تاب نہ رہی اور میں نے آنکھیں نیچی کرلیں میری اس حرکت پر وہ میری طرف جھکی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے ایک قہقہہ لگایا - بھئی! یقین جاننا کہ اس وقت تابش حسن سے بالکل اندھا ہو گیا - آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا - اور میں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے

عذرا "کیوں ؟ میں نہ کہتی تھی ؟ اب سزا پائی - ایسا نہ ہو اب کہیں تیرا بھی ایکشین ہی جیسا حشر ہو اور تیری موت کمیں تیرے ہی جذبات کے ہاتھوں نہ لکھی ہو۔ میں خود یونان کی اچھوتی دیبی کی طرح حسن کی دیبی ہوں اور آج تک کسی کا ہاتھ میرے لباس تک بھی نہیں پہنچا ہے۔ اب بتلا نقاب ڈال لوں ؟"

مَیں "۔ ہاں ۔ میں بہت کچھ دیکھ چکا ۔ نہ میری آنکھیں میرے کہنے میں ہیں ۔ نہ دماغ میرے قابو میں "

عذرا " نادان ! پہلے ہی نہ سمجھا ۔ کتنا کہا نہ مانا ۔ میرے حُسن میں صاعقہ کی خاصیت ہے جہاں گری جلائے بغیر نہیں اُٹھتی ! دیکھ تیرا دل بھی وہ الگ رکھا ہوا جل رہا ہے ! الگ رکھ کر بچانہ لیا ۔ حُسن بھی ایسی چیز ہے جو کسی پر اثر نہ کرے ؟ اور پھر میرا حسن !"

دفعتہً وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی اور سیدھی کھڑی ہو گئی - اس کی حرکت سے سخت غصّے کے آثار معلوم ہوتے تھے اور میرے قلب پر وہی کیفیت طاری تھی جو کئی دفعہ پہلے ہو چکی ہے ۔ میں نے اپنی انگلیوں کو ذرا ہٹا کر دیکھا تو اگرچہ میری آنکھوں نے چکا چوند کی وجہ سے پورا کام نہ دیا لیکن عذرا کی حالت کچھ متغیر پائی ۔

عذرا (غصّے سے)" اجنبی ! سچ بتلا یہ انگوٹھی تو نے کہاں سے پائی ؟ جلدی بول ورنہ ابھی تیرا خاتمہ ہوتا ہے "۔

یہ کہہ کر وہ ایک ذرا میری طرف بڑھی اور مجھے یہ معلوم ہوا کہ گویا میری جان کھنچی جاتی ہے ۔ میں بالکل بیہوش خدا جانے کیا بکتا ہوا وہیں گر گیا ۔ لیکن یہ بیہوشی زیادہ دیر تک نہیں رہی ۔ میں پھر اُٹھ بیٹھا عذرا اس عرصے میں نقاب ڈال چکی تھیں ۔ اٹھلاتی ہوئی بڑھیں اور پانی پلایا اور معذرت کے لہجہ میں کہنے لگیں " افسوس ہے کہ میں نے تجھے ڈرا دیا ۔ کیا کہوں بعض وقت میں خود بے قابو ہو جاتی ہوں ۔ عادت ہی کمبخت بد پڑ گئی ہے ۔ بڑی ہی خیر ہو گئی - ورنہ بلا وجہ ناخواستہ تیری جان گئی ہوتی خیر یہ بتلا یہ انگوٹھی کہاں سے آئی ؟"

میری آنکھوں اور دماغ پر تو پہلے ہی صدمہ تھا ۔ مگر حواس باقی تھے ۔ اس نئی ادا نے چھین لئے جواب دیتا تو کیا دیتا ؟ میں صورت دیکھ کر چپ ہو گیا ۔ پھر سوال

ہؤا تو صرف اتنا کہ سکا۔" یہ میں نے پائی تھی" ذرا خیال کیجیے کیا معقول جواب تھا!

ناظرین شاید سمجھ گئے ہونگے کہ اس وقت بنائے فساد وہی انگوٹھی ہے جس پر پُرانے مصری خط میں" ملک ابن الشمس" لکھا ہؤا تھا اور اس وقت کمرے میں میں نے پڑی پائی تھی اور احتیاطاً خود پہن لی تھی +

عذرا (کچھ بھرائی آواز سے کانپتی ہوئی)" عجب مضمون ہے۔ بالکل ایسا ہی تو وہ بھی نگینہ تھا۔ مگر وہ تو گردن میں لٹک رہا تھا۔" ایک ٹھنڈا سانس لیکر کچھ سوچ میں پڑ گئی" شاید کوئی اَور ہو۔ مگر ہے ویسا ہی۔ یہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ انگوٹھی میں جڑا ہؤا نہ تھا۔ یوں ہی گلے میں لٹک رہا تھا (میری طرف مخاطب ہوکر) اچھا ضیف نوجانو"

عذرا تو یہ کہ کر چادر اوڑھ کر لیٹ رہیں اور میں خدا جانے کس طرح اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا +

باب چہاردہم

عُرفی اگر بہ گریہ میسّر شدے وصال
صد سال مے تواں بہ تمنّا گریستن

اندازاً دس بجے ہونگے کہ میں آپے میں آیا۔ میں نے بمشکل اپنے حواس مجتمع کیے اور جو کچھ دیکھا سُنا تھا۔ اُس پر غور کرنے لگا لیکن جس قدر میں غور کرتا تھا۔ اسی قدر خلجان بڑھتا تھا۔ اب نہ معلوم میں دیوانہ تھا۔ نشے میں تھا یا محض حواس ہی مختل ہو رہے تھے کہ میں ایک فلسفیانہ خیالات کا آدمی۔ معقولات کا عالم۔ اس کا قائل ہو گیا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ میں ایک فوق العادت انسان سے جو کم سے کم دو ہزار برس کی عمر کا ہے دوبدو ہمکلام تھا + یہ امر انسانی تجربے کے تو بالکل خلاف تھا اور اس کو عقل سلیم کسی حال میں صحیح نہیں قرار دے سکتی۔ اگر اس کو ایک دھوکا ہی سمجھا جائے تو اس دھوکے کا ثبوت۔ علاوہ ازیں پانی میں تصویریں بن جانا۔ اس عجوبہ کارنامہ قدیم کی

تاریخ سے واقفیت بلکہ ایک طرح کا تعلق۔ اس کے بعد کی لاعلمی۔ اسکی کیا تاویل ہوگی؟ ان سب باتوں پر مستزاد اس کا قیامت زا حسن۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ عقل حیران ہو کر رہ جاتی ہے۔ کوئی فانی عورت ایسی فوق القیاس حسین ہو نہیں سکتی حقیقت میں میری سخت حماقت تھی کہ میں نے ضد کر کے اس کو بے نقاب دیکھا۔ لیکن مجھے یہ ہو کیا گیا؟ میں تو وہ شخص تھا کہ بجز ایک خاص موقع کے اور وہ بھی سخت ناتجربہ کاری کی حالت میں۔ میرے اوپر کبھی کسی کے حسن نے اثر ہی نہیں ڈالا۔ اس خاص صورت میں ایسا وارفتہ کیوں ہو گیا؟ اور اب تو ممکن نہیں کہ میں اس ملائک فریب عورت کا خیال دم بھر کیلئے بھی اپنے دل سے نکال ڈالوں! اور حقیقت میں دو ہزار برس کے تجربہ اور اتنے بڑے علم و عقل اور طاقت کو لئے ہوئے۔ ایک حسین عورت اگر چاہنے کے قابل نہ ہوگی تو ہوگی کون؟ لیکن یہاں تو اس کی قابلیت اور غیر قابلیت سے بحث ہی نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ ایک مکتب نشین طالب علم۔ ناتجربہ کار۔ بدشکل اور نیک چلن آدمی میں اس عورت پر عاشق ہونے کی قابلیت بھی ہے یا نہیں! ہرگز نہیں!! اس میں اپنا ہی قصور ہے۔ اس نے اپنے مقدور بھر سب سمجھایا۔ کوئی نہ مانے تو اس کی بلا سے۔ خدا غارت کرے اس وقت کو کہ مجھے یہ شوق پیدا ہوا ع لگایا جس گھڑی دل تھا اُسے ہم یاد کرتے ہیں۔

ہم میں جہاں اَور ہزاروں کمزوریاں ہیں۔ وہاں عورت کی طرف کشش اتصال بھی ایک طرح کا طبعی نقص ہے۔ میں نہیں کہ سکتا کہ عورتوں میں بھی فطرتاً ایسا میلان طبع ہوتا ہے یا نہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ مرد عورت سے اور عورت مرد سے بے تعلق رہ کر خوش اور مطمئن رہ سکے۔ افسوس ہے کہ شاید نہیں ہو سکتا۔

مجھ سے لیٹا نہ گیا۔ حالت اضطراب میں بال ہاتھ میں آ گئے۔ ایک لٹ نوچ پھینکی اور کھڑا ہو گیا۔ پھر کچھ ہوش آیا اور خیال کیا کہ کسی بات میں دل نہ بہلا تو شاید صبح تک مجھے خبط ہو جائیگا۔ تھوڑی دیر تک ٹہلتا رہا کہ یکایک اس انگوٹھی کا خیال آ گیا۔ اس میں کچھ شک تھا ہی نہیں کہ یہ انگوٹھی یا کم سے کم یہ نگینہ بہت ہی پرانا تھا۔ اس کا طغرا بھی مصری ہے۔ پھر اس پر اتنی وحشت ہوئی کیا معنی؟ پھر کیا یہ کل قصہ جس کو میں ایک عورت کے اختلال حواس کا نتیجہ سمجھے بیٹھا ہوں صحیح ہے۔ کہیں ایسا ہی

تو وہ شخص نہیں ہے جس کی عذرا منتظر ہے۔ ان ہی کے جی اٹھنے کا اعتقاد اُسے نہ ہو ناممکن محض۔ بھلا کہیں مردے بھی اپنی اسی صورت کو لے کر زندہ ہوئے ہیں۔ لیکن اگر ایک عورت کا دو ہزار برس سے زیادہ رہنا ممکن ہے۔ تو اس کے امکان میں کیا استحالہ ہے۔ ہر چیز ممکن ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ میں خود کسی زمانے میں بڑا آدمی ہوں۔ بڑے بڑے کام کئے ہوں۔ بڑا نام پایا ہو۔ اور ماشاء اللہ اسی صورت پر (میرے نزدیک یہ ناممکن ہے) مگر ہو سکتا ہے کہ مجھے اپنی پہلی زندگی کے واقعات یاد نہ رہے ہوں۔ یہ عقیدہ ہی سرے سے مجھے ایسا بیہودہ معلوم ہوا کہ میں خوب ہی دل کھول کر ہنسا۔ اور ایک سپاہی کی سنگی تصویر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کھوپڑے میاں! کچھ یاد ہے۔ ہم تم ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں۔ ایک جنگ میں دونوں کی تلوار ایک ساتھ میان سے نکلی تھی۔ بلکہ مجھے تو اب یاد آیا۔ تم میں ہوں اور میں تم ہو" مجھے اپنی حماقت پر اس قدر ہنسی آئی کہ میں نے زور سے قہقہہ لگایا اور وہیں بیٹھ گیا وہاں اَور کوئی تو تھا نہیں کہ میری ان حرکتوں پہ ہنستا۔ لیکن رو صدا سے یہ معلوم ہوا کہ میرا مخاطب یا ہمکلام مجھ پر ہنس رہا ہے۔

خدا جانے کتنی دیر بیٹھا ہنستا رہا ہونگا کہ یکایک خیال آیا کہ میں نے بڑی دیر سے امین کو نہیں دیکھا۔ گھبرا کر اُٹھا۔ چراغ اُٹھایا۔ جُوتے وہیں چھوڑے اور امین کے کمرے کی طرف گیا۔ دروازہ ہی سے جھانک کر دیکھا تو چراغ جل رہا ہے۔ امین سو رہے ہیں۔ مگر نہایت بے چین تنفس کی آواز دور تک جا رہی ہے۔ استمن ایک ہاتھ میں اُن کا ہاتھ لئے ہوئے ہے۔ ایک ہاتھ سے کپڑے کا پنکھا بناتے ہوئے جھل رہی ہے۔ اور اُونگھتی جاتی ہے۔ عجیب سماں تھا۔ امین کی اس بدی حالت کو دیکھ کر ایک نیا مضمون ہاتھ آیا۔ ایک اَور ہی سماں آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ تصویر میں میں نے اُن کا جنازہ اور اپنی بیکسی و تنہائی آنکھ سے دیکھ لی۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ ممکن ہے۔ اگر وہ زندہ رہے تو میرے رقیب نہ بن جائیں۔ اس کو بھی فرض کر کے کہ یہ وہ شخص نہ ہوں جس کی عذرا منتظر ہے۔ مگر جوان اور خوبصورت تو ہیں۔ ان کے مقابلے میں میں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی۔ نہایت بد قوارہ بھلا کیا وقعت رکھونگا۔

الحمدللہ کہ اس وقت تک میری انسانیت حیوانیت سے مُبدل نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس خیال پر لاحول پڑھی۔ اور نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ وہیں کھڑے کھڑے دعا مانگی کہ الٰہی! صدقہ اپنی خدائی کا ہم بیکسوں کے حال پر رحم فرما اور امین کو صحت عطا کر۔ الٰہی! امین چاہے میرا رقیب ہی ہو کر رہے مگر دنیا میں رہے ٭

جس طرح میں آیا تھا۔ اُسی طرح دبے پاؤں پھر واپس اپنے کمرے میں چلا گیا لیکن وہی مصیبت کہ نیند نہ آئی کبھی امین کی بیماری کا خیال ستاتا تھا۔ کبھی عذرا کا تصور دل میں چٹکیاں لیتا تھا اور کبھی وہ ننگی سپاہی گدگداتا تھا۔ مختلف خیالات کا ہجوم تھا اور متعدد تصورات کا تلاطم۔ یک سر ہزار سودا۔ میں اُٹھا اور عذرا کی خیالی تصویر بغل میں دبائے ہوئے بڑی دیر تک ٹہلتا رہا ٭

اتفاقاً سامنے نظر پڑی تو دیوار میں ایک سُرنگ دکھلائی دی۔ چراغ اُٹھا کر دیکھا تو اچھا خاصہ راستہ بنا ہوا ہے اور دو تین ہی قدم آگے بڑھ کر سیڑھیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ جی چاہا کہ اندر چل کر دیکھنا چاہیئے۔ مگر معاً خیال ہوا کہ اپنی حالت ایسی واقع ہوئی ہے کہ پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیئے۔ خدا جانے اس سُرنگ کا منتہا کہاں ہو؟ کیا اُفتاد پڑے۔ کون ملے۔ کیا ہو۔ مگر جہاں اور خبط تھا وہاں خواہ مخواہ نیچے اُتر ہی جانے کو جی چاہا۔ چراغ اٹھایا اور اتر گیا۔ چھ سیڑھیاں اتر کر زینہ ختم ہو گیا۔ ایک گلی جیسی ملی۔ دبے پاؤں اور آگے بڑھا چلا گیا۔ کوئی پچاس قدم پر گلی داہنی طرف کو مُڑی اور میرے مُڑتے ہی ہَوا کا ایک جھونکا آیا اور چراغ گل ہو گیا۔ اور میں تنہا اس نامعلوم قبر جیسی اندھیری جگہ میں کھڑا رہ گیا۔ نہ آگے کی خبر نہ پیچھے ہٹنے کا موقعہ۔ کسی کو پکاروں تو آواز کہاں پہنچے؟ آواز دوں تو کس کو؟ پھر راستے کی کیا خبر؟ کون جانتا ہے کہ آگے کنواں ہی ہو مگر خیر جی کڑا کر کے ٹٹولتا ہوا آگے ہی کو بڑھا۔ سوچتا جاتا تھا کہ کیا کروں۔ خیال ہوا کہ لاؤ یہیں رات گزار دو۔ لیکن اگر ٹھیک دوپہر کو بھی اس کھوہ میں اندھیرا ہی رہا تب کیا؟ پیچھے دیکھا تو گھُپ۔ آگے ظلمات کی تصویر۔ بمجبوری پھر آگے بڑھا۔ کہ یکایک دُور کچھ روشنی معلوم ہُوئی۔ کچھ ہمت پڑی۔ خیال ہوا کہ سراب کا نقشہ نہ ہو۔ مگر تن بتقدیر آگے بڑھا۔ اللہ اکبر! عجب کافر

ماجرائی تھی۔شکر ہے کہ جیسے جیسے میں آگے بڑھتا جاتا تھا روشنی تیز ہوتی جاتی تھی۔بیس قدم چلا ہونگا۔کہ یہ معلوم ہؤا کہ روشنی کبھی کم ہو جاتی ہے اور کبھی بھڑک اٹھتی ہے۔ پچاس قدم روشنی اور قریب ہوگئی۔ساٹھ قدم۔الامان! الامان!!

میں ایک دروازے کے سامنے ایک نیم باز پردے کے پاس کھڑا ہوں۔اس طرف کمرے کی تمام چیزیں صاف نظر آرہی ہیں۔قبر کی سی وحشت اور تنہائی ہے۔ بیچ میں آگ جل رہی ہے۔مگر اس کے شعلوں میں دھواں نہیں۔بائیں طرف معمول کے موافق چوکی پر لاش جیسی کوئی چیز رکھی ہے۔اور اس پر سفید چادر پڑی ہے۔ داہنی طرف کی چوکی پر ایک سفید کپڑا پڑا ہے۔آگ کی طرف جھکی ہوئی لاش کی طرف مُنہ کئے ہوئے ایک عورت سیاہ کفنی پہنے ہوئے بیٹھی ہے۔اس عورت کو میں پہچان نہ سکا۔کیونکہ وہ کروٹ سے بیٹھی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ کیا کروں؟ کہ وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھی اور وہ کفنی اتار کر رکھ دی۔دیکھا تو عذرا تھی۔بس جان ہی تو نکل گئی۔

اس وقت اُس کے بدن پر وہی تنگ وچست کپڑے ہیں۔بالوں کے سانپ پشت پر لہرا رہے ہیں۔لیکن اس کے چہرے پر اس وقت وہ دلکشی نہیں ہے۔جو اس وقت تھی۔بلکہ کچھ مایوسی۔کچھ ندامت۔کچھ خونخواری برس رہی ہے۔حسن وہی تھا۔مگر غموں کے بوجھ کے نیچے دبا ہؤا۔خاص قسم کے جذبات کا غازہ ملا ہؤا۔آنکھیں بے چین۔مگر آنسو میں ڈوبی ہوئیں۔

تھوڑی دیر تک تو وہ انگلیوں میں انگلیاں پھنسائے ہوئے دونوں ہاتھ سر پر رکھے کھڑی رہی۔مجھے خیال ہؤا کہ اگر اس کو کہیں میرے یہاں کھڑے ہونے کا شبہ بھی ہوگیا۔تو میرا کیا حال ہوگا۔فرض کرو مجھے چھینک ہی آگئی یا اُس نے میرے سانس کی آواز ہی سُن لی۔یا اپنے علم کے زور سے میرا یہاں کھڑا ہونا معلوم کر لیا تو میرا کیا انجام ہوگا۔بس بقول یاقوت کے یہیں بھسم ہو کر رہ جاؤنگا۔باوجود اس کے خدا جانے کس بلا کی کشش تھی یا کہاں کی جُرأت مجھ میں آگئی تھی کہ میں ہلا تک نہیں یا ہلا ہی نہ گیا۔

عذرا نے اپنے ہاتھ نیچے کر لئے اور تھوڑی دیر میں پھر سر سے اُونچے اُٹھائے

اگر آپ مسلمان ہیں تو یقین کیجئے گا کہ میں دیکھ رہا تھا۔ عذرا کے ہاتھوں کی حرکت کے ساتھ شعلے اوپر اُٹھتے تھے اور پھر نیچے بیٹھ جاتے تھے۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا غصہ وقتاً فوقتاً بڑھتا جاتا تھا۔

اب تک وہ چُپ تھی۔ اب اُس نے فصیح عربی میں کچھ کہنا بھی شروع کیا۔ عجیب فقرے تھے سننے کے قابل ہیں۔

"میری لعنت تجھ پر ابد تک پڑتی رہے۔"

یہ کہہ کر ہاتھ اونچے کئے اور شعلہ سر سے اونچا پہنچا اور ہاتھ کے ساتھ ہی نیچا ہو گیا۔

"اس مصریہ کی یاد پر لعنت۔"

پھر شعلے نے ہاتھ کا ساتھ دیا۔

"اس نیل کی بیٹی اور اُس کے حُسن پر لعنت۔"

"اس کی صورت پر لعنت جس نے میرے پیارے کو مجھ سے نہ ملنے دیا۔"

اب کے اس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور ٹھنڈا سانس لیکر کہنے لگی:۔

"اب لعنت کرنے سے کیا حاصل؟ وہ اپنا کام کر گئی اور اس کو میرا نہ ہونے دیا۔"

لیکن پھر اُس نے پھر وہی فعل شروع کیا اور شعلوں نے اُس کے ہاتھوں کا ساتھ دیا۔

"وہ جہاں ہو اُس پر میری لعنت پڑے۔ میری بددُعائیں اس کو اب بھی چین نہ دیں۔"

"اس کے نقش قدم پر لعنت۔ اس کے سائے پر لعنت۔"

"وہ جہاں ہو جس حال میں ہو میری لعنت اُس تک پہنچے۔"

"اندھیری کوٹھڑی میں بھی میری لعنت اُس کو نظر آئے۔"

"اگر وہ کسی پتھر میں بھی چھپی ہو تو میری بددعائیں اُس کو ستائیں۔"

پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور ٹھنڈا سانس لیتی ہوئی کہنے لگی۔

"اِن لعنتوں سے کچھ حاصل نہیں۔ بالکل فضول۔ بھلا کہیں سونوں نے بھی آواز سُنی ہے۔ اُن تک تو میں بھی نہیں پہنچ سکتی۔"

مگر پھر صبر نہ ہوا۔ پھر کہنا شروع کیا۔ بلکہ زیادہ تیزی کے ساتھ۔

"جب وہ پھر پیدا ہو تو میری لعنت اُس پر پڑے۔"

"وہ لعنتی ہی پیدا ہوا اور لعنتی ہی مرے"

"لعنت ہو اس کے پیدا ہونے پر۔ لعنت ہو اس کے مرنے پر"

"میری لعنت اُس پر اُس وقت تک پڑتی رہے کہ میں اس سے اپنا انتقام لے لوں"

غرض اِسی طرح کسی نامعلوم مصریہ عورت ۔ دریائے نیل کی بیٹی پر لعنتوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی ۔ ہر فقرہ شروع کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ سر سے اونچے بلند کرتی تھی اور آگ کے شعلے اس کے ہاتھ کے برابر پہنچتے تھے ۔ فقرہ ختم کرکے ہاتھ نیچے کرتی اور آگ اپنی اصلی حالت پر آجاتی تھی +

کہاں تک یہ وظیفہ جاری رہتا ؟ آخر تھک کر بیٹھ گئی ۔ بالوں سے چہرہ چھپا لیا اور رونے لگی ۔ ہائے کس درد سے روئی ہے ؟ مَیں نے تو سمجھا کہ کمبخت کا دل آج ہی پانی ہو کر بہ جائیگا ۔ بارے بڑی دیر میں جا کر کچھ تسلی ہوئی کہ ٹھنڈا سانس لے کر کہنا شروع کیا:-

"ہائے دو ہزار برس ۔ ہاں دو ہزار برس انتظار کے مصیبت بھرتے ہوئے گزر گئے اور ہنوز روزِ اوّل است ۔ قرنوں پر قرن اور صدیوں پر صدیاں گزر گئیں ۔ جو تصویر قلب پر کھنچ گئی تھی ۔ آج تک اُس کی شوخی میں کچھ کمی نہیں آئی ۔ ہائے امید بھی کمبخت کب تک ساتھ دیگی ۔ میری طرح بے حیا تو ہے نہیں ۔ پھر بھی اسی کا سہارا ہے ہائے ! دو ہزار برس سے میرے جذبات اور میرے گناہ کلیجہ چاٹ رہے ہیں ۔ اور چاٹ نہیں چکتے ۔ سچ ہے تغافل اور فراموشی بھی ایک جوہر ہے ۔ مجھ کمبخت سے وہ چھن گیا +

"میری جان ! میری جان ! ہائے اس اجنبی کی باتوں سے اور خاص کر وہ نگینہ دیکھ کر تیرا خیال تازہ ہو گیا ۔ ورنہ پانچ سو برس سے کچھ کمی آ گئی تھی ۔ مانا کہ مَیں نے تیرا گناہ کیا ہے ۔ مگر کیا یہ دھبّہ دو ہزار برس کے آنسو بھی نہ دھو سکیں گے ؟ ہائے کیا کروں ؟ کہاں جاؤں ؟ او جفا کار آجا ۔ کاش تجھے میری مصیبت کی خبر ہوتی ! کاش تو میرے دل کو دیکھ لیتا ! پھر میں دیکھتی کہ تجھے مجھ پر رحم نہ آتا ایسا نہ ہو تجھے وہ ۔ وہ لعنتی مصریہ عورت کہیں ورغلا لے اور میں یہاں جلتی

آگ میں پڑی رہوں - ہائے مجھے موت بھی تو نہیں آتی - کاش جس چھری سے میں نے تجھے مارا تھا - وہی چھری میں اپنے مار لیتی "

یہ کہہ کر وہ زمین پر لوٹ گئی اور تڑپ تڑپ کر رونے لگی - پھر کچھ تسکین ہوئی کھڑی ہو کر وہی کالی کفنی پہنی اور لاش کے پاس کھڑی ہو کر کہنے لگی :-

" قرطیس "!

قریب تھا کہ یہ نام سن کر میں ایک چیخ ماروں - خدا ہی نے سنبھال لیا ۔

" قرطیس ! خدا کے واسطے اپنی صورت دکھلا دے - ہائے وہ ہزار برس تھوڑے نہیں ہوتے - لاہی پیارا چہرہ دیکھ لوں "

کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اُس نے لاش پر سے چادر اُٹھائی اور چیخیں مارتی ہوئی آگے جھکی اور مردہ کے گال چوم لئے اور لاش سے مخاطب ہو کر کہنے لگی :-

" لائیں تجھے اُٹھا بٹھاؤں - ہاں یہ تن نازک تھک گیا ہوگا (زور سے روتی ہے) ہائے یہ ہڈیاں تھک گئی ہونگی - لے میں تجھے بٹھلاتی ہوں "

یہ کہہ کر وہ چادر کا ایک پلہ پکڑ کر کھڑی ہوگئی - اب خدا جانے میری آنکھیں دھوکا دے رہی تھیں یا مجھے تصور ایسا بندھ گیا تھا یا واقعی میں نے دیکھا کہ لاش کو ایسی حرکت ہوئی کہ گویا بیٹھا ہی چاہتی ہے - یکایک اُس نے چادر پھر اڑھا دی اور وہ حرکت نہ بوئی بھی ختم ہوگئی ۔

عذرا " ان باتوں سے کیا فائدہ ہوگا ؟ روح کہاں سے لاؤ نگی ؟ اگر تو کھڑا بھی ہو گیا تو اپنی بیتی کس کو سناؤ نگی ؟ کس کو گلے لگاؤ نگی ؟ "

اس مرتبہ عذرا نے لاش کے پیر پکڑ لئے اور پھر بلک بلک کر رونا شروع کیا - ہائے کیا بتلاؤں - کیسا دردناک موقع تھا کہ دیکھا نہ گیا اور جس طرح ہو سکا - اُسی دم پھرا - اندھیرا تھا ہی - خدا جانے کتنی دیر ٹکریں کھاتا رہا ہونگا کہ پھر مجھے خبر نہیں رہی کہ مجھ پر کیا بیتی ؟ جب میں آپے میں آیا ہوں تو وہیں سُرنگ میں خود کو بیٹھا پایا ہے - سورج نکل آیا تھا اور اس سُرنگ میں بھی روشنی ہوگئی تھی - اُٹھا اور چُپ چاپ اپنے کمرے میں آکر لیٹ گیا ۔

باب پانزدہم

خنجر کشیدہ عربدہ با اہل حال کرد
آں ترک مست بیں کہ چہ با خود خیال کرد

میں خدا جانے کتنی دیر سویا ہونگا۔ آنکھ کھلی تو میرے کمرے میں خوب روشنی ہو رہی تھی اور ایوب میرے کپڑوں کو جھاڑ کر تہ کر رہا تھا۔ پھر پانی کو دیکھ کر کہنے لگا۔ کہ "یہاں بھلا گرم پانی کہاں نصیب ہو؟ خدا نے کہاں پھنسا دیا"

مَیں:- "ایوب! کیا ہے؟"

ایوّب:- "جی کچھ نہیں! مَیں نے جانا تھا آپ سو رہے ہیں۔ آپ کی صُورت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آپ کی نیند پوری نہیں ہوئی"۔

مَیں:- "این کیسے ہیں؟"

ایوّب (ایک ٹھنڈا سانس لیکر) بس ویسے ہی ہیں۔ اگر خدا نے فضل نہ کیا تو شام تک دیکھئے کیا ہو جائے؟ اُستن بیچاری رات بھر بیٹھی رہی ہے۔ دِن بھر این کے گرد رہتی ہے۔ مَیں اگر اُن کو ہاتھ بھی لگا دیتا ہوں تو میرے سر ہو جاتی ہے۔ اپنی زبان میں کمبخت سینکڑوں گالیاں کوسنے دے جاتی ہے۔

مَیں:- "اچھا پھر"؟

ایوّب:- "بس پھر کیا۔ ڈر کے چُپ ہو رہتا ہوں۔ کئی دفعہ پوچھا بھی کہ نیک بخت تجھے ان سے علاقہ؟ تو ہوتی کون ہے؟ مَیں نے اِن کو پالا ہے۔ ایسی بیماری میں کیسے چھوڑ دوں؟ مگر کون سُنتا ہے۔ مارنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ رات تو ایک چھُری نکال کر پیچھے پڑ گئی۔ مَیں نے اپنا تپنچہ لے لیا۔ عورت پر ہاتھ اُٹھانے کو جی نہ چاہا۔ ورنہ رات ہی کو اس کا فیصلہ کر دیتا۔ ایسی بے شرم ہے کہ پھر بھی نہ ڈری۔ اور کئی دفعہ حملہ کیا۔ آخر مَیں بھاگ اُٹھا تو وہ قہقہہ لگا کر بیٹھ گئی۔ کمبخت کی آنکھوں کا پانی

بالکل ڈھل گیا ہے۔ مجھ سے یہ باتیں نہیں دیکھی جاتیں۔ یہاں کی اَور باتیں ہی کون اطمینان بخش ہیں کہ یہ بھوتنی اَور پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ اب جو کچھ قسمت میں لکھا ہو۔ میں پھر جا کر ابین کو دیکھتا ہوں۔ دیکھئے دیکھنے بھی دیتی ہے کہ نہیں ؟

ایوب کی گفتگو اگرچہ نہایت ہی مضحکہ خیز تھی۔ مگر یہاں دل ہی باقی نہ تھا۔ ابین کی حالت سے اُن کو سخت پریشانی ہوئی۔ جس پہلو پر غور کرتا تھا۔ قدم قدم پر جانستان مشکلیں نظر آتی تھیں۔ اس جگہ سے نکل بھاگنا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ اگر یہ بھی فرض کیا جائے کہ ابین اچھے ہو جائیں اور عذرا بھی ہمیں جانے دے (موجودہ صورت میں یہ بھی ناممکن معلوم ہوتا تھا) کسی موقعہ پر غصہ میں "بھسم" بھی نہ کر دے۔ اَور وحشیوں کے "لال توے" سے ہم بچ جائیں تو دلدل سے پار ہونے کی کیا سبیل ہوگی + دفعتہً عذرا کا خیال آیا اور یہ خیالات غائب ہو گئے۔ اس کی صورت کے سامنے بھاگنے کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں اور جی چاہا کہ جو کچھ ہو۔ یہیں پڑا مروں۔ محققین حقائق موجودات عذرا جیسی کو ڈھونڈیں اَور نہ پائیں۔ مجھے بے منت ایک موقعہ ہاتھ آیا ہے۔ جس طرح سے بھی ہو اصلیت دریافت کرنی چاہئے۔ رات کی حالت دیکھ کر بھی تو ساحرہ کی صوُرت سے مجھے نفرت نہیں ہوئی۔ نہ چنداں ڈر پیدا ہوُا اور افسوس ہے کہ وہ حالتِ قلب بدستور اس وقت تک باقی ہے ؛

مَیں کپڑے پہن ہی رہا تھا کہ کھانے کا پیغام آیا۔ کھانا کھا کر ابین کو دیکھنے گیا سرسام کی سی کیفیت پائی۔ مجھے نہیں پہچانتے تھے۔ اُستن سے پوُچھا کہ رات کیسی گزری۔ اُس سے کوئی جواب نہ دیا گیا۔ رونے لگی۔ اُس کو روتا ہوُا دیکھ کر مجھ سے بھی نہ رہا گیا۔ ایوب پہلے ہی کونے میں بیٹھا رو رہا تھا۔ بظاہر اُستن کو امید زیست باقی نہ تھی۔ مجھے اسی وقت خیال ہوُا کہ لاؤ عذرا کو لاؤں۔ شاید وہی کچھ دوا بتلائیں وعدہ بھی کر چکی ہیں۔ مَیں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ یاقوت آ گیا ؛

یاقوت (ابین کو دیکھ کر) "آج رات کو ضرور مر جائے گا"

مجھے یاقوت کی اس بدشگونی سے بڑا ہی غصہ آیا۔ مگر صورت دیکھ کر چُپ رہ گیا ؛

یاقوت "نسناس! تجھے ملکہ "مطاع الکل" نے طلب کیا ہے۔ جلدی چل۔ دیکھ ذرا

احتیاط سے کام لیا کر۔ کل مجھے کئی دفعہ خیال ہُوا کہ تو ابھی مارا جائیگا۔ ملکہ عدالت میں بیٹھی ہے۔ تیرے مجرم پیش ہیں جلدی چل"۔

یاقوت مجھے لیکر ایک بڑے کمرے کی طرف چلا۔ بنو الحجر غول کے غول آ رہے تھے۔ مَیں سرسری نظر سے دیواروں کی تصویروں کو دیکھتا جاتا تھا۔ ہر دس پندرہ قدم کے فاصلے پر دو طرفہ دروازے تھے۔ یاقوت نے بتلایا کہ ان میں سے ہر ایک میں ایک دیسی معمولی قبر ہے۔ اَور شاید ہر ایک میں مُردہ پڑا ہے۔ ان سب کو بھی ہمارے پہلوں نے کھودا ہے۔ مَیں اپنے دل میں بہت ہی خوش ہُوا کہ آثار قدیمہ دیکھنے کا اچھا موقعہ ملا۔

اس کمرے کے صدر میں پتھر کا کھدا ہُوا ایک بڑا اونچا چبوترہ تھا۔ مَیں نے قیاس لگایا کہ غالباً اسی پر لاش رکھ کر کوئی رسم ادا کی جاتی ہوگی۔ اس چبوترے کی سیڑھیوں سے ملے ہوئے دو دروازے تھے۔ یاقوت کی زبانی معلوم ہُوا کہ یہ بھی مقبرے ہی تھے اور یہ پہاڑ بھر مُردوں سے بھرا پڑا ہے۔

چبوترے کے سامنے بہت سے مرد عورت کھڑے ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے اور اوپر ایک دقیانوسی آبنوس کی چوکی یا کرسی پڑی ہوئی تھی اور اس پر کسی گھاس کا بنا ہُوا کپڑا پڑا ہُوا تھا۔

یکایک حیّہ حیّہ کی آواز بلند ہوئی اور تمام لوگ زمین پر اوندھے مُنہ لیٹ گئے اس کے بائیں طرف کے ایک کمرے سے گونگوں کی فوج آنی شروع ہوئی۔ اَور اندازاً کوئی پچاس آدمی چبوترے کے اِدھر اُدھر قطار لگا کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے بعد کوئی بیس مرد اور بیس ہی نہایت خوبصورت عورتیں ہاتھ میں چراغ لئے ہوئے پہنچیں ان سب کے بیچ میں عذرا۔ کا لبدرفے النجوم" اپنا برقعہ اوڑھے ہوئے آئیں اور کرسی پر بیٹھ گئیں۔ میں نے اپنے ملک کے قاعدے کے بموجب جھک کر سلام کیا اور با خلاق جواب پایا۔

شاید اس خیال سے کہ بنو الحجر نہ سمجھ سکیں۔ مجھ سے یونانی میں ہمکلام ہوئیں۔ یونانی بھی وہ نہیں۔ جو آج کل مستعمل ہے۔ بلکہ نہایت قدیم۔ غنیمت تھا کہ میں وہ بھی کچھ سمجھ سکتا تھا۔

عذرا:۔ حنیف ایہاں پا انداز پر آبیٹھ اور اپنی آنکھ سے ان لوگوں کا انجام دیکھ لے

جو تیرے قاتل بننے والے تھے۔ یہ زبان اگر میں اچھی طرح نہ بول سکوں تو ہلسنا نہیں صدیوں بعد آج اس کے الفاظ زبان پر اچھی طرح نہیں چڑھتے"۔

مَیں نے جھک کر ایرانی قطع کی کورنش کی اور بالکل عذرا کے پیروں میں جا بیٹھا۔

عذرا (کسی قدر مسکراتے ہوئے) "حنیف! رات کیسی گزری نیند بھی آئی ہے؟"

مَیں اس سوال پر بہت ہی ڈرا کہ کہیں میرے رات کو وہاں ہونے کی اس ظالم کو خبر نہ ہوگئی ہو۔

مَیں (سر نیچا کر کے) "بالکل نہیں سو سکا۔ نیند آنے کی آپ نے کوئی صورت چھوڑی ہی نہ تھی!"

عذرا (ذرا ہنس کر) اچھا! تو رات کو نیند نہیں آئی۔ مجھے بھی بہت بدخوابی رہی رات بھر پریشان خواب دیکھتی رہی ہُوں اور ان سب کا موجد تو ہی تھا"۔

مَیں "ایسے کیا پریشان خواب آپ نے دیکھے ہونگے؟"

عذرا "متضاد خواب تھے۔ ایک تو اسے دیکھتی رہی جس پر اپنی جان فدا کرنے کو تیار رہوں اور ایک اسے جس کی جان لینے کی فکر میں ہوں"۔ (رہنوالجحر سے عربی میں) "ان آدمیوں کو ہمارے سامنے پیش کرو"۔ باڈی گارڈ کا سردار ان لوگوں کو لینے گیا اور یہاں بالکل خاموشی ہوگئی۔ عذرا اپنا سر اپنے ہاتھ پر رکھ کر ایک غوطے میں چلی گئی۔ جو لوگ اس وقت اس کے سامنے پڑے تھے۔ ان میں سے اکثر کبھی سر اٹھا اٹھا کر کنکھیوں سے اپنی ملکہ کو دیکھ لیتے تھے اور پھر لیٹ جاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ملکہ ان کے سامنے بہت ہی کم ہوتی تھی۔ کیونکہ ان لوگوں کا شوق۔ بلا اس خیال کے کہ ہمیں تکلیف پہنچیگی۔ بار بار ملکہ کے دیکھنے پر مجبور کرتا تھا۔ ملکہ نہیں بلکہ اس کا لباس۔ کیونکہ اس وقت تک اس ملک کے کسی متنفس نے اس کی صورت نہیں دیکھی تھی۔

تھوڑی دیر میں ہمارے مہمان نواز قاتل کہ تعداد میں اندازاً بیس ہونگے۔ ہر ایک کے چہرے پر خوف کے آثار تھے اور کانپتے جاتے تھے چبوترے کے سامنے لا کر کھڑے کر دئے گئے۔ سب نے رسم کے بموجب اوندھا پڑ جانے کا قصد کیا مگر ملکہ نے روک دیا۔

ملکہ:"نہیں براہِ مہربانی کھڑے رہو۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے۔ کہ ایسے گر وگے کہ پھر کبھی اُٹھنا نصیب نہ ہوگا"

میں نے دیکھا کہ یہ سُن کران تمام خونخواروں کا رنگ فق ہوگیا اور حالت متغیر ہوگئی۔ دو تین منٹ تک عذرا نے ان سب کو یکے بعد دیگرے بغور دیکھا اور مجھ سے عربی میں مخاطب ہوئی ؛

ملکہ:"اجنبی تو ان کو پہچانتا ہے؟"

میں:"حضور ہاں! سب کو پہچانتا ہوں!"

ملکہ:"اچھا ان سب کے سامنے تمام قصّہ بیان کر" ؛

میں نے نہایت مختصر الفاظ میں ان خونخواروں کی دعوت اور حافظ جعفر کی فہمائش کا قصّہ بیان کیا۔ مجرمین اور حاضرین بہت غور سے سنتے رہے۔ جب میں ختم کر چکا تو ملکہ نے یاقوت سے میرے بیان کی تصدیق کرائی ؛

ملکہ (نہایت غصّے کے لہجہ میں) "تم لوگوں نے سُنا؟ کیا وجہ ہے کہ تم سے انتقام نہ لیا جائے؟ تم نے میرے مہمانوں میں سے ایک کی جان لی۔ اور یہ جان کر کہ وہ میرا مہمان ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تم نے مجھ سے بغاوت کی۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ تم کو سزا نہ دی جائے" ؛

بڑی دیر تک کوئی جواب نہ ملا۔ آخر ایک نوجوان خوبصورت آدمی نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ اس معاملے میں ہمارا قصور بہت کم ہے۔ ہمارے رواج کے موافق ہماری ایک عورت نے ان کے ایک ساتھی کا مُنہ چومنا چاہا۔ اس میں بظاہر ان کے ساتھی کا کوئی نقصان نہ تھا۔ مگر اس نے اس عورت کی سخت توہین کی۔ اس کو بُرا کہا اور بھاگ گیا۔ ظاہر ہے کہ ایک عورت کی توہین ٹھنڈے جی سے کون دیکھ لیتا؛ چاہئے تو یہ تھا کہ ہم سب اسی وقت ان سب کو قتل کر ڈالتے۔ مگر محض اس خیال سے کہ یہ حضور کے مہمان ہیں خاموش ہو رہے۔ لیکن اس عورت سے صبر نہ ہو سکا۔ اس نے یُوں انتقام لینا چاہا۔ ہمیں افسوس ہے کہ پہلے ایک بے قصور شخص سے شروع کیا گیا۔ لیکن جو توہین ہوئی تھی۔ اُس کے مقابلے میں ایک جان

لے لینی کچھ کافی نہ تھی۔ اس پر اس بے ادب شخص نے جو اس وقت نہایت دلیری کے ساتھ ایسی عظیم الشان بادشاہ کے دربار میں بیٹھا ہے۔ عجز اس کے پاس بھی نہیں پھٹکا۔ اس عورت کو اپنا جادُو چلا کر مار ڈالا اور ساتھ ہی اپنے ساتھی کو۔ اس صُورت میں اپنے ساتھی کے مارنے کا یہ خود قصوروار ہے نہ ہم۔ حضور کی ہم جنس ہماری نظروں میں نہایت با وقعت بلکہ مقدس ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک ماری جائے اور کتنی بے غیرتی کی بات ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر خاموش ہو رہیں۔ ہم نے جو کچھ کیا۔ کچھ بیجا نہیں کیا۔ لیکن اس پر بھی ہمیں افسوس ہے اور خود کو گنہگار سمجھتے ہیں اور حضور کے رحم کے طلبگار ہیں۔ ایک خون کے عوض میں حضور کی رعایا کی اتنی جانیں جانا کچھ تھوڑی بات نہیں اور نہایت رحم کا مقام ہے۔ ایسے عظیم الشان بادشاہ کا رحم ایسے ہی موقعوں پر جوش میں آتا ہے ۔

ایک وحشی سے ایسی برجستہ تقریر سُن کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ آخر بنی آدم تھے دل و دماغ رکھتے تھے۔ صرف غیر تربیت یافتہ تھے۔ اگر یہ کمی پوری ہو جائے تو کیا عجب ہے کہ یہ ملک بھی یورپ و امریکہ کا ہم پہلو ہو جائے ۔

ملکہ (درشتی کے ساتھ) "یہ سب کچھ درُست مگر" لال توا "کس غرض سے تھا؟ میرے مہمانوں کے سروں پر رکھنے کے لئے؟ او بھیڑیو! او سانپو! او مردم خوارو! ایک تو تم نے میرے پردیسی بیکس مہمانوں پر حملہ کیا۔ ایک کو تو تم نے کھا ہی لیا اور ان سب کو بھی کھا ہی جاتے۔ دُوسرے تم نے میری حکم عدولی کی۔ کیا مَیں نے تمہارے قبیلہ کے باپ اور اپنے غلام یاقوت کے ہاتھ حکم نہ بھیج دیا تھا کہ تم میرے ان مہمانوں سے بتواضع پیش آنا اور ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے دینا۔ اس حکم کی تم نے خوب تعمیل کی۔ اور خوب تواضع کی۔ کیا نہایت بے رحمی کے ساتھ کسی کو قتل کر ڈالنے کا نام تمہارے یہاں تواضع ہے۔ اگر یہ لوگ اپنا بچاؤ خود نہ کرتے تو شاید ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہتا کیا تمہاری ماؤں اور تمہاری دادیوں نے بچپن سے ہی تمہیں یہ نہیں بتلایا کہ میرا حکم ماننا تمہارا سب سے پہلا فرض ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میری حکم عدولی کر کے تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں رہ سکتا؟ کیا تمہیں بچپن ہی میں میرے قہر

کی وسعت اور میرے غضب کی وقعت نہیں بتلائی گئی؟ تمہیں یہ معلوم ہوگا۔ کہ اگر کوئی آفتاب کو ٹھیک دوپہر میں چھپا دینا چاہے تو چھپا سکتا ہے۔ مگر کوئی میرے غضب کو روک نہیں سکتا۔ میرے احکام سے سرتابی نہیں کرسکتا۔ کوئی مجھ سے سفارش نہیں کرسکتا۔ کوئی مجرم میری ذات سے رحم کی امید نہیں رکھ سکتا۔ تم سب سیاہ دل سیاہ باطن ہو شریر ہو۔ سفاک ہو۔ احسان فراموش ہو پشتیں گزر گئیں کہ میں تمہاری محافظ ہوں۔ میری ہی وجہ سے تمہاری ناپاک ذات کا وجود ہے۔ ورنہ اب تک کبھی کے آپس میں کٹ مرے ہوتے۔ اس کا بدلہ یوں دیا کہ میرے مہمانوں کو اذیت پہنچائی اور میری حکم عدولی کی۔ بہت اچھا کیا۔ اب سزا یہ ہے کہ تم سب سخت عذاب[1] کے ساتھ مارے جاؤ گے۔ میرے جلاد اپنی پوری قوت تم پر صرف کریں گے اور کل دن نکلنے سے پہلے تمہارے ناپاک چمڑوں تک سے دنیا پاک کردی جائے گی۔"

ملکہ نے اپنی تقریر ختم کی۔ میں نے دیکھا کہ تمام آدمی اس سزا کو سُن کر کانپ گئے۔ مجرمین میں سے کئی تو اُسی وقت بیہوش ہو کر گر گئے۔ اور باقیوں کی حالت بھی بہت ہی غیر تھی۔ جتنے لوگ زمین پر اوندھے پڑے تھے۔ سب نے رو رو کر ملکہ سے رحم کی درخواست کی۔ ایک کہرام مچا ہؤا تھا۔ مگر ملکہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ مجھے بھی رحم آگیا۔ میں نے نہایت عاجزی سے سفارش کی +

ملکہ (یونانی میں) "حنیف یہ نہیں ہوسکتا۔ تو ان لوگوں سے واقف نہیں ہے۔ اگر میں اس وقت ان لوگوں پر رحم کر جاؤں تو تم سب کی زندگی دشوار ہو جائے میں

---

[1] ایک کھوہ کا نام ان وحشیوں نے بیت العذاب رکھا تھا۔ وہیں یہ سزا دی جاتی تھی۔ میں نے ایک مرتبہ اس کو بھی دیکھا تھا۔ یہ مقام بہت ہی پرانے زمانے سے اسی کام میں آتا تھا۔ اس کھوہ میں مختلف طور پر متعدد پتھر لگے ہوئے تھے۔ ہر پتھر انسانی خون پی پی کر سیاہ ہو رہا تھا۔ وسط کمرہ میں توا لال کرنے کے لئے ایک انگیٹھی بھی بنی ہوئی تھی۔ ہر پتھر کے اوپر مختلف سزاؤں کی تصویریں تھیں تصویروں کو دیکھا۔ تو واقعی ایک ایک سزا ایسی تھی کہ جس سے "بیت العذاب" موسوم کیا جانا بیجا نہ تھا۔ چہ جائیکہ ہر شخص پر حتے الوسع ہر سزا کی مشق کی جائے۔ ان تصویروں کی تفصیل مجھ سے نہ لکھی جائیگی۔ نہ آپ سے سُنی جائیگی + (حنیف)

تو ان کے دل کی باتیں جانتی ہوں ۔ یہ بدبخت اس وقت بھی تمہارے خون کے پیاسے ہیں ۔ اب ذرا میرے طریق حکمرانی کو دیکھ کہ کوئی فوج نہیں رکھتی ۔ پس یہ چند آدمی ہیں ۔ جن کو تو میری فوج سمجھ لے ۔ میرے احکام کی تعمیل کرتے ہیں ۔ میں اگر کہیں ان پر رحم کرنے لگوں تو اپنا رعب کھولوں ۔ رُعب ہی پر میری سلطنت کا قیام ہے ۔ اور ایسے موقعے روز روز تھوڑے ہی ہوتے ہیں ۔ کبھی پچاس ساٹھ برس میں ایسی سخت سزائیں دینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے ورنہ میں ہمیشہ ان سے چشم پوشی ہی کرتی ہوں کہیں مجھے قطعی بے رحم نہ سمجھ بیٹھنا ۔ ان جانوروں پر ظلم اور سختی کر کے مجھے کیا مل جائیگا سچ جان کہ جس کی جتنی زیادہ عمر ہو گی ۔ اتنا ہی وہ غنی اور حلیم ہو گا ۔ اس کے قہر و رحم کو وہیں حرکت ہو گی ۔ جہاں اس کا نفع و نقصان ہوتا ہے ۔ ان سے میرا کوئی تعلق نہیں پڑتا ۔ بعض وقت میرے دلی خیالات اور ہوتے ہیں ۔ اور اظہار بمجبوری کچھ اور ہی کرنا پڑتا ہے ؛؛

ملکہ (عربی میں اپنے آدمیوں سے) "انہیں لے جاؤ اور میرے حکم کی تعمیل کرو ؛؛

باب شانزدہم

در بزم مزن بلند دستاں
آہستہ کہ خفتہ اند مستاں

قیدیوں کے چلے جانے کے بعد عذرا نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور بقیہ باڈی گارڈ کے لوگوں نے بنو الحجر کو چلے جانے کا حکم سُنا دیا ۔ تمام لوگ اٹھے ۔ اور بھیڑ بکریوں کی طرح چل دئے ۔ اب تنہا میں اور عذرا رہ گئے یا وہ گونگے جو کسی شمار و قطار میں نہیں آسکتے ۔ مجھے پھر اچھا موقع ملا ۔ میں نے عذرا سے امین کے دیکھنے کو کہا ۔ مگر وہ کہنے لگی کہ جلدی کیا ہے ۔ آج شام سے پہلے تو وہ مرتا نہیں ۔ کیونکہ اس قسم کے بخار کے مریض آدھی رات ڈھلے مرتے ہیں یا صبح ہوتے ۔ میں نے جانا چاہا تو روک کر کہا کہ

"آ تجھے ان کھوؤں کے عجائبات کی سیر دکھلاؤں"
مَیں اپنے فکروں میں غلطاں پیچاں تھا۔ مگر انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ اگر چاہتا بھی تو "نہیں" میری زبان سے نہ نکلتی۔ لاچار کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ عذرا ایک انداز دلربایانہ کے ساتھ اٹھی۔ گونگوں کو کچھ اشارہ کیا۔ چار عورتیں چراغ لئے ہوئے تو رہ گئیں۔ باقی سب چلے گئے۔
عذرا:۔ حنیف! آج تجھے یہاں کے وہ عجائبات دکھلاؤنگی جو دنیا کے رہنے والوں نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔ سب سے پہلے اسی کھوہ کو دیکھ۔ شاید اتنا بڑا کھُدا ہوُا کمرہ تیری نظر سے کبھی نہ گزرا ہوگا۔ لیکن یہ دنیا پر موجود تھا۔ اور ایسے ہی اَور سینکڑوں ان ہی شہر کور کے کھنڈروں میں موجود ہیں۔ اس شہر کے باشندے بھی عجیب چیز ہونگے۔ مصریوں کی طرح ان کو بھی زندوں سے زیادہ مُردوں کا خیال تھا۔ تیرے نزدیک کتنے آدمیوں نے اس کھوہ کو کھودا ہوگا؟
مَیں:۔ ہزاروں آدمی ہونگے۔
عذرا:۔ ہزاروں نہیں۔ بلکہ لاکھوں۔ یہ شہر دنیا کی بہت ہی پرانی آبادی کا بقیہ ہے۔ جس زمانے میں یہاں والوں نے یہ کھوئیں کھودی ہیں۔ ان دنوں میں قدیم مصریوں کے آباؤ اجداد شاید پیدا بھی نہ ہوئے ہونگے۔ مجھے اتفاق سے ایک ایسی چیز مل گئی کہ برسوں کی محنت کے بعد مَیں نے ان کے کتبات پڑھنے کی مہارت پیدا کی ہے۔ دیکھ یہ کمرہ جس میں تو کھڑا ہے۔ ان کی سب سے آخری محنت کا نتیجہ ہے۔
عذرا نے اپنی چھوکریوں کو کچھ اشارہ کیا۔ وہ صدر کی دیوار کی طرف چراغ لے گئیں۔ دیوار پر ایک شخص کی تصویر بنی تھی جو ایک چھڑی ہاتھ میں لئے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ مَیں نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ وہی شخص ہے جس کی نزع و دفن وغیرہ کی تصویریں اس کمرے میں بنی تھیں جن کو میں مفصل بیان کر چکا ہوں۔ یہ کرسی بالکل اسی قطع کی تھی جس پر ابھی عذرا نے اجلاس کیا تھا۔ بلکہ کیا عجب ہے کہ اسی کرسی کی تصویر ہو۔ اس کے پیروں میں کچھ لکھا ہوُا تھا جس کی طرز تحریر چینی خط سے بہت ہی مشابہ تھی۔ عذرا نے کسی قدر غور کے بعد اس کتبے کو پڑھا اور

یوں ترجمہ کیا:-

"شہر کور کی آبادی کے چار ہزار دو سو انسٹھ سال کے بعد یہ کھوہ (یا مدفن) شاہ تسنو والی کور کے حکم سے کھودی گئی۔ شہر کور کے عام باشندوں نے تین پشتوں تک برابر کام کیا ہے۔ تب کہیں یہ کھوہ ختم ہوئی ہے یہ کھوہ اس غرض سے بنائی گئی ہے کہ شہر کور کے موجودہ اور آئندہ عابد کی آرامگاہ رہے۔ محنت کرنے والوں کے اوپر آسمان کی رحمتیں نازل ہوں اور شاہ تسنو کے لئے اس کے باغات سے زیادہ یہ جگہ بعد از موت آرامگاہ بن جائے۔ یہاں تک کہ یہ بادشاہ پھر جاگے اور اس کے ساتھ ہی اس کے تمام عابد و رعایا اس سے پہلے اور اس کے بعد کی جاگیں اور ایک اور آرام کی جگہ پالیں[1] شاہ تسنو کی تصویر اوپر بنی ہوئی ہے تاکہ یادگار رہے"۔

عذرا" میں نے لفظی ترجمہ کیا ہے کچھ سمجھا بھی۔ شہر کور کی آبادی کے چار ہزار برس کے بعد یہ کھوئیں بنائی گئی ہیں۔ اس شہر کے کھنڈرات ادھر میدان میں اپنے بانیوں کی تلاش میں اب تک خراب و خستہ نظر آتے ہیں اب سے دو ہزار برس پہلے جو میں نے ان کھوؤں کو دیکھا تھا تو اسی حالت میں پایا تھا۔ اب اس سے اس شہر اور ان کھوؤں کی قدامت کا اندازہ لگا لے۔ اچھا۔ اب میرے ساتھ آ میں تجھے یہ بھی دکھلا دوں کہ اتنی بڑی اولوالعزم قوم کس طرح تباہ ہو گئی"۔

عذرا مجھے ساتھ لئے ہوئے ایک دروازے سے اس کھوہ کے نیچے اتر گئی۔ یہ کمرہ بھی اگرچہ بڑا تھا۔ مگر نہ اس قدر۔ اس کے وسط میں ایک پیل پایہ دو دکش کی قطع کا بیچ میں سے خالی کیا ہوا کھڑا تھا اور اس پر اسی خط میں سرخی مائل روشنائی کی ایک تحریر تھی۔ عذرا نے چراغ منگوا کر پہلے کتبہ پڑھا اور پھر اس کا لفظی ترجمہ مجھے سنایا۔"

"میں جونیس شہر کور کے بڑے مندر کا خادم اس کھوہ (یا مدفن) میں یادداشت کے طور پر یہ لکھتا ہوں۔ شاید کوئی شخص کسی زمانے میں اس کو آ کر پڑھ لے شہر کور کو آباد ہوئے آج چار ہزار آٹھ سو تین برس سات مہینے ہوئے ہیں کہ اس کا آخری وقت آ پہنچا۔ کور تباہ ہو گیا۔ اب اس کے محلات میں دعوتیں نہ ہونگی۔ اب یہ کسی کا دارالسلطنت

[1] ان فقروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ بھی حشر و نشر۔ جزا و سزا کے معتقد تھے (مصنف)۔

نہ رہیگا۔ اب اس کے جہازوں کے بیڑے دنیا میں تجارت کے واسطے نہ جائینگے۔ کور تباہ ہو گیا اور اس کے ساتھ اس کی تمام بڑی بڑی صناعیاں ختم ہو گئیں۔ بندرگاہیں جتنی اس نے بنائیں اور نہریں جتنی اس نے کاٹیں اب گیدڑوں۔ لومڑیوں۔ بھیڑیوں اور شیروں کے کام آئینگی۔ اس کے شاہی محلات میں اب الو بسینگے۔ کور تباہ ہو گیا۔ اس میں اب وحشی لوگ رہینگے پچیس چاند ہوئے کہ کور اور اس کے ایک سو دو اَور شہروں پر ایک بادل چھایا رہا اور پھر دبائی ہوا چلی جس سے تمام آدمی مر گئے۔ بڈھا۔ جوان۔ بچہ عورت۔ مرد کوئی نہ بچا۔ یکے بعد دیگرے سب مر گئے۔ امیر۔ غریب۔ بادشاہ۔ فقیر۔ غلام۔ آقا کوئی نہ رہا۔ وبا برابر تباہ کرتی رہی۔ رات دن کسی وقت چین نہ دیا۔ جو لوگ یہاں سے ڈر کے مارے بھاگے وہ بھوکوں مر گئے۔ کور تباہ ہو گیا۔ اب اس کے مُردوں کو حنوط کر کے کون رکھیگا۔ آج کل تو اتنے آدمی مر رہے ہیں کہ کسی کو فرصت ہی نہیں ملتی لاچار اس روشندان کی راہ سے نچلے کمرے میں تمام لاشیں پھینک دی گئیں۔ مابقے آدمی اس روشن کنندہ جہاں شہر سے سمندر کی طرف گئے اور جہاز میں بیٹھ کر شمال کی طرف کہیں چلے گئے۔ میں راقم الحروف جو نبیس اس وقت اتنے بڑے شہر میں سے یکہ و تنہا باقی ہوں۔ شاید کوئی اَور بھی ہو تو مجھے خبر نہیں۔ میں سخت پریشانی میں یہ لکھ رہا ہوں تاکہ مرنے سے پہلے کچھ یادگار چھوڑ جاؤں۔ کور کا خاتمہ ہو گیا۔ مندر تو آبادی کی حالت میں خالی ہی رہتا تھا۔ خدا کو کوئی یاد نہیں کرتا تھا۔ عورتوں کی طرف لوگوں کا زیادہ رُجحان تھا۔ کور کا خاتمہ ناشکری کی وجہ سے ہوا۔ کور کے شاہی محلات خالی پڑے ہیں۔ اُس کے شہزادے۔ اُمرا سپہ سالار سوداگر سب چل بسے۔ اور وہ حسین عورتیں بھی جن کی وجہ سے شہر کور تباہ ہو گیا۔"

یہ عبرت خیز کتبہ سُن کر قلب کی بہت ہی بُری کیفیت ہوئی۔ ذرا خیال کیجئے کہ ایک شخص جو اپنے عزیز رشتے دار۔ دوست آشنا۔ ہم وطن کو مرتا دیکھ چکا ہے۔ ایک اندھیری کھوہ میں اکیلا بیٹھا ہے۔ ایک چراغ سامنے جل رہا ہے۔ ڈرتا ہے کہ لکھتے لکھتے کہیں آپ ہی نہ چل بسے۔ بہت ہی جلدی مختصر الفاظ میں یہ دردناک آپ بیتی کہانی لکھ رہا ہے۔ کور کے مرثیہ میں مختصراً یہ بھی کہ گیا ہے کہ اس کی تباہی محض الحاد۔ ناشکری

اور زنا کی وجہ سے ہوئی۔ اللہ اکبر! کیا عبرت ناک واقعہ ہے۔ بڑے سے بڑا فصیح و بلیغ واعظ مہینوں میں بھی قلب پر وہ اثر نہیں ڈال سکتا جو دم بھر میں اس کتبے سے پڑتا ہے۔

عذرا "حنیف! میرے نزدیک تو جو لوگ یہاں سے شمال کی طرف گئے ہیں۔ وہی مصریوں کے آبا و اجداد تھے۔ کیوں؟"

میں اپنے خیالات میں ایسا منہمک تھا کہ میں نے سوال اچھی طرح نہ سنا اور کچھ جواب نہ دیا۔ آخر عذرا نے شانہ ہلا کر کہا "کیوں"؟

میں "ہوں۔ واقعی دنیا بہت ہی پرانی ہے"۔

عذرا (ہنس کر) "سچ! یہ تو بالکل نئی بات بتلائی۔ مگر یہی بات یہی ہے کہ دنیا بہت ہی پرانی ہے۔ کیسی کیسی عاقل اور مرفہ الحال قومیں اس میں آئیں اور پانی کی طرح بہ گئیں۔ دنیا میں باوجودیکہ انہوں نے اپنی یادگاریں چھوڑیں۔ مگر دنیا ہی ان کو بھول گئی۔ یہ قوم بھی منجملہ ان کے ایک تھی۔ زمانہ تمام چیزوں کو ہضم کر جاتا ہے مگر یہ کھوئیں بشرطیکہ کور جیسے کھنڈر میں ہوں۔ مگر پھر بھی زمانے کی قوت ہاضمہ بہت بڑی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی قسمت سے کوئی سمندر اپنا رُخ اِدھر کرے یا کوئی زلزلہ ریزہ ریزہ کر ڈالے۔ کون جانتا ہے کہ اس زمین پر کیا کیا ہوا ہے اور کیا کیا ابھی اَور ہوگا۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ بقول سلیمان (علیہ السلام) کے سورج کے نیچے کوئی چیز نئی نہیں ہے میرے نزدیک بقول جنہیں کے یہاں کے تمام آدمی تباہ نہیں ہوئے۔ کور کے مقبوضات میں ایک سو دو اور بڑے بڑے شہر بھی تھے۔ وہاں کچھ لوگ رہ گئے تھے جنوب کے وحشی یا شاید میرے ملک کے عرب یہاں پہنچے اور یہاں کی عورتوں کو اپنے تصرف میں لائے ان کی نسل یہ بنوالجبر ہیں۔ ان میں باشندگان کور کے خون کا ملاؤ زیادہ ہے اور غریب اپنے باپ دادا کی ہڈیوں کی محافظت کر رہے ہیں لیکن مجھے تحقیق معلوم نہیں قیاس ہی قیاس ہے۔ میرا علم بھی اس قدر قدیم زمانے کے دل پر کارگر نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ بڑے ہی اولوالعزم تھے۔ ان کی تلوار نے یہاں تک کام کیا کہ اَور کوئی نظر نہ آیا اور پھر باطمینان اس پہاڑ کو اپنا قلعہ بنا کر بیٹھ رہے۔ ان

ہی میں سے اِن کے صنّاع پیدا ہوئے اور یہ کھوئیں کھودیں۔ یہاں تک کہ اُن کے معشوقوں نے اُن کا خاتمہ کر دیا۔ چل تجھے اب وہ گڑھا دکھلاؤں جس میں بقول جوئیس کے تمام لاشیں اٹھا کر ڈال دی گئیں تھیں۔ ایسی جگہ بھی تیری نظر سے نہ گزری گی۔"

اٹھارہ سیڑھیاں اتر کر نیچے ایک اَور کمرہ اوپر والے کے برابر تھا۔ اس میں ایک روشندان پہاڑ کھود کر بنایا گیا تھا۔ خدا جانے اس کا منتہا کہاں ہو گا۔ بہرحال یہاں کافی روشنی تھی۔ زینہ سے دو چار قدم آگے بڑھ کر ایک بڑا غار تھا۔ اس کے اوپر وہ دودکش تھا جو ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ یہ غار مُردوں کی ہڈیوں سے پٹا پڑا تھا۔ بلکہ ہمارے قد سے بھی اونچا دودکش کے قریب تک ایک تودہ لگا ہوا تھا اور کچھ ہڈیاں اِدھر اُدھر آگے کا راستہ روکے ہوئے تھیں۔ اس سے بڑھ کر خوفناک اور درد انگیز جگہ شاید دنیا میں دوسری نہ ہو گی۔ جہاں ایسی بڑی اولوالعزم قوم کے آخری جلے ہوئے پھول اس بے قدری کے ساتھ پھینک دئے گئے ہیں۔ اکثر لاشیں خدا جانے کس وجہ سے اب تک جوں کی توں اِدھر اُدھر پڑی ہوئی اپنی حالت سے دیکھنے والوں کو عبرت کا سبق دے رہی ہیں اور دنیا والوں کی غفلت پر بے قرارانہ پڑی لوٹ رہی ہیں۔ یہ بیان کرنے میں کوئی شرم کی بات نہیں ہے کہ یہ تماشا دیکھ کر میں نے زور سے چیخ ماری اور آنسو جاری ہو گئے۔ میری چیخ اور ردّ صدا کے صدمے سے یہاں کی ہوا میں ایک غیر معمولی تموّج پیدا ہوا اور ایک کھوپری جو خدا جانے کتنے ہزار برس سے ادھر رکھی ہوئی تھی۔ ہڈیوں کے ایک ڈھیر کو اپنے ساتھ لیئے ہوئے ہمارے قدموں میں آ رہی۔ اللہ! اللہ! آج ہزاروں برس بعد خدا جانے کیسے بڑے بڑے آدمی کس بیکسی اور بے بسی کے ساتھ ہمارے قدم چوم رہے ہیں۔ خدا جانے نہ جھکنے والی گردنیں تھیں یا ٹوکریاں ڈھونے والے سر۔ شہزادے وارث تخت وتاج تھے یا فاقہ کشانِ بدبخت۔ معشوقانِ گلعذار تھے یا عاشقانِ دلفگار۔ خود فروش بازار نشین عورتیں تھیں۔ یا زاہدانِ عزلت نشین۔ آقا تھے یا غلام۔ بڑے تھے یا چھوٹے۔ بچے تھے یا بوڑھے۔ نہ معلوم اپنی کس کس حالت کو یاد کر کے ہمارے قدموں میں آ گرے ہیں بھئی مجھ سے نہ ٹھہرا گیا۔ میں نے عذرا سے کہا کہ بس چلو۔

میں بہت کچھ دیکھ چکا۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کو وبا کی وجہ سے گور وکفن میسر نہیں ہوا۔ ہائے عبرت کا مقام ہے۔ ان کی ہڈی کی ایک ایک کرچ سوچنے والے کے لئے کتاب عبرت کی ایک ضخیم جلد کا کام دیتی ہے۔

میں "بس عذرا بس۔ میں بہت کچھ دیکھ چکا۔ یہ ان حسرت نصیب لوگوں کی ہڈیاں ہیں۔ جو وبا میں مرے تھے؟"

عذرا "ہاں۔ کور کے باشندے اپنے مُردوں میں مصالحہ بھر کر مصریوں کی طرح ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ اپنے فن میں مصریوں سے کہیں بڑھے چڑھے تھے۔ مصری تو دماغ اور پیٹ کی آلائش صاف کر کے مصالحہ بھرتے ہیں اور یہ لوگ شرائین کے ذریعے سے دوائیں پہنچاتے تھے جو باریک باریک رگوں میں دوڑ کر ہر ایک چیز کو اپنی اصلی ہیئت پر باقی رکھتی تھیں۔ آ تجھے کچھ اَور دکھلاؤں"

عذرا مجھے لیئے ہوئے ایک اَور چھوٹے سے کمرے میں پہنچیں۔ اس میں دونوں طرف دو چوکیاں تھیں اَور دونوں پر دو لاشیں ایک زرد حریری چادر اوڑھے ہوئے اپنی نیند پوری کر رہی تھیں۔ چادروں پر بہت ہی باریک گرد پڑی ہوئی تھی۔ مگر نہ اس قدر کہ چادر کے رنگ کو چھپا دے۔ کیونکہ ان کھوؤں میں نہ بالائی گرد آسکتی تھی۔ اور نہ یہاں کوئی ایسی چیز تھی جس کی گرد بن جائے چوکیوں کے نیچے۔ بہت ہی خوشنما برتن بھی حسب معمول رکھے ہوئے تھے۔

عذرا "حنیف! ان پر سے کپڑا اٹھا کر دیکھ"

میں نے چادر اُٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن ہمت نہ پڑی اور ہاتھ کھینچ لیا۔ عذرا نے ہنس کر چادر اٹھائی۔ نیچے ایک اور چادر تھی۔ اس کو ہٹا کر شاید ہزار ہا برس کے بعد زندوں کی آنکھوں نے ان مردوں کو دیکھا۔ یہ لاش ایک نہایت حسین عورت کی تھی۔ اس کی عمر اندازاً تیس بتیس برس کی ہو گی۔ اتنے ہزار برس گزر جانے کے بعد بھی اس کے حُسن کی دلکشی میں کسی طرح کا تغیر پیدا نہیں ہوا تھا۔ میں تھوڑی دیر

ے جنوالجمر کے استعمال میں جتنے کپڑے تھے۔ وہ سب ان بیکسوں کے کفن ہی تھے۔ میرے نزدیک اگر ان کو اچھی طرح دھلا کر استری کرائی جاتی تو نہایت نفیس سفید ململ نکل آتی۔ (حنیف)

کے لئے محو ہوگیا۔ وہ ذرا کروٹ سے لیٹی ہوئی تھی۔ لمبی لمبی زلفیں گورے گالوں کو چُوم رہی تھیں۔ سینے سے لگا ہوا۔ ہاتھ پر سر رکھے ہُوئے ایک چھوٹا سا بہت ہی خوبصورت بچہ دودھ پی رہا تھا۔ عجیب دردانگیز تصویر تھی۔ آنسو کسی طرح نہ تھم سکے اور عالمِ خیال نے مجھے ہرے بھرے شہر کور کے ایک محل میں پہنچا دیا۔ جہاں اس تو پہ شکن نے پرورش پائی ہوگی۔ اور اس بچے کی پیدائش کے وقت ایسی آنکھیں بند کی ہونگی کہ پھر نہ کھل سکیں اور آخر دونوں ماں بیٹے کس حسرت کے ساتھ یہاں لٹا دئے گئے ہونگے۔ وہ گھر جو ابھی ابھی عشرت کدہ تھا۔ ماتم کدہ بن گیا ہوگا۔ مبارکبادیاں تعزیت سے مبدل ہوگئی ہونگی۔ امیدوں پر خاک پڑگئی ہوگی۔ اور تمام خوشیاں سامانِ غم ہوگئی ہونگی۔ ہمارے خیالات کسی طرح اس حالت کا نقشہ ہمارے سامنے پیش نہیں کرسکتے ہاں دل میں جو صرف اِن لاشوں ہی کو دیکھ کر القا ہوتا ہے وہ وہ صُورت ہے کہ اگر اس حسن کی دیبی کی سوانح عمریاں لکھی جاتیں تو حاصل نہ ہوتی۔ مَیں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے نہایت ادب کے ساتھ پھر اُسے چادر اڑھا دی۔

اللہ اللہ! اس دنیا میں کیسے کیسے پھُول مرجھا جانے کے لئے پیدا کئے جاتے ہیں! دوسری لاش دیکھی۔ یہ ایک ادھیڑ مرد کی تھی۔ وہی چادر تانے ہوئے یہ بھی اطمینان سے پڑے سو رہے تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ شخص اس عورت کا شوہر تھا۔ برسوں کے انتظار کی مصیبت اٹھا کر آخر یہ بھی ایک مرتبہ پھر اسی کمرے میں لاکر لٹا دیا گیا۔ جہاں اس کی دلآرام میٹھی نیند سو رہی تھی۔

کہاں تک مفصل بیان کروں۔ اَور کمروں میں بھی یہی صورتیں نظر آئیں۔ اگرچہ ان کھوؤں کے کھُدنے اور کور کے تباہ ہونے میں کم وبیش پانسو برس کا ہی عرصہ گزرا تھا۔ لیکن یہ قلیل عرصہ بھی ان کھوؤں کی آبادی کے لئے کافی ہوگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس روز سے یہ لوگ یہاں لاکر رکھے گئے ہیں۔ آج تک کسی شخص نے ان کو چھیڑنا تو ایک طرف دیکھا تک نہیں۔ مَیں اگر ہر ایک لاش کی کیفیت لکھنے بیٹھوں تو نہ معلوم کتنی جلدوں میں نہایت مجمل اور ناکافی طور پر لکھ سکوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر گورِ غریباں کس چیز کا نام رکھا جاتا ہے۔ یہ کھوئیں جو سلاطین

وامرا کے لئے بنائی گئی تھیں۔ آج کوئی کہ سکتا ہے کہ ان میں مصیبت کے مارے غربا سو رہے ہیں یا نازوں کے پالے اُمرا۔ میرے نزدیک موجودہ حالت میں گورِ غریباں اور اُن امرا کے مقبروں میں اگر کسی قسم کا فرق ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ یہ لوگ بڑے بوجھوں میں گرانبار پڑے ہیں اور وہ مرنے پر بھی آنچہ گیرید مختصر گیرید کے اصول پر قائم ہیں۔ پھر اگر کہیں بقول عذرا کے سمندر نے ادھر رُخ پلٹا یا زلزلہ آیا۔ تو یہ اور وہ دونو برابر ہیں۔ مجھے ایسے موقعوں پر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا وہ قول بہت ہی یاد آیا کرتا ہے کہ "تا پدر نوز یر سنگہائے گران بجنبد پدر من بہ بہشت رسیدہ باشد"۔

تمام لاشیں بالکل ایسی رکھی تھیں کہ گویا اب کوئی رکھ کر گیا ہے۔ ایسے پیر پھیلائے اطمینان سے سو رہے ہیں کہ بس اب آوازِ صُور ہی جگائے تو جاگیں گے۔ گرمی۔ سردی۔ نمی ان پر کچھ اثر نہیں کرتی۔ انسانی عقل نے اپنی طرف سے تو ان کو ایک نئی زندگی بخش دی ہے۔ مگر دیکھئے کب تک کے لئے۔ بعض بعض میں البتہ کچھ فرق آگیا تھا۔ لیکن گوشت و پوست ان کی بھی اصلی صُورت پر باقی تھا۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ ہاتھ لگانے سے مٹی کی طرح جھڑ جاتا تھا۔ عذرا کی رائے تھی کہ یا تو ان پر کسی وجہ سے دوا[1] نے اپنا پُورا طرح اثر نہیں کیا یا پہنچنے میں دیر ہوئی کہ رگوں کے مُنہ سُوکھ جانے کی وجہ سے اچھی طرح سرایت نہ کر سکی۔

سب سے آخر میں نے جس لاش کو دیکھا ہے۔ اس کا ذکر کئے بغیر مجھ سے نہ رہا جائیگا۔ حسن و عشق کے سینکڑوں قصّے لکھے گئے اور لکھے جائینگے۔ لیکن یہ زندہ تصویر نہ کسی نے دیکھی نہ سُنی۔ اس کو دیکھئے اور اپنی اپنی رائے قائم کیجئے۔ ایک کمرے میں

[1] عذرا نے مجھے یہ بوٹی دکھلائی بھی تھی۔ اس کے درخت اس جنگل میں بیشمار خود رو کھڑے ہیں۔ بڑے سے بڑا جھاڑ بیری کے برابر ہوتا ہے۔ پتّے لمبوترے کسی قدر سخت ہوتے ہیں۔ رنگ ان کا بہت شوخ سبز ہوتا ہے۔ خزاں میں بالکل سُرخ ہو جاتا ہے۔ سبز پتوں میں بھینی بھینی خوشبُو ہوتی ہے لیکن ابالنے سے ایسی تیز خوشبو نکلتی ہے کہ گوارا نہیں ہو سکتی۔ چونکہ اس کی جڑیں بہت کارآمد تھیں۔ اس لئے ایک لاش کے لئے بہت سے درختوں کا خون کیا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کی تجارت بھی ہوتی تھی اور سلطنت کو رکی بڑی آمدنی کا ذریعہ یہی درخت تھے۔ (حنیف)

معمول کے موافق ایک چوکی رکھی تھی۔ مگر زیادہ چوڑی چادر کے نیچے دو لاشیں تھیں ایک تو ایک پری جمال ماہوش کی اور دوسری ایک مرد سبزہ آغاز نوجوان دلکش کی دونوں لب بہ لب اور سینہ بسینہ خدا جانے کب سے ترسے ہوئے باطمینان قائم سو رہے تھے ؛

میں ان کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہونگا۔ ناظرین فورا اپنے دل کو سنبھالیں اور جس طرح میں نے ان دونوں پر آہوں کے گلدستے نثار کئے ہیں اور آنسوؤں کے پھول برسائے ہیں۔ اگر آپ کے سینے میں دل ہے تو آپ بھی ایسا ہی کئے بغیر نہ رہیں گے ؛

مرد کی پشت میں ایک زخم تھا جو عورت کے سینے سے ہوتا ہوا نکل گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حرماں نصیب خدا جانے کتنی انتظار کی مصیبت اٹھا کر وصل کے مزے لوٹ رہے ہونگے کہ عشاق کے دشمن آسمان سے نہ دیکھا گیا اور کسی ظالم نے اسی حالت میں دونوں کا کام تمام کر دیا۔ نادان اتنا نہ سمجھا کہ اس کے اس فعل سے ان کو قیامت تک لطف وصل کا موقعہ ملتا ہے۔ چوکی پر تین لفظ لکھے ہوئے تھے۔ جس کے معنی بقول عذرا کے "وصل و وصال" ہوتے ہیں ؛

ان کی سوانح عمریاں کون ڈھونڈنے جاتے۔ اتنا تو ظاہر ہے کہ دونوں چندے آفتاب و چندے ماہتاب کے مصداق تھے۔ جذبۂ دل دونوں کو خدا نے اس بلا کا دیا تھا کہ بعد از موت بھی ایک دوسرے سے نہ جدا ہوئے ہیں نہ ہونگے ؛

ہائے مجھ سے نہ دیکھا گیا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور تصور نے مجھے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ گزشتہ ہزارہا برس کا تماشا میں آنکھ سے دیکھ رہا ہوں۔ ایک پری نژاد عصمت مآب ایک دلربایانہ انداز سے سونے میں سنہری میرے سامنے کھڑی ہے عطر کی لپٹیں اس کے کپڑوں سے نکل نکل کر میرے دماغ کو معطر کر رہی ہیں۔ ایک عالیشان محل سجا ہوا ہے۔ مرد عورت ایک خاص طرز کے ساتھ دوڑتے پھرتے ہیں۔ اب دیکھتا ہوں کہ وہی پری جمال دلھن بنی بیٹھی ہے۔ دولھا سرخ لباس پہنے ہوئے اندر آیا ہے اور کچھ جھجکتا شرماتا دلھن کے پاس آبیٹھتا ہے۔

دُلھن کو بدن چرانا دیکھ کر تخلیہ ہو گیا ہے۔ دُولھا نے بڑھ کر اپنے ہاتھ دُلھن کے گلے میں ڈالے ہیں اور آہستہ سے گلاب کی پنکھڑیوں کو چُوم لیا ہے۔ دفعتہً ایک اَور کالا سا آدمی ننگی تلوار ہاتھ میں لیئے گھبرایا ہؤا سا آتا ہے۔ اور یکایک دُولھا پر حملہ کرتا ہے۔ میں گھبراہٹ میں یہ اچھی طرح دیکھ نہ سکا کہ ظالم نے ایک ہی زخم سے دونوں کا کام تمام کر دیا۔ یا دُلھن نے دولھا کو مرتا دیکھ کر اس ظالم سے تلوار چھین کر اپنے بھی مار لی۔ اَور مر رہی۔ ہر طرف سے شور و غل ہؤا۔ اَور دم کی دم میں تمام خوشیاں خاک میں مل گئیں۔

حضرات! یہ موقعہ مجذوب کی بڑ لگانے کا نہ تھا۔ مگر کیا کروں؟ دل قابو میں نہیں۔

عذرا نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پھر دونوں کو چادر اُڑھا دی اَور ہٹ کھڑی ہوئی۔ مجھے بھی کچھ ہوش آیا اور آنکھیں کھول دیں۔ مگر اب بھی دل پر پورا اختیار نہ تھا۔

عذرا " انسان کا انجام دیکھا؟ ہمیں بھی آخر یہیں آنا ہے۔ ہمارے کس بل بھی آخر یہیں نکلینگے۔ دنیا ہمیں بھی آخر یوں ہی بھول جائیگی۔ یہی تنہائی ہوگی اور یہی وحشت میں دو ہزار نہیں پچاس ہزار برس بھی اگر زندہ رہوں تو انجام یہی ہوگا۔ اس کیفیت خاص میں مَیں اَور تُو اور یہ سب برابر ہیں۔ پھر اس جینے کا نتیجہ۔ آج تُو اَور دو دن بعد میں وہیں پہنچونگی۔ جہاں پہنچنا چاہیئے۔ میرا علم اور تجربہ بھی کوئی ایسی تدبیر نہیں بتا سکتا کہ موت سے محفوظ رہ سکوں۔ زمانے کے نزدیک پچاس برس اور پچاس ہزار برس برابر ہیں اور دونوں کی ہستی فضول۔ آخر نیستی سے کام پڑنے والا ہے۔ چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آج مجھ پر روشنی ہے۔ کل تجھ پر۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ اندھیرے سے بچ جائیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ آج جس چیز پر روشنی پڑی ہے۔ کل بھی ضرور پڑیگی یہ ممکن نہیں کہ کل صبح نہ ہو اور ہم نہ جاگیں۔ دنیا کیا چیز ہے؟ ہنگامۂ جاو بیجا اور کارگاہِ ہستی فنا کا نام دنیا رکھ دیا گیا ہے۔ یہاں رات دن عدم وجود میں لڑائی رہتی ہے۔ ذرا غور کر کے دیکھ کہ موت سے زیادہ ہستی کا کام جاری ہے۔ دنیا وہ جگہ ہے جہاں موت کو بھی زندگی سے لاچاری ہے۔ مرنے پر بھی زندگی سے مفر نہیں۔ پیدائش کی وہ دُھوم ہے کہ کسی کو موت کا خیال بھی نہیں آتا۔ ایک جاتا

ہے۔تو دو آ جاتے ہیں۔ تو نے دیکھا ہو گا کہ زمین میں چھپتا تو ہے ایک دانہ مگر اُسی سے سڑ کر ہزار دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ایک جسم بگڑتا ہے تو لاکھوں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔حنیف! کہیں اس سے یہ نہ سمجھ جانا کہ مَیں دُنیا کے بہت پُرانے مسئلہ تناسخ کی قائل ہُوں۔نہیں بلکہ تجھے یہ بتلانا چاہتی ہُوں کہ موت میں بھی خلقت کا بازار گرم ہے اور مرنے میں بھی پیدائشیں ہیں۔ اس صورت میں کسی مُردے کو دیکھ کوئی کیوں افسوس کرے؟"

مَیں اس وقت خدا جانے کہاں پہنچا ہُوا تھا۔ہاں ہُوں کر کے چُپ ہو رہا۔

عذرا "تیرا جی بھر گیا یا کچھ اَور عجائبات دکھلاؤں؟ اگر تو چاہے تو تجھے وہاں لے چلوں جہاں شاہِ تِسنوجیبا جلیل القدر بادشاہ جس نے یہ کھوئیں کھدوائیں۔نہایت بےکس اور بےبس بےیارو مددگار پڑا ہے"

مَیں "نہیں عذرا میں بہت کچھ دیکھ چکا۔خدا کے واسطے مجھے یہاں سے نکال لے چلو۔مَیں نے آج موت کو گویا اپنی آنکھ سے دیکھ لیا ہے اور آخر فانی انسان ہُوں۔اپنا بُرا انجام دیکھ کر ڈرتا ہوں۔خدا کے واسطے چلو" ؎

عجب نیست از خاک اگر گل نشگفت   کہ چندیں گل اندام در خاک خفت

باب ہفدہم

در مجلسے کہ عارضِ او بے نقاب شد
از بس گداخت آئینہ یک قطرہ آب شد

چند منٹ میں ہم اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں سے یاقوت نے چوپایہ بن کر چلنا شروع کیا تھا۔مَیں نے رخصت ہونا چاہا مگر پھر روک لیا گیا۔

"حنیف! تیری باتوں سے میرا جی بہلتا ہے۔ ذرا خیال تو کر کہ دو ہزار برس سے میں ان وحشیوں میں پڑی ہوں۔کوئی اتنا نہیں کہ جس سے دو باتیں کروں۔

مَیں اپنے خیالات اور پرانی یادداشتوں سے جی بہلاتی ہُوں۔ اگرچہ اس غوص و فکر نے میرے معلومات بڑھا دئے اور نئی نئی راہیں کھول دیں۔ لیکن پھر بھی میں تنہائی سے عاجز آگئی ہوں اور انسان کی صُورت کو ترس گئی ہوں۔ بعض گزشتہ باتوں کا یاد کرنا ہی تلخ معلوم ہوتا ہے لیکن اُمید کے سہارے پر آدمی تلخ دوا بھی پی لیتا ہے۔ بس میری یہی کیفیت ہے۔ اگرچہ تیرے اکثر خیالات مجھے خام معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ نرالے ہیں اور ایک فہمیدہ شخص کی زبان سے نکلتے ہیں۔ بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ تیری باتوں سے ان یُونانی فلسفیوں کی بُو آتی ہے۔ جن سے اکثر میرے مباحثے رہے ہیں۔ بلکہ تیری طبیعت پر ان ہی ہٹ دھرم لوگوں کا رنگ غالب معلوم ہوتا ہے۔ لے اب تو یہیں میرے پلنگ پر لیٹ جا۔ میں تیری خاطر سے پھر برقع اتارے ڈالتی ہوں۔ اس کا نتیجہ جو کچھ ہو۔ میں کہہ نہیں سکتی لیکن تو خود مصیبت میں پڑا ہے۔ ابھی تو نے دیکھا کیا ہے۔ ان ہی ہٹ دھرم یونانی فلسفیوں کی طرح چیخ نہ اٹھے تب کہنا۔ افسوس ہے۔ ان کے فلسفے پر کہ محض ایک عورت کے واسطے انہوں نے اپنا علم وعقل بالائے طاق ——"

عذرا کچھ کہتے کہتے رہ گئی اور کھڑی ہو کر بُرقع اتار پھینکا اور مُسکراتی ہوئی میری طرف دیکھنے لگی۔ مست آنکھیں میرے چہرے پر تھیں اور میری آنکھیں زمین پر۔ ویسے ہی تابشِ حسن چین نہیں لینے دیتی تھی۔ اس وقت تو صورت میں اُدر بھی قیامت کی دلکشی تھی ؏

عذرا:" حنیف! اگر میری مانے تو ایسی جگہ بیٹھ جہاں تجھے میری صورت نظر نہ پڑے۔ میں پھر کہتی ہُوں تو مجھے الزام نہ دینا۔ تو اپنے سر پر آپ بلا لایا ہے۔ اب تجھے تیرا دل عمر بھر چین نہ لینے دیگا۔ مدت العمر ترسیگا۔ اور موت بھی تیرے حال پر رحم نہ کریگی۔ اچھا لے۔ اب سچ سچ بتلا۔ مَیں حسین ہوں یا نہیں۔ جلدی کر۔ سوچ کے جواب دے۔ میرے سراپا پر اچھی طرح غور کر اور کہیں تو نقص نکال۔ سچ بتا کہیں تو نے ایسا حُسن دیکھا ہے؟"

مجھ سے نہ رہا گیا اور مَیں نے اُٹھ کر اپنا سر اس کے قدموں پر رکھ دیا۔ آخر فُ

عورت تھی اور بلا کی حسین اَور حُسن بھی برق اثر کہ دل و دین کو جلا ڈالے۔

مَیں "عذرا! خدا کے واسطے نہ ستاؤ۔ یقین جانو کہ اگر اس وقت تم سجدہ بھی کراؤ تو عذر نہ ہو۔ بس"۔

عذرا (قہقہہ لگا کر) "چہ خوش! اتنی جلدی تو میرے قدموں پر بھی گر گیا۔ میں تو سمجھتی تھی کہ شاید بہت ہی دیر لگے گی۔ میں تو تجھے آزماتی تھی۔ مگر یہ نظارہ مجھے بُرا نہیں معلوم ہوتا۔ آج دو ہزار برس سے کچھ اونچا ہوا ہوگا کہ مَیں نے کسی مرد کا سرا اپنے قدموں پر نہ دیکھا تھا۔ آخر تو چاہتا کیا ہے؟ میں تو تجھ سے کہ چکی ہوں کہ میں تیرے واسطے نہیں ہُوں۔ میرا آرام جان تو نہیں۔ کوئی اَور ہے۔ جنیف! باوجود اتنے علم اور اتنی عقل کے تو احمق بن گیا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تو مجھے دیکھا کرے لیکن میرا...... لینا بھی اپنی جان پر کھیلنا ہے (میری طرف جُھک کر) لے مجھے جی بھر کر دیکھ لے اور اگر کچھ اَور ہوس ہے تو لے ...... بھی سہی۔ کیونکہ ان کا نشان گالوں پر نہیں رہتا۔ بلکہ دل پر۔ اور وہ بھی اس صُورت میں کہ دل پر کسی اور کی مہر نہ ہو۔ یہ خوب سمجھ لے کہ میرا لینا اَور تیری جان نکلنی برابر ہو گی۔"

میں آپے میں تو تھا ہی نہیں اور مجھ ہی پر کیا منحصر ہے۔ کوئی آدمی جس کے سینے میں دل ہو۔ اس کا مدعی نہیں ہو سکتا کہ عذرا جیسی حسین کے بال اس کے چہرے پر پڑے ہوں اور وہ آپے میں رہے۔ مَیں نے اِسی عالم مدہوشی میں ہاتھ بڑھائے۔ میری اس حرکت سے عذرا کے چہرے پر ایک تغیّر آیا اور ترچھی نظر سے دیکھ کر ایک دھکّا جو دیتی ہے تو مَیں فرش پر لڑھکتا نظر آیا۔

عذرا "غنیمت جان کہ مجھے تیری حرکتوں پر غصّہ نہیں آتا۔ ورنہ تیری جان لے لینی میرے نزدیک کوئی بات نہیں۔ ان شتر غمزوں کو رہنے دے۔ میں ایسے دموں میں آنے والی نہیں ہُوں اور خوب سمجھ لے کہ عورت جب اپنی والیوں پر آجاتی ہے تو اس کے دل میں رحم ڈالنا انسان کا کام نہیں ہے۔ مَیں کہ چکی ہوں اور پھر کہتی ہوں کہ مَیں تیرے واسطے نہیں ہُوں۔ تجھ سے اگر ممکن ہو تو مجھے بھول جا اور اپنے جذبات کو کہیں ایسی جگہ دفن کر دے جہاں میری نظر نہ پہنچ سکے۔ حلیف!

ابھی تو میرے خصائل سے واقف نہیں۔ میرے تلوّن کو تو نے نہیں دیکھا۔ میری طبیعت لمحے لمحے پر بدلتی رہتی ہے تو نے پانی میں تصویریں نہیں دیکھیں۔ بس میری بھی وہی مثال سمجھ لے۔ مَیں سب کچھ ہوں اور کچھ نہیں۔ کبھی تو اس پانی میں تجھے دلربا شکلیں نظر آئینگی۔ اور اکثر خونخوار صورتیں اور آخر پانی کا پانی رہ جائے گا۔ بہتر یہ ہے۔ کہ تو میری حالت کو دیکھ کر غرہ نہ ہو جایا کر۔ تو بہت ہی خوش قسمت ہے۔ کہ تجھے اس وقت تک میرا غصہ دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ اور مَیں حتی الوسع تجھے بچایا بھی چاہتی ہوں۔ اگر تو نے مجھے زیادہ ستایا تو پھر نقاب ڈال لونگی۔ تو میری صورت کو بھی ترس جائے گا۔"

مَیں بہت ہی خفیف ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ شرم کے مارے گھڑوں پانی مجھ پر پڑ رہا تھا۔ لاحول پڑھی۔ استغفار کی اور اپنی کمزور طبیعت پر بہت ہی ملامت کی۔ اور دل سے توبہ کی کہ آئندہ اپنے مقدور بھر کبھی ایسی بے صبری نہ دکھلاؤنگا۔"

عذرا۔" حنیف! اگر تو اپنی غلطی سے متنبہ ہو گیا ہو تو پھر میرے پاس آ بیٹھ۔ مَیں اس وقت تجھ سے دنیا کے مذاہب کا حال پوچھنا چاہتی ہوں۔ میرے بعد کون کون مذہب آئے اور چلے گئے۔ ایرانیوں کے زرتشت کا کیا انجام ہوا۔ یہودیوں کے مسیح نے کیا سکھلایا۔ اس کے بعد کوئی اَور مذہب ہوا کہ نہیں۔ سچ جان کہ انسان جس چیز سے عبارت ہے وہ رُوح ہے یا عقل۔ روح کبھی آرام نہیں پا سکتی۔ تا وقتیکہ اُس کو ایک ہستی مطلق سے لگاؤ نہ ہو۔ اور یہ لگاؤ ہر گز پیدا نہیں ہو سکتا۔ تا وقتیکہ کسی برحق کا ہاتھ درمیان میں نہ ہو۔ مَیں موسیٰ (علیہ السلام) کی تعلیمات کو بہت ہی پسند کرتی تھی مگر ان کی سختیوں سے ہمیشہ بھاگتی رہی۔ یہودیوں کے مقتداؤں اور ان کے من مانے اعتقادات سے ہمیشہ نفرت ہی رہی۔ ورنہ مجھے تو آج بھی یہودیہ ہی پاتا۔ آدمی اکثر یہ سوچا کرتا ہے کہ یہ آسمان کیا چیز ہے؟ اس کے اوپر کیا ہوتا ہے اور کیا ہو رہا ہے، وہ ہمیشہ اس میدان میں خیالی گھوڑے دوڑایا کرتا ہے۔ اکثر تو خوف زدہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعض موقعہ پر اس کو ایک قسم کی تسلی بھی ہو جاتی ہے۔ بس یہیں سے اس کو مذہب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور یہیں سے اُس کے خیالات ایک خاص سمت

کو رجوع ہوتے ہیں۔ آگے بڑھتا ہے تو اس کو مختلف شاہراہیں نظر آتی ہیں۔ اور مختلف لوگ دل خوش کن باتیں کرتے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں۔ ہر شخص اپنی طرف بلاتا ہے۔ اور اپنا سچا ہونا تسلیم کرانا چاہتا ہے۔ اپنی بات نہ ماننے والے کو مغضوب بتلاتا ہے۔ اب انسان ہے کہ مخمصے میں پڑ جاتا ہے۔ آخر جدھر زیادہ روشنی دیکھتا ہے۔ جھک جاتا ہے اتنا فکر کون کرے کہ آخر مچھلیاں بھی تو دریا کی تہ میں ستاروں کی روشنی دیکھتی ہیں۔ اقوام مدنی الطبع کی طرح میں مذاہب کا حال بھی دیکھتی ہوں کہ ایک آتا ہے تو دوسرا جاتا ہے۔ سوائے زمانے کے قیام کسی میں نہیں۔ کاش انسان سمجھے کہ اپنے کئے بغیر اپنا کام نہیں ہوسکتا۔ یاس و امید جو کچھ پیدا ہوتی ہے اپنے ہی دل سے۔ اپنے ہی افعال سے۔ اپنی ہی حرکتوں سے۔ اگر یہ عقیدہ ہو تو وہ خود وہ افعال کرے جو دُنیا اور آخرت کی بھلائی کے ہوں اور جن سے روح کو تشفی ہو۔ آخر یہ بھلائی بُرائی کا علم دیگراں کو کیوں ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ کاش اس کی عقل ٹھوکر کھا کر اوندھے مُنہ نہ گرے اور وہ تمام ماسوا باتوں سے خالی الذہن ہوکر ایک ہستی مطلق کی طرف رجوع ہو اور تصویروں اور بُتوں اور زندہ و مردہ انسانوں کو اپنا معبود نہ بنا لیا کرے۔ انسان کو غافل بنانے میں بھی بڑی مصلحت ہے۔ اسی غفلت نے اس کی بھی ضرورت پیدا کردی ہے کہ وقتاً فوقتاً ان ہی میں سے کوئی ہادی بنا کر اُن پر متعین کردیا جاتا ہے۔ تاکہ جو لوگ غفلت میں پڑ کر شاہراہ سے بچل گئے ہوں۔ اصلی ڈھرے پر لے آئے۔ اب باقی رہی اس ادعائی ہادی کے صدق کی تشخیص۔ میرے نزدیک اس کا مقیاس و معیار خود اس کی تعلیمات ہیں اگر ان تعلیمات میں رُوح کو اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے کا زیادہ مادہ ہو اور اس ہادی کے پیرؤں کی رُوحیں اکثر اپنے اصل کی طرف رجوع ہوتی ہوں۔ تو وہ ہادی ضرور صادق ہوگا۔ ممکن تھا کہ ہر زمانے میں ہر قوم کے لئے کوئی آسمانی مخلوق ہدایت کے لئے بھیجی جاتی اور شاید انسان پر بھی ان ہی ہدایتوں کا زیادہ اثر ہوتا۔ مگر وہ آسمانی مخلوق اوّل تو کیفیات انسانی سے متکیف نہ ہوتا اور ثانیاً بتوں کی تعداد اب سے لاکھ گنی زیادہ ہو جاتی۔ بہر حال جس طرح میں اپنے پیارے کی منتظر ہوں۔ اسی طرح ایک آنے والے مذہب کی بھی منتظر ہوں۔ میرا اعتقاد ہے کہ وہ ضرور سچا ہوگا۔ اور اسی سے میری رُوح

چین پائیگی ۔ ہائے تن بدن میں تو آگ لگی ہے ۔ کاش رُوح ہی چین سے ہو جائے۔

حنیف یقین جان کہ میری حالت بہت ہی قابل رحم ہے "

عذرا کی یہ مختصر تقریر سُن کر میں دنگ رہ گیا ۔ مَیں تو پہلے ہی یہ جان گیا تھا ۔ کہ یہ عورت کسی مذہب کی پابند نہیں ہے ۔ کھوڈوں کی سیر کرتے ہوئے کئی مرتبہ جی چاہا کہ کہ اُس سے کچھ مذہب کا تذکرہ چھیڑوں ۔ مگر ڈر تھا کہ بے عقیدہ ۔ بے دین ۔ خدا جانے کیا کیا ہزلیات بک جائے ۔ ملحدہ ہے ۔ خدا جانے علم الارض اور علم الاجسام کے کیسے کیسے دلائل پیش کرے ۔ دو ہزار برس کا تجربہ ہے خدا جانے کیا کیا کفر بکھان ڈالے اور کہیں لاجواب ہو کر میں بھی اس کا مقلد نہ بن جاؤں ۔ غنیمت ہے کہ اس وقت یہ معلوم ہوا کہ ملحدہ نہیں ہے ۔ اور گفتگو سے معلوم ہو چکا تھا کہ شرک کو بھی بُرا سمجھتی ہے اور تلاش میں ہے ۔ لہذا میں نے اس کی تقریر کے جواب دینے کی تو کوشش نہیں کی ۔ مذاہب کا مختصر حال بیان کرنا شروع کیا ؛

مَیں " مذاہب کی نہ پوچھئے ۔ ہونے کو بقول آپ کے سینکڑوں پیدا ہوئے اور نابود ہو گئے ۔ لیکن میری عقل ناقص میں کسی مذہب کا نابود ہو جانا اُس کے بطلان کی دلیل نہیں ہو سکتی ۔ زرتشت کا مذہب آپ نے سُنا اور دیکھا بھی ہو گا کہ ابتداءً کوئی نئی بات سوائے توحید کے نہ بتلاتا تھا ۔ لیکن اُس نے غلطی یہ کی کہ خداوند عالم کے اور تمام مظاہر کو چھوڑ کر ایک آگ کے درپے ہو گیا ۔ اور اس کی تعظیم خود کی اور کرائی ۔ بس اس کا آنکھ بند کرنا تھا کہ دھڑتے سے آگ پُجنے لگی ۔ آتش خانے بنائے گئے اور بادشاہوں نے ایک حصّہ دنیا میں گویا آگ لگادی ۔ اگر آپ کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے اس قدر خلوص عقیدت ہے تو اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام دنیا پر سچا اور حقیقی مذہب لیکر تشریف لائے تھے اور سچ پوچھئے تو میرے نزدیک تو حقیقی اور سچا مذہب کوئی ایسی چیز نہیں کہ آئے دن بدلتا رہے ۔ جو تعلیم حضرت آدمؑ نے اپنے صلبی بیٹوں کو کی ۔ اسی کی تائید حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے سامنے کی ۔ اسی کی تصدیق حضرت مسیحؑ نے یہودیوں سے کرانی چاہی مگر وہ قوم جو اپنے نبی کی حیات میں ہی بچھڑے کو پوجنے لگ جائے ۔ بھلا دوسرے نبی کی کیا قدر کرے گی ۔ حضرت مسیحؑ سخت تکالیف اٹھا کر آخر

اٹھا لئے گئے۔ اب ان کے پس ماندگان کی سنئے۔ یہودیوں نے اگر عزیر کو سنبھالا تو مسیحیوں نے خود حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا بنایا۔ اس پر بھی بس نہیں ہوئی۔ ایک خدا کے تین خدا بنا بیٹھے اور غضب یہ کیا کہ اپنے نبی کو اپنا کفارہ بنا کر اپنے نزدیک سُولی پر چڑھا دیا۔ اوُ اعمال و افعال سے بری ہو گئے۔ گویا بہشت اُن کی جاگیر بن گئی۔ غرض وہ زمین جس سے خدا جانے کتنے ہزار نبی اُٹھے اور وہیں سُلا دئے گئے۔ تمام کفر و ضلال سے بھر گئی اَور خدائے واحد کا نام لیوا بھی کوئی باقی نہ رہا۔ کہیں آگ پوجی جاتی تھی تو کہیں بُت کہیں عُزیر خدا کے حقیقی بیٹے کہلاتے تھے تو کہیں مسیحؑ۔ ایک طوفانِ بے تمیزی تھا کہ یکایک غیرت الٰہی جوش میں آئی کہ اس نے حضرت ابراہیم کی دعا کا اثر ظاہر کیا اور بشارتِ سلیمان و موسےٰ و مسیح علیہم السلام کو آپ کے وطن مالوفہ یعنی عرب کی سرزمین سے ہی ایک نبی پیدا ـــــــــ"

عذرا۔ (اچھل کر) "ہیں! کیا یہ نبی بھی پیدا ہو چکے؟ میں، ان ہی کی تو منتظر تھی۔ توریت کا مجھ سے زیادہ عالم کون ہوگا۔ ان بشارتوں کو مجھ سے پوچھا اور مجھ سے سُن۔ مجھے اپنے وطن سے اگر کچھ تعلق تھا یا محبت تھی تو محض اس لئے کہ وہاں سے ایک نبی پیدا ہونے والا ہے۔ ورنہ وطن میں جو اذیتیں میں نے اٹھائی ہیں اور مصیبتیں جھیلی ہیں ایسی تھوڑا ہی ہیں کہ میری زبان پر وطن کا نام بھی آ جائے۔ الحمد للہ کہ میں نے اپنا ایک مقصود تو پا لیا۔ اور دیکھ ضعیف ابلا اس کے ہیں اس نبی کی تعلیمات سُنوں۔ میں اُس پر ایمان لاتی ہوں۔ تو گواہ رہنا۔ اب بتلا کہ وہ نبی اب بھی زندہ ہیں"؀

مجھے عذرا سے یہ سُن کر بہت تعجب ہوا۔ اور نہایت خوشی ہُوئی؀

میں:۔ "عذرا! افسوس ہے کہ تم نے بہت ہی دیر میں خبر لی۔ تیرہ سَو سال ہو چکے کہ وہ آفتاب رحمت غروب ہو چکا؀"

عذرا ایک آہ کر کے گر گئی۔ دیکھا تو حالت غیر پائی۔ اٹھ کر مُنہ پر پانی چھڑکا۔ پنکھا جھلا کچھ ہوش ہؤا تو لطف دیکھئے کہ آپ میرے سر ہو گئیں کہ تو نے بد خبر کیوں سُنائی؟ مجھے تو اسی کا تعجب تھا کہ بیچاری کو حضور رحمۃ اللعلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت تھی کہ سنتے ہی بیہوش ہو گئی۔ پھر خیال ہؤا کہ انتظار کی محنت کا اچھا نتیجہ نہ پا کر

اُنہیں نے بدفالی سمجھی کہ قلب لوٹ گیا (اور شاید میرا خیال بالکل صحیح ہو) اس پر ہوئی مجھ پرنے دے۔ بہت ہی غصہ آیا۔ مگر قہر درویش بر جانِ درویش ؎

عذرا:۔ اور وہ لات و عزےٰ۔ یعوث و یعوق۔ نسر اور خدا جانے کیا کیا لغویات کہاں گئے"؟

مَیں:۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا ؕ

عذرا:۔ آہا ہا! کیا بلاغت ہے؟ یہ کس کا کلام ہے؟"

مَیں (مُسکرا کر) "یہ کلامِ خدا ہے۔ جو اس نبی (صلعم) پر وحی ہوا"

عذرا:۔ "کچھ اَور یاد ہو تو کہیں سے سُنا"

مَیں نے سُورۂ قیامۃ سُنائی۔ عذرا سنتی رہی اور روتی رہی۔ خاص کر آخری آیتوں پر جن میں نزع اور موت کا چربہ اتارا گیا ہے بہت ہی رقت ہوئی ؎

عذرا:۔ اس کو سُن کر میرے ملک کے شاعروں نے کیا کہا جن کو اپنے کلام پر بڑا ناز تھا اور عورتوں کے حسن و عشق اور ہجر یار کی مصیبتوں کی کہانی کے سوا اَور کچھ کہنا نہ آتا تھا؟

مَیں:۔ "کیا کہہ سکتے تھے۔ سوائے اِس کے کہ سِحْرٌ یُّؤْثَرُ اور سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ" ؎

عذرا:۔ "تعجب ہے کہ ان کور باطنوں کی زبان سے ایسا انصاف کا کلمہ نکل گیا ؎

اس کے بعد عذرا نے مجھ سے اسلامی معتقدات روح اور جزا و سزا بہشت و دوزخ کی نسبت سوالات کئے اور اس کے بعد بھی اکثر وہ مجھ سے فرشتگانِ ملاء اعلےٰ۔ حشر و نشر۔ شفاعت۔ طریق عبادت وغیرہ معتقدات کی بحثیں کرتی رہی۔ مگر چونکہ یہ بحثیں خارج از قصہ ہیں۔ لہٰذا میں بخیالِ طوالت چھوڑتا ہوں ؎

آج چونکہ باتوں ہی باتوں میں بہت دیر ہوگئی تھی۔ مَیں گھبرا کر اُٹھا کہ امین کو جا کر دیکھوں اور عذرا سے کہا کہ خدا کے لئے آج تو اُن کو چل کر دیکھ ؎

عذرا:۔ اچھا تو چل! مَیں ابھی آتی ہوں۔ بخار اپنا دَورہ ختم کر چکا ہوگا۔ اگر وہ جان بھی توڑ رہا ہوگا تو میں اسے اچھا کر دونگی۔ تو گھبراتا کیوں ہے؟ اس سے بھی نہ ڈرنا کہ مَیں کوئی جادو کر دونگی۔ میں پہلے ہی تجھ سے کہہ چکی ہوں کہ جادو کوئی چیز نہیں ہے۔ قدرت کاملہ نے ہر چیز میں ایک خاصیت پیدا کی ہے۔ جس کی خاصیت ہمارے

علم میں بالکل نئی ہوتی ہے۔ اس کا نام ہم جادو رکھ دیتے ہیں۔ اچھا جاییں[ٔ] ابھی آتی ہوں"
میں نے ایبن کو جا کر بالکل نزع کی حالت میں پایا۔ ایوب اور اُستن اُس کے سرہانے بیٹھے رو رہے تھے میں بھی وہیں جا بیٹھا۔ اس کی ہچکیاں دیکھ کر نہ رہا گیا۔ میں بھی رونے لگا۔ بیچارے ایبن بالکل بیہوش تھے تنفس بہت دشوار تھا۔ اور تمام جسم سرد پڑا تھا۔ چونکہ تھوڑی بہت طب میں نے بھی پڑھی تھی۔ ان کی حالت سے مجھے یقین ہو گیا کہ شاید بمشکل یہ پانچ منٹ کے مہمان ہوں۔ مجھے ایسی حالت میں اپنی غیر حاضری پر سخت افسوس ہوا۔ خود کو بہت ہی ملامت کی۔ خدا کی شان ہے ہم بہت ہی جلد عورت کی آنکھیں دیکھ کر ان کے پھندوں میں پھنس جاتے ہیں۔ مجھے دیکھئے کہ کیا پری کا سایہ پڑا۔ کتنا دیوانہ سا ہو گیا کہ دو گھنٹے تک ایبن کا مطلق خیال تک نہیں آیا۔ جو میرے نزدیک بیٹے سے زیادہ عزیز تھا۔ یہ اس شخص کا حال ہے جو اس بات کا مدعی ہے کہ اُس پر کسی کا حُسن اثر نہیں کرتا ؀
اُستن تو رو رہی تھی۔ ایوب اگرچہ بہت ضبط کئے ہوئے تھا لیکن آنسو اس کے قبضے میں نہ تھے۔ مجھے بھی روتا دیکھ کر وہ کمرے کے باہر چلا گیا اور اس بُری طرح رو دیا کہ اس کے سُننے سے پتھر بھی شق ہوتا تھا۔ اب کچھ امید تھی تو عذرا پر۔ اللہ اکبر! اس غفلت کو دیکھئے کہ ہم ایسے اہم موقع پر بھی خدا پر بھروسہ نہیں کرتے اور زید و بکر کے سہارے پر عاقبت خراب کرتے ہیں ؀
میں نے سوچا کہ لاؤ۔ جھپٹ کے عذرا کو بلا لاؤں۔ اٹھا ہی تھا کہ اُدھر سے ایوب کو آیتہ الکرسی پڑھتے ہوئے آتے دیکھا۔ میں اَور گھبرا گیا ؀

میں " ایوب کیا ہے "؟

ایوب (کانپتے ہوئے) " جی دیکھئے وہ ایک مُردہ میری طرف چلا آ رہا ہے "!
میں پہلے تو کچھ سمجھا نہیں۔ پھر خیال آیا کہ عجب نہیں عذرا اپنا بُرقع اوڑھے ہوئے چلی آ رہی ہوگی۔ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا اور عذرا نے خود آ کر اس عقدے کو

---

[1] عذرا علم کیمیا کی بڑی ماہر تھی اور اکثر وہ اپنا دل ان ہی چیزوں میں بہلایا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک کھوہ کے کمرے میں اس کا دوائی خانہ بڑے ٹھاٹھ کا تھا۔ اس کا کمال ابھی ظاہر ہوتا ہے ؀ (مصنف)

حل کر دیا۔ ایوب ڈر کے مارے ایک کونے میں منہ دیکر کھڑا ہو گیا اور اُستن اپنی ملکہ کو پہچان کر وہیں اوندھے منہ لیٹ گئی ؂

مَیں "عذرا آپ بڑے ہی موقع پر آئیں۔ دیکھئے اب آپ کے بنائے بھی کچھ بنتا ہے یا نہیں؟"

عذرا "اگر رُوح بدن سے بالکل مفارقت کر چکی ہے تو قطعی مجبوری ہے۔ ورنہ دیکھ ابھی تو اچھا ہوا جاتا ہے۔ یہ شخص جو کھڑا ہے تمہارا نوکر ہے۔ تمہارے ملک میں اجنبیوں سے یُوں ہی پیش آیا کرتے ہیں کہ ہر شخص کونے میں کھڑا ہو جاتا ہے؟"

مَیں "نہیں۔ یہ آپ کے لباس سے ڈرا ہوا ہے۔ بالکل کفن معلوم ہوتا ہے۔ لیجئے آپ کو جو کچھ کرنا ہو جلدی کیجئے۔ باتوں کا وقت نہیں ہے"

عذرا ایوب پر بہت ہنسی ؂

عذرا "یہ عورت؟ اچھا یہ وہی ہے۔ جس کا ذکر تو نے کیا تھا۔ اچھا ان دونوں کو یہاں سے ہٹا دے۔ مَیں نہیں چاہتی کہ اغیار میرے ہُنروں کو دیکھیں"

مَیں نے دونوں کو تخلیہ کر دینے کے لئے کہا۔ ایوب تو فوراً چلا گیا مگر اُستن اَڑ بیٹھی"

اُستن "ملکہ مجھے کیوں نکالتی ہیں۔ مرتے وقت بھی وہ شوہر کے پاس اس کی بیوی کا رہنا گوارا نہ کرینگی۔ میرا تو حق ہے۔ نہیں مَیں نہیں جاتی"

عذرا "یہ عورت کیوں دیر کر رہی ہے؟"

مَیں "یہ نہیں ہٹنا چاہتی"

عذرا نے اپنا منہ اُستن کی طرف کر کے صرف ایک لفظ کہا۔ جس کا اتنا اثر ہوا کہ شاید میرے دن بھر کے سمجھانے سے نہ ہوتا ؂

عذرا (اُستن سے) "جا" ؂

اُستن بیچاری روتی ہوئی چوپایہ بن کر فوراً چلی گئی ؂

عذرا "حنیف! ان لوگوں کو دیکھا۔ کمبخت سخت وحشی ہیں۔ آج کی سزائیں سُن کر بھی اس عورت پر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر جانا پڑا۔ اچھا لے اب مجھے مریض کو دکھا۔ کیسے سڈول ہاتھ پیر پائے ہیں"

ئیں نے چادر ہٹا کر امین کا مُنہ کھولا۔ عذرا پر دیکھتے ہی وہ حالت طاری ہوئی کہ گویا سانپ نے ڈس لیا۔ ایک مرتبہ ہی آہ کرکے بیٹھی اور وہیں چکر کھا کر گری پھر اٹھی اور دیوار میں ٹکر کھائی۔ ئیں نے دل میں کہا کہ کیا خوب ع مژدہ باد اے مرگ عیسےٰ آپ ہی بیمار ہے "

میں "کیوں عذرا! کیا مر گیا؟"

عذرا (گھبرائی ہوئی آواز میں) " او کتے! پہلے ہی کیوں نہ بتلا دیا تھا؟"

عذرا نے یہ کہ کر میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے جانا کہ کمبخت قتل کرنے بڑھی ہے۔ ئیں گھبرا کر ذرا فاصلے سے ہو گیا اور بچاؤ کی تدبیریں سوچنے لگا۔

ئیں "کیا؟ عذرا کیا ہے؟"

عذرا " حنیف تجھے کیا خبر؟ تو کیا جانے۔ یہ میرے سامنے میرا کھویا ہؤا قرطیس پڑا ہے۔ آخر قرطیس آملا۔ میں تو جانتی ہی تھی۔ میں تو کہتی ہی تھی۔ قرطیس! قرطیس! آخر آگیا "

عذرا نے ایک قہقہہ لگایا اور پھر رو پڑی مجھے قطعی یقین ہو گیا کہ کمبخت دیوانی ہوگئی "

میں " عذرا کیا مہمل بک رہی ہو۔ اگر کچھ ہو سکے تو کرو۔ ورنہ دم بھر میں اسی قرطیس کو بیٹھ کر روؤ گی۔ جلدی جلدی بہت نازک وقت ہے "

عذرا " ہاں ئیں تو بھول ہی گئی تھی۔ ہائے میں کمبخت پہلے کیوں نہ آگئی تھی۔ خیر اب بھی کچھ نہیں گیا۔ دیکھنا میرا ہاتھ کانپتا ہے (ایک چھوٹا سا مرتبان مجھے دے کر) اسے اس میں جو کچھ ہے۔ اس کے حلق میں ٹپکا دے۔ اگر مر نہ گیا ہو گا تو ابھی اچھا نہ ہو جائیگا۔ ارے جلدی کر ایک ہی دو ہچکیوں میں خاتمہ ہے "

ئیں نے امین کو دیکھا تو واقعی لمحہ دو لمحہ ہی کی دیر رہ گئی تھی۔ مرتبان کھولنے کی کوشش کی تو نہ کھلا۔ ڈاٹ کو زبان سے دبا کر کھینچا تو کہیں کھلا۔ لیکن میرے دانت میں رمق جیسی دوا لگ گئی۔ خوش ذائقہ میٹھی دوا تھی۔ لیکن مجھے فوراً ہی تو چکر آگیا غنیمت ہؤا کہ جس قدر جلد اثر ہؤا تھا زائل بھی ہو گیا۔ ورنہ خدا جانے کیا ہوتا "

عذرا نے امین کا سر تھاما اور ئیں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے مُنہ کھولکر

دوا ڈال دی۔ دوا ڈالتے ہی مُنہ سے ایک بھاپ نکلی۔ جیسے آب نا رسیدہ چُونے پر پانی ڈالنے سے نکلتی ہے ؛

مجھے اس دوا کے اس بیّن اثر پر کوئی اطمینان نہ ہوا۔ مگر اتنا ضرور دیکھا کہ وہ آخری ہچکیاں فوراً بند ہوگئیں۔ مَیں نے تو سمجھا تھا کہ خاتمہ ہوگیا۔ مگر نہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے چہرے پر سُرخی آنے لگی۔ اور دل کی حرکت بھی جو نہایت ضعیف ہوگئی تھی۔ کسی قدر تیز ہوگئی۔ عذرا اب تک ایبن کا سر ہی پکڑے کھڑی تھیں۔ اُس کا چہرہ بالکل زرد اور آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ اب تک اُن کو بھی اطمینان نہ تھا۔ کوئی پانچ منٹ کے بعد مَیں نے دیکھا کہ عذرا کو کسی قدر اطمینان ہوا ہے۔ چہرے کا وہ توحش بھی جاتا رہا۔ مگر اب بھی ان کی صُورت دیکھی نہ جاتی تھی ؛

میں "کیوں خیریت ہے"؟

عذرا نے مجھے کوئی جواب نہ دیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں بند کرلیں مجھے سخت تردد ہوا۔ کھڑا ہوگیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایبن نے ایک لمبا سانس کھینچا۔ اور چہرے پر اور سُرخی دوڑی۔ دو چار سانس لے کر اس بیمار نے جس کو ہم ابھی دو لمحہ پیشتر حالتِ نزع میں سمجھ رہے تھے۔ خود کروٹ بدل لی ؛

عذرا "بس اب اطمینان ہے۔ شکر ہے کہ بچ گیا۔ مَیں تو سمجھی تھی کہ چلا۔ وقت اور حقیقت میں ایک دو لمحہ بھی اگر دیر ہوتی تو میرے لئے کچھ نہ ہوتا ؛"

عذرا مُنہ ڈھک کر رونے لگی ؛

عذرا "صنیف! میری کمزوری کو معاف کرنا۔ آخر مَیں ایک عورت ہُوں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔ تو نے جہنم کے حالات بیان کئے تھے۔ وہاں کے حالات سُن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ وہ صُورت اس وقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ خدا جانتا ہے کہ میرے دو ہزار برس بالکل ایسے ہی گزرے ہیں کہ گویا مَیں دوزخ میں رہی ہوں۔ میرے گناہ میرے سامنے تھے۔ اور میں ان سب کی یا ان میں سے ایک کی سزا بھگت رہی تھی۔ آرام اور اطمینان کو مجھ سے دشمنی ہوگئی تھی۔ خدا کا شکر امید نے اتنی مدت میرا ساتھ دیا۔ مجھے اس کا اعتقاد رہا۔ کہ ایک نہ ایک دن

ضرور آنے والا ہے کہ مجھے ان مصیبتوں سے نکالنے والا یہاں آئیگا اور مجھے بچالے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ آگیا۔ ایسا قصہ تو نے بھی نہ سنا ہوگا نہ ایسا نظارہ تیری نظر سے کبھی گزرا ہوگا اور نہ گزریگا۔ خواہ میں تجھے دس ہزار برس تک اَور زندہ رکھوں (اور اگر تو چاہے تو زندہ رہ سکیگا) شکر ہے کہ مجھے جہنم سے نکالنے والا آپہنچا۔ بھلا میرا علم بھی کہیں غلط ہوا ہے۔ مگر ہاں اور دیکھ! میں کس قدر غافل رہی۔ وہ علم جس پر مجھے بڑا ناز ہے اتنا نہیں بتلا سکا کہ میرا پیارا۔ میرے دل کا مالک۔ میری ہی چھت کے نیچے موجود ہے۔ اس سے سمجھ لے کہ انسان کا علم اور اس کی قوتیں کس کام میں آسکتی ہیں۔ تاوقتیکہ فضل الٰہی اس کے ساتھ شامل حال نہ ہو۔ غضب ہے کہ وہ شخص جس کا میں صدیوں سے انتظار کر رہی ہوں۔ گھنٹوں میرے ہی گھر میں بیمار پڑا ہے اور مجھے خبر تک نہ ہو اور جب میں دیکھنے آئی ہوں تو ایسی حالت میں کہ ایک ہی دو سانس تو اُسے کہیں کا کہیں پہنچا دیتے اور مَیں کچھ نہ کر سکتی اور اگر وہ مرجاتا تو خدا جانے کتنی صدیاں اسی جہنم میں مجھے پھر رہنا پڑتا۔ سخت مایوسی کی حالت میں آسے دوا دیتی ہوں اور وہ پانچ لمحے جو امید و بیم کی حالت میں گزرے ان دو ہزار برسوں سے زیادہ سخت تھے۔ ان پانچ لمحوں میں بھی اس سے کوئی علامت صحت نہ دیکھ کر مجھے یہ معلوم ہوا کہ دو ہزار برس کے تمام مصائب ایک تیر کی صورت میں میرے دل سے اپنا زہر میرے تمام جسم میں پہنچا رہے ہیں۔ کیونکہ میں جانتی تھی کہ اگر اس دوا نے اس آخری حالت میں کوئی اثر نہ کیا تو بس پھر کوئی چیز اثر نہ کر سکیگی۔ مگر آخر کار اس نے سانس لیا اور مجھے اطمینان ہوا۔ ضعیف ان سب باتوں پر غور کر اور اچھی طرح یقین کر کہ ایک زبردست ہاتھ انسان اور اس کی تدابیر کے درمیان میں ہوتا ہے۔ یہ کام اس زبردست ہاتھ کا ہی ہے کہ انسانی تدابیر کو سیدھا پڑنے دے یا پٹ کردے اور اسی چیز کو میرے وطن والے تقدیر کہتے تھے اب میرا قریطیس کم از کم چار پہر خواب ناز میں رہیگا اور اس کے بعد اس کا بخار قطعی اتر جائیگا۔

عذرا آگے بڑھی اور ایمن کے سر پر ہاتھ رکھ کر متواتر اس کی پیشانی کے کئی بوسے لئے۔ غیر کے لئے یہ نظارہ بھی عجیب ہوتا۔ مگر مجھ سے تو رشک کے مارے نہ دیکھا گیا

باب ہشتر دہم

صفِ مژگان حسرت کش بخونم تشنہ مے آید
تغافل یک طرف مے ترسم از جاں بخشیِ نازش

عذرا ۔"ہاں میں یہ تو بھول ہی گئی تھی - وہ عورت استن کہاں گئی - یہ قرطیس کی نوکر ہے یا ــــــــ" (غصے میں آواز کانپ گئی) ٭

میں ۔" نبوالبحر کی رسوم کے موافق اس کی شادی اپن سے ہو چکی ہے"٭

میں نے دیکھا کہ یہ سُن کر عذرا کو سخت طیش آگیا - اس نے دو ہزار برس زندہ رہ کر سب ہی کچھ سیکھا - مگر رقابت پر غالب آنا اب تک اسے نہ آیا ٭

عذرا ۔" بس تو یہیں فیصلہ ہوتا ہے - اب وہ زندہ نہیں رہ سکتی اور ابھی ابھی اس کا خاتمہ ہونا چاہئے"٭

میں ۔" آخر کس جرم میں ؟ بیش بریں نیست کہ جس جرم کی آپ خود مجرم ہیں - اسی کی وہ ہے - اس کو اپن سے محبت ہے اور اپن کو بھی اس سے گونہ لگاؤ ہے - اب کونسا گناہ باقی رہ گیا ؟"

عذرا ۔" صحیح - مگر تو بڑا ہی احمق ہے مجھ سے گناہ کو پوچھتا ہے ؟ یہ گناہ کیا کچھ کم ہے کہ وہ میرے اور قرطیس کے درمیان میں ایک دیوار بنتی ہے - اگرچہ میں یہ جانتی ہوں کہ آخر کار میں ہی اس پر غالب آؤنگی - کیونکہ دنیا میں کوئی متنفس میری خواہشات اور میرے ارادوں پر غالب نہیں آسکتا - لیکن مشکل یہ ہے کہ مرد صرف اس وقت تک صادق الوعد رہ سکتے ہیں کہ جب تک ان کا خیال ایک ہی طرف مائل رہے لیکن جہاں اُن کو بیرونی تحریک پہنچتی ہے - بس وہیں طوطے کی طرح آنکھیں بدل کر دوسری ہی ہوا میں اُڑنے لگتے ہیں - مرد کے لئے بیرونی حسن اور عورت کے لئے روپیہ ایک کام دیتا ہے یقین جان کہ بہشتیوں کو بھی اگر حوروں سے زیادہ حسین عورتیں

نظر آئیں (خواہ وہ دوزخ کی ہی کیوں نہ ہوں) تو حوروں کے لئے بہشت دوزخ سے
بدتر بن جائیگی۔ بیچاریاں آتش رشک میں پڑی وہیں جلینگی اور کچھ نہ کرسکینگی مرد
وہ چیز ہیں کہ آوارۂ حسن ہوکر وہ بہشت سے دوزخ میں جانا بھی سخت نہیں سمجھتے
اگر عورت حسین ہو تو مرد کا پھسلا لینا کوئی بات نہیں۔ اسی طرح اگر روپیہ کافی ہو
تو عورت کو قابو میں لے آنا کچھ مشکل نہیں۔ میرے زمانے میں بھی یہی حال تھا۔
اور جب تک دنیا رہیگی یہی کیفیت باقی رہیگی۔ حنیف! اگر دنیا کو ایک بازار فرض
کیا جائے تو یہاں کی ہر جنس زیادہ قیمت دینے والے کو میسر آسکتی ہے۔ اب اس
میں چاہے نقد دل ہو یا زر نقد۔"

یہ خیالات عذرا جیسی تجربہ کار اور معمر عورت کی ذات سے کچھ بعید نہیں معلوم
ہوتے۔ میں اُستن کی جان سے اپنے نزدیک ہاتھ دھو بیٹھا۔ مگر پھر بھی کوشش
کئے جانے کو جی چاہتا تھا۔ میں نے کہا کہ بہشت میں شادی بیاہ کے جھگڑے نہ ہونگے"
عذرا:" تو پھر وہ بہشت ہی کاہے کی ہے؟ بڑے شرم کی بات ہے کہ تیری زبان سے
اس قسم کے کلمے نکلیں۔ حنیف! کتنے افسوس کی بات ہے کہ تُو ہم (عورتوں) کو نہایت
بے قدر سمجھتا ہے تیرے نزدیک بہشت دوزخ میں شادی بیاہ کا فرق ہے یا بہ تبدیل
الفاظ اگر بہشت میں شادیاں ہوں تو وہ بہشت نہ رہیگی۔ بہرحال محل بحث کرنے کا
نہیں ہے تُو ہر ایک بات میں الجھتا کیوں ہے؟ کہیں تُو بھی پُرانے زمانے کا
فلسفی ہی نہ ہو۔ اب باقی رہی یہ عورت۔ یہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ
میں اس کے معشوق کو چھین کر قناعت کرلوں۔ مگر دقت یہ ہے کہ قرطیس کے
دل سے اس مردار کا خیال کبھی نہ جائیگا۔ اور میں اپنی سلطنت بلا شرکت غیرے
چاہتی ہوں۔ مجھ سے یہ کب دیکھا جائیگا۔ کہ میرے سرتاج کے دل میں کسی اَور کا بھی
گھر ہو۔ اس عورت نے اپنا حصہ چند روز میں پا لیا۔ بس اسی پہ قناعت کرنی چاہئیے
مصائب کے ہزاروں برس اور اطمینان و راحت کا ایک لمحہ برابر ہوتا ہے۔ ہر حالت
میں یہ عورت صبح ہونے سے پہلے ہی ماری جائیگی۔"

میں" عذرا! آپ ایک بے گناہ کے خون سے کیوں اپنے ہاتھ رنگنا چاہتی ہیں؟

خون کرنا یُوں ہی گُناہ ہے اور گناہ کا نتیجہ آپ بقول خود بُھگت چکی ہیں - آپ کو اپنے سر کی قسم بھی نہ کیجئے گا "

عذرا :- پھر وہی گناہ گناہ گائے جائیگا - جو چیز ہماری راحت ہمارے اطمینان میں مخل ہو اس کا زندہ رہنا گناہ ہو سکتا ہے - نہ کہ مار ڈالنا - اگر مار ڈالنا گناہ ہو تو ہماری ہستی خود ایک گناہ بنی جاتی ہے - ہماری تمام کوششیں ہر وقت اسی پر ختم ہوتی ہیں کہ کسی طرح وہ تمام ناموافق چیزیں جو ہمیں مضر ہوتی ہیں - جتنے کہ آب و ہوا تک باقی نہ رہیں اور ہم رہیں - ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ چیزیں ہمارے لئے مضر ہیں - ہم سے ضعیف ہیں یا قوی - دنیا و مافیہا جو کچھ ہے سب قوی ہی لوگوں کے واسطے ہے - اکثر تُو نے دیکھا ہو گا کہ ایک بڑا درخت لاکھوں چھوٹے چھوٹے درختوں کو تباہ کر دیتا ہے - دریا کی بڑی مچھلیاں چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو اپنی خوراک بناتی ہیں - ہم ہزاروں کو مار کر قوت و عظمت حاصل کرتے ہیں - تجھے خیال نہیں ہوتا کہ اکثر چیزیں جو تُو کھاتا ہے ضعیف اور بے آزار جانوروں کا آذوقہ چھین کر کھاتا ہے تو کہتا ہے کہ گناہ کا نتیجہ ہر حالت میں بد ہوتا ہے - یہ تیری ناتجربہ کاری ہے یا ہٹ دھرمی - میرے نزدیک تو اکثر وہ افعال جن کو تو گناہ کہیگا نیک نتیجہ پیدا کرتے ہیں بھلائی سے بُرائی اور بُرائی سے بھلائی پیدا ہوتی ہے - ایک ظالم کی سلطنت اکثر اوقات آئندہ آنے والوں کے لئے رحمت کا باعث ہو جاتی ہے - ایک حلیم الطبع انسان کے وجود سے اہل دنیا پر آفت آ جاتی ہے - اکثر جانوروں کو مار ڈالنے سے ہزاروں بنی آدم کی جانیں بچ جاتی ہیں اور ایک گنہگار کو قتل کر ڈالنے سے بہت سوں کا رزق چھن جاتا ہے - انسان اپنی مرضی کے موافق نیک و بد سب ہی کچھ کر لیتا ہے - اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا - نیکی اور بدی - الفت و نفرت شیریں و تلخ مرد اور عورت - زمین و آسمان - ہر چیز گویا ایک دُوسرے کی ضد ہیں - مگر لازم و ملزوم ہیں - ذرا غور کر کے دیکھ اور کہہ تو دے کہ فلاں چیز فضول ہے ہم جب ان کی اصلیت ہی کو نہ سمجھینگے تو کہہ ہی کیا سکینگے - ممکن ہے کہ جو چیزیں ہماری نگاہ میں بُری معلوم ہوں دوسروں کی نگاہ میں بھلی لگیں - مگر یہ کوئی نہیں

کہ سکتا کہ روشنی اچھی اور اندھیرا بُرا ہے ۔ کچھ سمجھا ؟"

میں نے سوچا کہ ایسی کج فہم عورت سے کج بحثی کرنا بالکل فضول ہے ۔ یہ کمبخت اگر اپنے منطقیانہ دلائل پر اُتر آئی تو ہمارے مفروضہ اخلاق کو جڑ سے پکڑ کر ہلا دیگی لیکن مجھے تو جس طرح بنے اُستن کو بچانے کا فکر تھا ۔ لاچار ایک مرتبہ اور کوشش کی ؂

میں "آپ کی تقریر میرے لئے بہت ہی قوی ہے ۔ میں خود آپ سے بحث کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا ہوں لیکن آپ نے ہی ایک مرتبہ یہ کہا تھا کہ انسان خود اپنے اور دوسروں کے لئے ایک قسم کا قانون ہے ۔ کیا آپ کے دل سے اس بے گناہ کے لئے رحم کا مادہ بالکل اٹھ گیا ۔ جو کچھ آپ کرنا چاہتی ہیں ۔ اس پر ایک مرتبہ پھر غور کر لیجیے ۔ میرے نزدیک تو آپ جو کچھ کرنا چاہتی ہیں ۔ سخت ناواجب ہے اور اپنے فعل سے اس شخص کو بھی رنج پہنچ جائیگا ۔ جس کا آپ نے دو ہزار برس انتظار کیا ہے کیا اس کے خیر مقدم میں آپ ایک بے گناہ کی مفت جان لینا جائز سمجھینگی ؟ اتنا تو خیال کیجیے کہ اگر یہ عورت جس کے خون کی آپ پیاسی ہو رہی ہیں نہ ہوتی تو آپ کا قرطیس آپ تک کبھی نہ پہنچتا ۔ وہ کبھی کا آپ کی رعایا کا لقمۂ چرب بن گیا ہوتا اسی عورت نے اپنی جان پر کھیل کر آپ کے قرطیس کو بچایا اور آپ تک پہنچایا اس کا صلہ آپ بہت ہی معقول تجویز فرما رہی ہیں ۔ آپ ہی کہتی تھیں کہ صدیاں گزریں کہ آپ نے اس شخص یعنی قرطیس کو محض امیزاٹس کے رشک سے قتل کر دیا تھا ـــ "

عذرا "تجھے یہ نام کیونکر معلوم ہؤا ۔ میں نے تو کبھی تیرے سامنے یہ منحوس نام لیا ہی نہیں ؟"

میں "مجھے کسی طرح معلوم ہو گیا ۔ کسی نے سنایا خواب میں دیکھا ۔ کیونکہ ان کھوؤں میں خواب بھی تو عجب طرح کے آتے ہیں ۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ میرا خواب جھوٹا نہ تھا بہر حال اس سے بحث نہیں پر میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ آخر اس خون کا کیا بدلہ ہؤا ؟ یہی نا کہ آپ بقول خود دو ہزار برس تک دوزخ میں رہیں ۔ اس پر آپ کو صبر نہیں آیا اور وہ ہی فعل (یعنی قتل بے گناہ) پھر کرنا چاہتی ہیں ۔ یاد رکھئے ۔ کہ

اس کا نتیجہ بہت ہی بُرا ہوگا۔ کیونکہ بہرحال بھلائی سے بھلائی اور برائی سے بُرائی ہی پیدا ہوتی ہے۔ جتنی مثالیں آپ نے دی ہیں ان پر بھی اگر غور کیا جائے تو یہی نتیجہ نکلیگا۔ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اگر آپ نے اس عورت کو قتل کر ڈالا تو معاف کیجیے گا۔ مدت العمر کے لئے طوق لعنت آپ کے گلے میں پڑ جائیگا اور مرنے کے بعد جو کچھ ہوگا اُس کا علم خدا کو ہے۔ آخر آپ سمجھی کیا ہیں؟ اپنا یا بقول آپ کے قرطیس کی پہلی نظر جو آپ پر پڑیگی تو اس حالت میں کہ آپ کے ہاتھ میں چھُری ہوگی آپ کے کپڑوں پر خون کے دھبے ہونگے اور بے گناہ عورت جس نے اس کی جان بچائی ہے آپ کے پیروں میں بسمل تڑپ رہی ہوگی تو وہ ضرور آپ کو پیار کی نظروں سے دیکھے گا۔ اور آئندہ بھی ضرور آپ سے محبت کریگا۔ ذرا اس خیال کو اپنے دل سے دور ہی نہ رکھئے"!

عذرا "اس سے تو تُو مجھے نہ ڈرا۔ اگر اس عورت کے ساتھ میں تجھے بھی مار ڈالوں تب بھی وہ میرا شیدا ہی ہوگا۔ اس کو اس سے مفر ہی نہیں۔ لیکن میرے نصیب ہی پھر جائیں تو اَور بات ہے۔ خیر میں تیری خاطر سے اس عورت کو چھوڑے دیتی ہوں۔ میں کہہ چکی ہوں کہ میری سختی محض بے رحمی کے لئے نہیں ہوتی۔ مجھے اپنا کام نکالنا مقصود ہوتا ہے۔ مجھے تو اَوروں کی مصائب دیکھ کر خود قلق ہوتا ہے۔ اچھا اُسے میرے پاس جلدی بلا لا۔ ایسا نہ ہو کہ میرے خیالات بدل جائیں"!

میں ایک حد تک اپنی کوشش میں کامیاب ہو کر بہت ہی خوش ہؤا۔ فوراً اُستن کو پکارا۔ وہ بیچاری ایک دیوار سے لگی کھڑی تھی دوڑی آئی۔

اُستن "کیوں اسد تو زندہ ہے؟ خدا کے واسطے بُری خبر نہ سُنانا"!

میں "اسد اچھا ہوگیا۔ تمہیں ملکہ بلاتی ہیں۔ جلدی آؤ"!

اُستن ایک آہ سرد بھر کر میری طرف آئی۔ اس کی صورت دیکھ کر مجھے ترس آگیا۔ اس کی پھٹی ہوئی آنکھیں تو اس وقت تک یاد آکر میرے دل کے لئے نشتر کا کام کرتی ہیں۔ وہ اپنے اصول کے موافق وہیں لیٹ گئی اور چوپایہ بن کر کمرے میں داخل ہوئی۔

عذرا "کھڑی ہو جا! اور ادھر آ"

استنن سر جھکا کر ملکہ کے سامنے جا کھڑی ہوئی

ملکہ "یہ شخص جو سو رہا ہے تیرا کون ہوتا ہے؟"

استنن (نہایت ادب سے) "یہ میرا شوہر ہے"

ملکہ "اس سے تیری شادی کس نے کی ہے؟"

استنن "اپنے ملک کی رسم کے موافق میں نے خود اس سے شادی کر لی ہے"

ملکہ "تو نے بہت ہی بُرا کیا کہ ایک اجنبی چلتے پھرتے مسافر کو اپنا شوہر بنایا۔ چونکہ یہ تیرا ہموطن اور ہم قوم نہیں لہٰذا تیرے ملک کی رسموں کا وہ پابند نہیں ہو سکتا۔ چونکہ تو نے یہ فعل غلطی سے کیا ہے۔ اس لئے میں تجھے چھوڑے دیتی ہوں۔ ورنہ میں مار ڈالتی۔ اب سُن لے کہ تو فوراً یہاں سے نکل جا۔ اور اپنے کھوؤں میں جا کر اس طرح چھپ رہ کہ کوئی نہ جانے تو کون ہے۔ اس واقعہ کا بھی کبھی کسی سے ذکر نہ کرنا اور نہ اس مرد کی طرف کبھی آنکھ اُٹھا کر دیکھنا۔ یہ شخص تیرے واسطے نہیں ہے۔ پھر سُن رکھ اور اچھی طرح سمجھ لے کہ اگر تُو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی تو تُو نہ ہو گی۔ چل جا"

اُستنن نے جنبش بھی نہ کی

ملکہ "عورت! جاتی نہیں؟"

اُستنن نے سر اونچا کیا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے چہرے پر بالکل مُردنی چھا رہی ہے

اُستنن (روتی ہوئی) "نہیں میں نہ جاؤنگی۔ یہ شخص میرا شوہر ہے۔ مجھے اس سے اور اس کو مجھ سے محبت ہے۔ ہائے مجھ سے نہ چھوڑا جائیگا۔ آپ کیوں مجھ سے میرا شوہر چھڑوانا چاہتی ہیں؟"

میں نے دیکھا کہ عذرا غصے کے مارے کانپ گئی۔ میں ڈرا کہ بنا بنایا کام بگڑا

میں (یونانی میں) "عذرا! خدا کے واسطے رحم کرو۔ جو کچھ اس کی زبان سے نکل رہا ہے سخت اضطراب و اضطرار میں"

عذرا (یونانی میں) "اس وقت تک تو میں برسرِ رحم ہی ہوں۔ ورنہ یونہی کھڑی رہتی؟"

(اُستن سے عربی میں) اُستن۔ دیکھ میں پھر کہتی ہوں۔ نکل جا۔ کیوں اپنی جان کی دشمن ہوئی ہے"۔

استن :۔ "میں ہرگز نہ جاؤنگی۔ یہ شخص میرا ہے۔ مَیں نے اس کی جان بچائی ہے۔ اگر تجھ میں طاقت ہے تو مجھے مار ڈال۔ میں اپنے شوہر کو کیسے چھوڑ دوں"؟

عذرا دفعتہً گھومی اور جھک کر اُستن کے سر پر آہستہ سے ایک طمانچہ مارا۔ استن تو وہیں بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ جہاں عذرا کا ہاتھ پڑا تھا اُستن کا سر سفید ہو گیا۔ اور اُس نے وہیں اپنا ہاتھ رکھ لیا۔

میں (گھبرا کر) "اف! یہ کیا غضب ہے"؟

عذرا :۔ "احمق کی بچی سمجھتی ہے کہ مجھ میں کچھ طاقت ہی نہیں۔ اجنبی! آئینہ لا۔ یہ مردار اپنی صورت تو دیکھ لے (میں نے جلدی سے آئینہ نکال کر عذرا کو دیا) لے اپنے سر کو دیکھ اور بتلا کہ مجھ میں کچھ طاقت ہے یا نہیں"؟

اُستن نے وہ سفید نشان دیکھا اور رو کر وہیں زمین پر گر پڑی۔

عذرا :۔ "بول اب جاتی ہے یا میں اپنی طاقت دکھلاؤں۔ یہ تو میں نے اپنی مہر کردی ہے تاکہ جب تک تیرے تمام بال نہ سفید ہو جائیں میں تجھے پہچان سکوں۔ اگر میں نے تیری صورت پھر کبھی یہاں دیکھی تو یاد رکھ کہ تیری ہڈیاں بھی ایسی ہی نظر آئینگی"۔

اُستن اب کیا بول سکتی تھی۔ بیچاری روتی ہوئی اٹھی اور چپ چاپ چلی گئی۔

عذرا (مجھ سے) "حنیف! تو اتنا کیوں گھبرایا ہُوا ہے؟ یقین جان کہ میں جادوگرنی نہیں ہوں۔ دیہ جو کچھ تو نے دیکھا ایک شعبدہ ہے اور ایک دوا کا اثر۔ تاکہ اس کو خوف پیدا ہو جائے۔ میں اب قرطیس کو اپنے کمرے میں اٹھوا لے جاؤنگی۔ تم دونوں بھی وہیں آ ٹھیرو۔ تاکہ میں ہر وقت خبرگیراں رہ سکوں۔ دیکھ خبردار ہوش آنے پر قرطیس سے یہ نہ کہ دینا کہ میں نے اس عورت کو نکال دیا ہے اور میرا ذکر بھی اس سے بہت ہی کم کرنا۔ دیکھ میں نے تجھ سے کہ دیا ہے۔ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں"۔

عذرا مجھے میرے خیالات اور ان واقعات کے حوالے کر کے فوراً چلی گئی۔ میں کچھ تو خوف اور کچھ ان عجائبات سے بالکل دیوانہ سا ہو رہا تھا۔ غنیمت ہُوا کہ سلسلۂ خیالات

نے مجھے کہیں نہیں پہنچایا تھا کہ عذرا کے گونگے باڈی گارڈ آگئے اور امین کو اٹھا لے گئے۔ مَیں اور ایوب بھی ان کے ساتھ ہی چلے گئے۔ ہمارا یہ کمرہ عذرا کے کمرے سے بالکل ملحق تھا۔ یہ وہی کمرہ ہے جس میں مَیں نے سب سے پہلے عذرا یا یُوں کہو کہ عذرا کا برقع دیکھا تھا۔ یہ اس وقت تک مجھے تحقیق نہ ہُوا تھا کہ عذرا سوتی کہاں ہیں؟ غالباً قریب ہی کوئی کمرہ ہوگا۔

امین رات بھر بالکل مُردے کی طرح پڑے سوتے رہے۔ کروٹ تک نہیں بدلی۔ مَیں بھی فی الجملہ خوب سویا۔ مگر خوابوں کی بھرمار رہی۔ خاص کر دو طرح کے۔ ایک تو وہی عذرا کی شعبدہ بازی کے متعلق۔ اور دوسرا ان ہڈیوں کے ڈھیروں کے متعلق۔

مَیں نے دیکھا کہ وہ تمام ہڈیاں میرے دیکھتے ہی دیکھتے جی اٹھی ہیں۔ اور ہزاروں آدمی ایک باقاعدہ فوج کی طرح کوچ کر رہے ہیں۔ سُورج کی شعاعیں ان کی سفید وردیوں پر پڑ رہی ہیں۔ شہر کور کے دروازے اُن کے واسطے کھُل گئے لیکن شہر بھر سنسان ہے۔ محلات ویران ہیں۔ بازاروں میں سناٹا ہے۔ کوئی ذی روح نظر نہیں آتا۔ یکایک ان ہڈیوں نے نعرے لگانے شروع کئے۔ کور تباہ ہوگیا۔ کور ویران ہوگیا۔ کور کھو گیا۔ یہ بے گوشت ہڈیاں دیواروں پر چڑھ گئیں۔ بڑے بڑے مکانوں کو پھاند گئیں۔ شہر کے دوسرے دروازے تک پہنچتے پہنچتے سُورج غروب ہونے لگا۔ دروازہ بند پاکر وہ فوج پھر پلٹی۔ اور یکے بعد دیگرے ہر ایک کی ہڈیاں کھوہ میں گرنے لگیں۔ اس آواز سے ڈر معلوم ہُوا اور آنکھ کھُل گئی۔ دیکھا تو عذرا ہمارے کمرے میں سے ہو کر اپنے کمرے میں جا رہی ہیں۔ مَیں نے لاحول پڑھی اور کروٹ بدل کر سو گیا۔ اس مرتبہ مجھے صبح تک خبر نہیں ہوئی۔ ضروریات و نماز و وظیفہ سے فارغ ہُوا ہی تھا کہ عذرا بُرقع اوڑھے ہوئے آگئیں۔

عذرا "ہلیف! آج رات کیسی گزری؟"

مَیں (سلام کرکے) "آپ کی عنایت سے جیسی گٹی کٹ ہی گئی"۔

عذرا (مُسکراکر) "میری عنایت سے کیا معنی؟ اب تھوڑی دیر میں یہ بھی جاگ

اُٹھینگے - بخار تو یقین ہے کہ اب اُتر گیا ہو گا"

عذرا نبض دیکھنے کے لئے جھکی تھی - کہ امین نے انگڑائی لی - اور دو کروٹیں بدل کر آنکھیں کھول دیں اور ایک عورت کو جھکا ہوا دیکھ کر گلے میں باہیں ڈال دیں۔

امین "اُستنی منہ کیوں لپیٹے ہوئے ہو؟ کیا کہیں دانت میں درد ہے؟"

ایوب امین کو سُن کر شکر کرتا ہوا اس کے پاس جا بیٹھا اور مزاج پُرسی کرنے لگا امین ایوب کو دیکھ کر کچھ شرمایا اور عذرا کے گلے سے باہیں نکال لیں۔

امین "ایوب! سخت بھوک معلوم ہو رہی ہے - کچھ ہو تو لاؤ (اِدھر اُدھر دیکھ کر) یہ ہم کہاں آگئے - یہ کیا جگہ ہے؟"

ایوب (عذرا کو کنکھیوں سے دیکھ کر) "مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ کیا جگہ ہے تو پہلے ہی بات نہ ہوتی - امین! تم زیادہ بات کرنے کی کوشش نہ کرو - تم بہت ہی بیمار رہے ہو ایسا نہ ہو کہ سر میں درد ہونے لگے (عذرا کی طرف اشارہ کرکے) مجھے ان سے ڈر معلوم ہوتا ہے - یہ ہٹ جائیں تو تمہارے واسطے کچھ لاؤں"

عذرا بالکل خاموش کھڑی یہ گفتگو سُن رہی تھی - ایوب کے ادھر اشارہ کرنے سے امین کی بھی ان کی طرف توجہ ہوئی۔

امین "ہیں! یہ کون ہیں؟ اور اُستنی کہاں گئیں؟"

عذرا ہمارے سامنے سب سے پہلی مرتبہ امین سے بولیں - مگر لطف یہ ہے کہ جو کچھ کہا بالکل جھوٹ۔

عذرا "اُستنی کہیں کام گئی ہے - اُس کی جگہ میں خدمت کے لئے حاضر ہوں کہئے"

عذرا کی نازک اور دلکش آواز سے امین کی کچھ اور آنکھ کھلی اور وہ بڑی دیر تک اس کفن یا بُرقع کو دیکھتے رہے لیکن کچھ بولے نہیں - اس اثناء میں ایوب یخنی لے آیا یخنی پی اور پھر سو گئے - بعد میں معلوم ہوا کہ ایوب نے ایسے ہی موقع کے انتظار میں کچھ چڑیاں شکار کرکے اپنی ترکیب سے پہلے ہی یخنی تیار کر رکھی تھی۔

امین پھر جاگے تو مختلف سوالات کی بھرمار کر دی - مَیں نے بمشکل تمام صبح تک

ٹالا۔ الحمد للہ کہ دُوسرے روز وہ بالکل تندرست ہو کر اُٹھے۔ اِس وقت میں نے مختصر ان کی بیماری اور اپنے سفر کا حال کہ سنایا۔ چونکہ عذرا ہمارے سر پر بیٹھی تھیں اور کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ البتہ اتنا کہ دیا کہ یہ اس ملک کی ملکہ ہیں اور اِن ہی کی وجہ سے تم نے زندگی تازہ پائی ہے۔ ملکہ بوجوہ برقع پوش رہتی ہیں۔

عذرا کی اکسیر دوا نے کرامات کی کہ دُوسری صبح تک امین کے نہ زخم باقی تھا نہ ضعف اور ان کے ساتھ ہی پچھلی باتیں بھی پیش نظر ہو گئیں۔ اُستن کا خیال اب تک اُن کے دل سے نہ گیا تھا۔ اپنی بیہوشی کے بعد سے لے کر اُس وقت تک کے حالات پوچھنے چاہے۔ لیکن عذرا کی پہلی ہی فہمائش کا اثر مجھ پر کچھ کم نہ تھا کہ انہوں نے مجھے پھر بُلا کر دھمکا دیا تھا۔ میں نے جس طرح ممکن ہؤا۔ اس مرتبہ پھر ٹال دیا۔

مَیں اپنے ذہن میں یہ سمجھ رہا تھا کہ عذرا مدتوں کی ترسی ہوئی ہے پہلی ہی ملاقات میں امین کے سر ہو جائیگی۔ مگر اللہ رے استقلال کہ خبر سے نباشد۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرتی رہیں کہ ان کی عزیز داشت ونگہداشت پُوری کی اور نہایت عزّت اور ادب سے پیش آتی رہیں اور جس طرح ممکن ہو سکا۔ اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ البتہ میں دیکھتا تھا کہ وہ اپنے جذبات کو بمشکل تمام ضبط کر سکتی تھیں۔ امین بھی اس عجیب وغریب عورت کے حالات معلوم کرنے اور صُورت دیکھنے کے لئے بہت ہی مستعجل تھے۔ یہ انہوں نے کئی مرتبہ کہا کہ اس کی دلکش آواز اور جسم کی ساخت سے مَیں ضرور بتلا سکتا ہوں کہ یہ عورت نہایت حسین ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اُستن کی صورت ان کے پیش نظر نہ ہوتی۔ تو وہ اب تک کبھی کے عذرا کے قدموں پر گر پڑے ہوتے۔ اگرچہ عذرا یا میری زبان سے اس وقت تک ان کو کوئی حالات نہیں معلوم ہوتے تھے۔ لیکن نہ معلوم ان کو کس طرح شبہ ہو گیا کہ ایک مرتبہ بڑے غوض وفکر کے بعد وہ کہنے لگے کہ ہو نہو یہ وہی عورت ہے۔ جس کا ذکر ہم والد کی تحریر اور اس کپتی کے ٹکڑے پر دیکھ چکے ہیں۔

تیسرے روز انہوں نے پھر مختلف سوالات کرنے شروع کئے۔ مجھے بہت ہی

تنگ کیا تو مَیں نے صاف کہ دیا کہ بھئی میں کچھ نہ بتلاؤنگا۔ تمہیں جو کچھ دریافت کرنا ہو ملکہ سے خود پوچھ لینا"۔ ایمن نے کھانا کھایا اور ہم سب عذرا کے پاس جا بیٹھے۔

عذرا ہمیں (بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ایمن کو۔ کیونکہ میں تو اب کوئی چیز باقی نہ رہا تھا) دیکھ کر اٹھیں اور بہت ہی تپاک سے آگے بڑھ کر ایمن سے اور پھر مجھ سے مصافحہ کیا

عذرا "مَیں تم کو چلتا پھرتا دیکھ کر بہت ہی خوش ہوتی ہوں (میری طرف دیکھ کر) بھلا ان کے بچنے کی کوئی صورت رہ گئی تھی (ایمن سے) یقین جانو کہ اگر میں اس وقت نہ پہنچ جاتی تو آپ کی زندگی ممکن ہی نہ تھی۔ خیر وہ خوف کا وقت جاتا رہا۔ اب یہ میرے ذمّے ہے کہ وہ وقت پھر کبھی نہ آنے دوں"۔

ایمن نے جھک کر سلام کیا اور پوری بلاغت ختم کر کے ان کا شکریہ ادا کیا۔

عذرا (مسکرا کر) "نہیں جان الفاظ کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے جیسے آدمی کے دنیا سے اٹھ جانے پر دنیا بھر کو تلق ہوتا۔ حُسنِ کامل بھلا دُنیا میں کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اور مَیں تو ——— خیر"۔

ایمن "اہا ہا یہ کہئے! تسلیم۔ عموماً آپ دیکھتے ہیں؟ آپ کس خوبصورتی سے بناتی ہیں (میرے کان میں) کہیں یہاں بھی قاہرہ کے سے قصے نہ پیش آئیں"۔

مَیں نے ایمن کے چٹکی لے لی کہ کہیں عذرا نہ سُن لیں۔

عذرا "یہاں مہمان کی تواضع کیا ہو سکتی ہے؟ لیکن یقین ہے کہ میرے خدمتگار ہر وقت آپ کے پاس رہے ہونگے۔ اگر تمہیں کوئی ضرورت ہو تو بے تکلف کہ دینا"۔

ایمن "سردست تو یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ جو عورت کئی روز سے میری بیمارداری کر رہی تھی، کہاں چلی گئی؟"

عذرا (ذرا شرما کر) "ہاں! وہ عورت۔ اچھا۔ مجھے ٹھیک تو معلوم نہیں لیکن وہ چلے جانے کو کہتی تھی۔ بیمارداری کرنی کچھ ہنسی نہیں۔ اور یہ وحشی کیا جانیں؟ ممکن ہے کہ وہ اب آجائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ آئے۔ ان وحشیوں کا اعتبار ہی کیا؟"

ایمن "عجب مضمون ہے۔ خیر لیکن یہ ضرور ہے کہ اُس کو میرے ساتھ محبت تھی۔ بڑے بُرے وقت میں میرے کام آئی تھی۔ اور سچ یُوں ہے کہ میرے دل کو بھی اس

اُس سے لگاؤ ہے"

عذرا ہنس کر چُپ ہوگئی

باب نوزدہم

از کجا ذرہ روزگارِ مَن فتاد
چوُں تو سنگیں دل بَلائے کافرے

اس کے بعد مختلف مضامین پر گفتگو ہوتی رہی۔ مگر چونکہ وہ نفس قصّے سے کچھ تعلق نہیں رکھتی لہذا اس کا اعادہ فضول ہے۔ اگرچہ عذرا کی عادت تھی۔ کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر اُلجھ پڑا کرتی تھیں۔ لیکن اس وقت نہ معلوم کس وجہ سے وہ حتی الوسع بہت ہی کم بولیں۔ چلتے ہوئے ہم سے کہا کہ تم سب کے بہلنے کے واسطے آج رات کو میں ناچ کراؤں گی۔ چونکہ یہ بھی تمہاری نظروں میں منجملہ عجائبات کے ہوگا۔ یقین ہے کہ تم سب محظوظ ہوگے"

مجھے تعجب ہوا کہ بنوالحجر جیسی خود دار قوم بھلا ان لغویات میں کیوں پھنسنے لگی۔ مگر بعد میں حافظ جعفر کی شہادت یاد آگئی۔ مَیں نے گھبرا کر عذرا سے کہا بھی کہ ہمیں اس ملک کی ایک دعوت تو عمر بھر بھولے گی نہیں۔ یہ آپ کا ناچ دیکھنے میں کیا کیا ناچ نچائے۔ مگر عذرا ہنسیں اور کہا کہ "گھبراؤ نہیں میرے سامنے کوئی ایسی حرکت نہیں ہوسکتی۔ اور یہ ناچ اگر تم نے نہ دیکھا تو شاید عمر بھر پچھتاؤ گے"۔ خیر ہمیں بھی اطمینان ہوگیا۔ زیادہ کچھ کہنے کا محل ہی نہ تھا

تینوں ظہر کی نماز پڑھ کر بیٹھے تھے کہ پھر طلبی ہوئی۔ عذرا ہماری منتظر ہی بیٹھی تھیں۔ دیکھتے ہی کھڑی ہوگئیں

عذرا کے نزدیک میرا عدم و وجود تو اب برابر ہوگیا تھا۔ ان کو جو کچھ کہنا ہوتا تھا۔ ایمن ہی کو مخاطب کرتی تھیں۔ بجز اس کے کہ کوئی خاص بات میرے متعلق ہو۔

مجھے اس کی شکایت نہیں۔ البتہ اس وقت بتقاضائے بشریت رشک ضرور تھا۔ مگر بقول شخصیکہ ؏ اب کیا رہا ہے جس پہ رقیبوں کا ڈر کریں ٭

عذرا "میں چاہتی ہوں تمہیں بھی ان کھوئوں کی سیر کرادوں۔ اگر تکلیف نہ ہو تو چلو۔ عجیب جگہ ہے ٭"

ایک نوجوان کو ایک عورت کے ساتھ رہنے کا بہانہ ہی چاہئے۔ ابین فوراً تیار ہو گئے۔ حالانکہ مجھے اُن کے ضعف کی وجہ سے اب بھی خوف ہی تھا ٭

اس سیر کو مفصل بیان کرنا گویا ان ہی باتوں کا اعادہ کرنا ہے۔ جن کو میں بیان کرچکا ہوں۔ البتہ یہ امر ظاہر کر دینے کے قابل ہے کہ اس مرتبہ وہ کھوئیں ہمیں نہیں دکھلائی گئیں۔ جن کو میں دیکھ چکا تھا۔ سب سے آخر ہمیں وہی مقام دکھلایا گیا جس کو دیکھ کر میں رات بھر ڈرا تھا۔ اس کے بعد ہم نے متوسط الحال لوگوں کی قبریں دیکھیں۔ یہ حقیقت میں قبریں تھیں۔ مگر کچھ اس قطع کی کہ شاید پہلے ایک کنواں کھودا گیا ہوگا۔ اور اس میں جتنے لوگ مرگئے تھوڑا بہت مصالحہ لگا کر یا بھر کر تہ بہ تہ کوئیں میں رکھ دئے گئے ٭

یہ تو ایک طبعی بات تھی کہ ابین پر اس سیر کا بڑا ہی اثر ہُوا۔ لیکن انہوں نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ ایوب بیچارے کا بہت ہی بُرا حال تھا۔ کانپتا جاتا تھا۔ اور بار بار واپس چلنے کا تقاضا کرتا تھا۔ اس ملک میں قدم رکھتے ہی اُس کے دل پر خوف غالب ہو گیا تھا۔ یہ تماشا دیکھ کر تو تعجب ہے کہ وہ رات کو زندہ کیونکر رہ گیا۔ اور حقیقت میں ایک جاہل ڈرپوک آدمی کو سینکڑوں لاشیں سینکڑوں برس کی بالکل اصلی حالت میں رکھی گھور رہی ہوں تو اُس کے قلب کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ اگرچہ ان بے جانوں کی آوازیں مدت ہوئی کہ بند ہو چکی تھیں۔ لیکن بقول ایوب کے ان میں سے ہر ایک پھاڑ کھانے کو دوڑتا تھا۔ اتفاق سے یاقوت بھی ہمارے

لہ مجھے کئی روز تک تعجب رہا کہ آخر ان کثیر التعداد کھوؤں کے کھودنے میں جو پتھر نکلے ہونگے وہ کس کام میں لگائے گئے ہونگے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کور کی شہر پناہ اور مختلف محلات شاہی اور امرا کے مکانات کے کام میں لائے گئے تھے ٭ (منیف)

ساتھ ہی تھا۔ ایوب کو ڈرا ہوا دیکھ کر کہنے لگا کہ "اس میں ڈرنے کی کون بات ہے؟ ایک دن آخر تو بھی ایسا ہی ہو جائیگا؟"

ایوب (یاقوت کو بُری نظر سے دیکھ کر) "کمبخت سٹھیا گیا ہے۔ کہتا ہے کہ ڈر ہی گیا ہے؟ ارے جانور پڑے نہ ڈریں آدمی کو تو ضرور ہی ڈر لگے گا۔"

امین کو پھرتے پھرتے بہت ہی تکان ہو گیا۔ میں نے عذرا سے کہ کر بمشکل تمام پیچھا چھڑایا اور اپنی جگہ پر آکر لیٹ گئے۔

بھلا عذرا کو کہاں چین پڑتا تھا؟ عصر کے بعد ہمیں پھر بلا لیا۔ ایوب اُنہیں بھی ایک کھلونا ہاتھ آگیا تھا۔ کہنے لگیں کہ "لاؤ اسے پانی کی سیر کراؤں۔ مجھے تعجب ہے کہ یہ اتنا بڑھا ہو کر بھی ڈرتا ہے۔"

میں "غریب نے کبھی گھر سے قدم نہیں نکالا۔ ڈرے نہیں تو کیا کرے۔ اس ہی پر کیا منحصر ہے۔ میں بھی تو ڈرا ہوا ہوں۔ یہ تو بیچارہ غمزدہ ہے۔ سترہ بچوں کا باپ ہے ان میں سے ایک بھی نہ رہا۔ بیوی بھی مر گئی۔ گھر تباہ ہو گیا۔ دل بہت ہی ضعیف ہے۔ ذرا سی بات کا بڑا اثر ہوتا ہے۔"

عذرا "یہ مجھے ابھی معلوم ہوا کہ یہاں کی سیریں دیکھ کر تو بھی ڈر گیا۔ ڈرنے کی تو کوئی وجہ نہیں۔ عبرت ضرور ہونی چاہئے۔ بہرحال اس بڈھے کو تماشا دکھاؤں دیکھوں اسے دیکھ کر کیا کہتا ہے۔"

عذرا نے ایوب سے کہا کہ اگر تجھے اپنے بچوں کی صورتیں یاد ہوں تو اس پانی میں دیکھ کر بتلا کہ یہی ہیں یا نہیں۔ ایوب پانی کی طرف جُھکا مگر اس طرح کہ ایک ہاتھ سے مجھے اور دوسرے سے امین کو پکڑ لیا۔ اس کے تمام بچے پانی میں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بقول اس کے اکثر کی صُورت تو وہی تھی۔ لیکن بعض پہچانے بھی نہ جاتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ایوب ان کی صُورت ٹھیک ٹھیک اپنے ذہن میں حاضر نہ کر سکا ہو گا۔ کیونکہ عذرا کی طاقت اس خصوص میں نہایت محدود تھی۔ پانی میں صرف ان ہی چیزوں کی تصویریں بن سکتی تھیں۔ جن کی تصویر دیکھنے والے کے دل میں صحیح پیدا ہو جاتی۔ لیکن اگر کسی جگہ یا کسی شخص کو

اُس نے خود دیکھا ہو تو اس مقام یا شخص کی تصویر بہت ہی صحیح پانی میں بن سکتی تھی۔ جیسے ہماری کشتی کی تصویر۔ دُوسروں کے دل پر اس کو پورا پورا اختیار نہ تھا۔ لہذا تصویروں کا درست ہونا بھی معلوم۔ اسی طرح جامع ازہر کی اندرُونی تصویر (جہاں تک مجھے یاد تھی) صحیح بن جاتی تھی۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ اس وقت وہاں کیا ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس مقام کو خود اس نے دیکھا نہ تھا۔ دوسرے کا ذہن موجودہ حالت پر پہنچ نہ سکتا تھا۔ ایوب کو اِن باتوں سے بحث نہ تھی۔ اس کے نزدیک تو مُرغے کی ایک ٹانگ یہ جادُو ہی تھا۔ ہزار سمجھایا کہ یہ بھی قوتِ مقناطیسی ہے اور اگرچہ عجیب چیز ہے۔ مگر مسمریزم سے خارج نہیں۔ مگر کون سُنتا ہے۔ وہ تو سحرِ سامری ہی کہتا رہا۔ ایوب بیچارہ اپنے بچوں کو یاد کر کے بہت ہی رویا۔ اور عذرا کے نزدیک وہ ڈر کے مارے رو رہا تھا۔ اُس نے کچھ اَور مذاق کرنا چاہا۔ مگر مَیں نے روک دیا۔ امین کو بھی تعجب ہوا۔ لیکن کچھ کہا نہیں۔ عذرا نے پوچھا تو آپ نے سر جھکا کر اتنا کہا کہ "میرے نزدیک تو لغویت ہے"۔ اور میرے نزدیک ہے بھی صحیح؛

شام ہو ہی گئی تھی۔ ہم نے وہیں نماز پڑھی۔ کھانا کھا ہی رہے تھے کہ یاقوت چوپایہ بنا ہوا آیا اور ملکہ سے عرض کیا کہ "ناچ کا تمام انتظام ہو گیا ہے"۔

عذرا اپنی وہی کالی کفنی (یا برقع) پہنے (جس کو میں اس روز رات کو لعنتوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا) تیار تھیں۔ ہمیں ساتھ لئے ہوئے باہر نکل آئیں کھوہ کے دہانہ سے پندرہ بیس قدم پر ہمارے واسطے کرسیاں بچھی تھیں۔ ہم تینوں جا بیٹھے۔ چونکہ ابھی تک کوئی شخص وہاں نہیں آیا تھا۔ اس لئے تعجب ہوا۔

امین "عمو! یہاں ناچے گا کون؟ یہ آسمان کے تارے؟"

عذرا "دیکھو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے"۔

اتنے میں مختلف کھوؤں سے پچاس یا ساٹھ بنوا بجر مشعلیں سی لئے ہوئے نکلے جن کے شعلے کوئی گز گز بھر اونچے اُٹھ رہے تھے۔ قریب آئے تو سب سے پہلے امین کی نظر پڑی۔ مجھے متوجہ کر کے کہنے لگے "عمو! آپ نے کچھ دیکھا بھی؟ یہ مشعلیں کاہے کی ہیں؟"

ہیں (بغور دیکھ کر) "اللہ اکبر! کیسی مشعلیں؟ یہ تو لاشیں جل رہی ہیں!"
حقیقت میں کسی شخص کے ہاتھ میں جلتا ہوا ہاتھ تھا تو کسی کے پیر۔ تمام لوگ ہمارے سامنے ایک ہلال بنا کر کھڑے ہو گئے عجب عبرتناک تماشا تھا مشکل یہ تھی کہ نہ اُٹھتے بنتا تھا نہ بیٹھے رہنے کو جی چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر میں یہ لوگ پہلوؤں پر ہو گئے اور سامنے میدان خالی چھوڑ دیا گیا۔ اس اثنا میں ہمارے سامنے چند لکڑیاں گاڑ کر اُن پر لاشیں ٹانگ دی گئی تھیں۔ ایک ظالم نے ایک عورت کی لاش کے پاؤں میں جا کر آگ دے دی۔ اور پھر دوسری اور تیسری اور چوتھی کے۔ یہاں تک کہ ہمارے سامنے چوبیس لاشیں دھڑ دھڑ جل رہی تھیں۔ شعلے زبانِ حال سے بے زبانوں کی طرف سے موکلانہ آسمان کی طرف جانا چاہتے تھے۔ ہڈیاں جل جل کر بددعائیں دے رہی تھیں اور عذرا کے نزدیک ایک سیر تھی۔ کس قدر عبرت کا مقام ہے۔ کہ وہی مصالحہ جوان مردوں کو زندۂ جاوید بنانے کے کام میں لایا گیا تھا۔ اس وقت بالکل تیل کا کام دے رہا تھا ؎

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

نیرو[1] نے اپنے باغ میں زندہ عیسائیوں کو کپڑوں میں تیل لگوا کر جلوایا تھا۔ یہاں شاید اس زمانے کے بعد پہلی دفعہ یہ تماشا ہمیں دکھلایا گیا۔ مگر غنیمت تھا کہ یہاں بجائے زندوں کے مُردوں پر ہاتھ صاف کیا گیا۔ لیکن ہمارے قلب پر دونوں کا

[1] یہ شخص شاہان رومۃ الکبرٰے میں چھٹا بادشاہ تھا۔ ۵۴ء عیسوی میں تخت نشین ہوا۔ ابتداءً تو بہت ہی حلیم مزاج۔ سلیم الطبع۔ عادل تھا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ دھوکا ہی تھا۔ چند ہی روز میں یہ مصنوعی نقاب اتر کر اس کی اصلی صورت معلوم ہو گئی۔ سب سے پہلے اپنی ماں کو قتل کیا۔ پھر تفریحِ طبع کے لئے روم میں قتلِ عام کرایا۔ کئی مرتبہ روم کے مختلف محلوں میں آگ لگوا کر تماشا دیکھا۔ مذہب مسیحی کا فروغ نہ دیکھ سکا۔ اور ایک ہی رات میں سینکڑوں بیگناہ عیسائیوں کے کپڑوں میں تیل لگوا کر اپنے پائیں باغ میں جلوا ڈالا۔ اپنی بیوی پر عیسائیہ ہونے کا شبہ کر کے بچوں سمیت اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ آخر اس کے ظلم فضول خرچی اور عیاشی سے خلقت تنگ ہو گئی۔ پیسو نامی ایک شخص نے سازش کر کے اس کو گرفتار کر لیا۔ اور اپنی ہی خواہش سے ایک درباری کے ہاتھوں ۶۸ء میں قتل کر ڈالا گیا۔ (حنیف)

یکساں اثر ہؤا۔ بلکہ اس کا زیادہ قوی۔ کیونکہ یہ خوفناک تماشا ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ جو حالت اس وقت خصوصاً میرے دل کی تھی میں کسی طرح بیان نہیں کر سکتا۔ اب بھی اگر کبھی خیال آجاتا ہے تو سوتے سوتے چونک اُٹھتا ہوں۔ ناظرین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس وقت میں دیکھنے والے کے قلب و دماغ کی کیا کیفیت ہو سکتی ہے۔ صدیوں کے اطمینان سے سونے والے مُردوں کا یُوں انفار کے ہاتھوں اس بیدردی کے ساتھ جلتے دیکھنا سخت خوفناک نظارہ اور عبرت خیز واقع تھا۔ آہ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان جلنے والے بیکسوں میں جمشید جلا ڈالا گیا یا سکندر۔ کوئی گمنام فقیر جل گیا یا نامور امیر۔ کس کو خیال تھا کہ ان لوگوں کی لاشوں کی اس خوبصورتی سے محافظت اِس غرض سے کی گئی تھی کہ یہ جلنے کے کام آئیں۔ ہائے کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اسی طرح ایک روز ہماری ہڈیاں بھی ایسے ہی ذلیل کام میں لائی جائیں اور ہم ہائے بھی مرنے پر اسی طرح وحشیوں کا تماشا بنیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ٭

وہ باشندگانِ گور جن کو یہاں کے کھنڈرات ڈھونڈتے ہیں اور نہیں ملتے۔ وہ باشندگانِ گور جن کو یہ کھوئیں عجب نہیں کہ قیامت تک روئینگی۔ وہ باشندگانِ گور جس کے صناعوں کے بنائے ہوئے عالیشان محل اپنے بانیوں کو کھو کر اب تک ششدر کھڑے ہیں۔ جب ٹخنوں تک جل جاتے تھے تو کوئی بدبخت آکر ایک ٹھوکر مار دیتا تھا۔ اور دوسری لکڑی پر ان ہی کے کسی بھائی کو پھر آگ لگا دیتا تھا۔ بے بسی کے ساتھ جل رہے تھے اور دم نہ مار سکتے تھے۔ اُن کے شعلے زمین سے دس دس گز اونچے اُٹھ کر اپنی صُورت حال جنگل کے حیوانوں کو دکھلا دکھلا کر مدد مانگتے ہیں۔ کیسا قیامت کا وقت ہے کہ ان کی اعانت کے لئے ایک چڑیا بھی دم نہیں مار سکتی۔ آخر بیچارے بیس ہی منٹ میں تو بالکل ٹھنڈے ہو جاتے ہیں ؎

خدا ہی اِس چُپ کی داد دیگا کہ تُربتیں روندے ڈالتے ہیں
مُسافرانِ عدم کسی سے نہ بولتے ہیں نہ چالتے ہیں

ہم تینوں کی یہ کیفیت تھی کہ بالکل مدہوش کھڑے اس تماشے کو دیکھ رہے تھے اس قدر حواس باختہ تھے کہ ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکتے تھے۔ ورنہ ممکن تھا

کہ ابین کے منع کرنے سے صدیوں کے آرام کے خوگر لوگوں کو یوں مصیبت میں نہ ڈالا جاتا۔

آخر یہ شفق بنو الجر ایک مرتبہ پھر ہمارے سامنے ہلال بنا کر آ کھڑے ہوئے۔ اور جلنے والوں کی لاشوں کو مہلت ملی۔

عذرا (قہقہہ لگا کر) "حنیف! کچھ دیکھا؟ میں نے کہا نہیں تھا کہ اگر یہ سیر نہ دیکھو گے تو پچھتاؤ گے۔"

میں "بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دیکھ کر بہت پچھتاتے۔ عذرا کوئی شخص بھی جس کو خدا نے عقل دی ہے۔ ایسی سیر دیکھ کر خوش نہ ہوگا۔ افسوس ہے آپ پر کہ آپ اس کو سیر کہتی ہیں۔ آپ کے سینے میں دل نہیں ہے۔ پتھر ہے۔ بلکہ اس سے بھی کوئی سخت چیز۔"

عذرا (مسکرا کر) "خدا آنکھوں کے ساتھ آدمی کو عقل سلیم بھی عطا کرتا تو کیا اچھا ہوتا۔ ارے نادان! اتنا تو دیکھ کہ اس واقعے سے جو سبق حاصل ہوتا ہے وہ دوسری طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی تماشا دیکھ کر یقین آنا چاہئے کہ جب آئندہ کوئی اعتبار نہیں تو آدمی کس برتے پر اپنی بچت و پز کرے۔ نیز یہ کہ آدمی کو کوشش کرنی چاہئے کہ اپنا موجودہ زمانہ ایسا گزارے کہ جس میں پوری طرح آسائش اور اطمینان بھی ہو اور مرنے کے بعد اس سے ہمدردی بھی کرنے والا رہ جائے۔ اگر ان امرا زادوں اور عابد فریب عورتوں کو یہ بات معلوم ہوتی کہ گو ان کی لاشیں ہزاروں برس تک باحتیاط رکھی رہینگی۔ مگر آخر انجام ان کا ایک وحشی قوم کے ہاتھوں یہ ہونے والا ہے تو وہ لوگ کیا کرتے؟ اچھا اب تماشا گاہ میں روشنی تو کافی ہے اب ناچ دیکھو۔"

اس شقی القلب عورت کی باتوں پر جی تو چاہتا تھا کہ یہیں گولی رسید کروں مگر سخت مجبوری تھی۔ خون کے سے گھونٹ پی کر خاموش ہو رہا۔

تھوڑی دیر میں جو لوگ لاشوں کی مشعلیں اٹھائے کھڑے تھے۔ اب سامنے آ کھڑے ہوئے اور ہمارے داہنی طرف سے اندازاً سو عورتیں اور بائیں طرف سے سو

ہی مرد نکل کر ناچنے لگے۔ ناچ کیا تھا بندروں کی اُچھل کود تھی۔ یا جتنی تصویریں اندر کھوؤں میں بنی تھیں اُن کی نقلیں کرتے تھے۔ اس میں پیدائش اور موت کے سین بھی تھے اور بادشاہ کی تخت نشینی اور قتل بھی۔ ان کو کیا بیان کروں اور کہاں تک بیان کروں۔ اس ناچ میں ایک واقعہ قابل ذکر ہوا۔ وہ چونکہ گونہ دلچسپ ہے اس کا ذکر کرتا ہوں ؀

ایک کالی بلا ہٹی کٹی ڈائن عورت۔ جیسے کوئی شراب کے نشے میں ہوتا ہے جھومتی ہوئی آئی اور ہمارے قریب ہی آکر بیٹھ گئی اور چیخ چیخ کر کہنے لگی "کالا بکرا لاؤ۔ کالا بکرا لاؤ" ؀

کئی مرد اور عورتیں اس کے اردگرد آجمع ہوئیں۔ اور سب نے تشخیص کی کہ اس پر بھوت چڑھ گیا ہے ؀

چند شخص کالا بکرا لانے کی فکر میں گئے اور یہاں اُس چڑیل نے پھر "کالا بکرا کالا بکرا" چیخنا شروع کیا ؀

لوگ "ہاں ہاں ابھی آتا ہے" ؀

وہی چڑیل "کالا بکرا لاؤ۔ کالا بکرا" ؀

لوگ "اچھا اچھا۔ ابھی آتا ہے" ؀

اتنے میں وحشی کہیں سے ایک کالا بکرا بھی پکڑ لائے۔ وہ چڑیل برابر "کالا بکرا" پکارے جاتی تھی۔ خدا خدا کرکے بکرا ذبح ہوا۔ اس عورت نے اس کا خون پیا تو چین آیا ؀

اس کے بعد اس غولِ بیابانی سے تمام میدان صاف ہوگیا۔ ہم نے سمجھا کہ امن ہوگیا۔ اجازت لے کر اُٹھنے ہی کو تھے کہ ایک طرف سے بڑے بڑے کُتّے لنگور بھیڑیئے۔ گدھے۔ بکرے۔ چیتے۔ ہرن آنے شروع ہوئے۔ سخت پریشانی ہوئی۔ کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جانور نہیں۔ حضرات بنو الجبر ہی کھالیں پہنے ہوئے ہیں۔ ناچے۔ کودے۔ کھیلے۔ سب ہی کچھ ہوا۔ یہ شرمناک نظارہ ہم سے تو نہ دیکھا گیا۔ میں نے عذرا سے کہا کہ "اگر آپ اجازت دیں تو ہم ان چلی ہوئی

لاشوں کو دیکھ آئیں۔ عذرا کو چھوڑ کر ہم نے دو چار لاشوں کو دیکھا۔ جل کر سفید ہو گئی تھیں۔ راکھ اڑی اڑی پھرتی تھی۔ اُدھر اندھیرا تو تھا ہی اور سوائے ہمارے اَور کوئی تھا بھی نہیں۔ مَیں نے دل کھول کر اطمینان سے ان وحشیوں کو گالیاں دیں۔ سامنے سے ایک بکری آتی ہوئی دکھائی دی۔ مَیں ڈر کر چُپ ہو رہا۔ یہ بکری ذرا اندھیرے میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ اور وہیں سے آواز آئی۔ اِدھر آؤ۔ خیال کیا تو اُستن کی آواز تھی۔ ایبن بے سوچے سمجھے اُدھر چلے گئے۔ اور مَیں پیچھے پیچھے۔ دیکھا تو واقعی بکری کے لباس میں اُستن تھی۔

اُستن ''اسد! آخر میں نے تجھے ڈھونڈھ نکالا۔ ملکہ ''مطاع الکل'' مجھے اب زندہ نہ چھوڑیگی۔ نسناس! تونے سُن ہی لیا ہوگا کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا۔ اسد! مجھے تجھ سے بڑی محبت ہے اور تو میرا ہو چکا ہے۔ کیا اب تو مجھے دھوکا دیکر چھوڑ جائیگا۔ میں نے تیری جان اس لئے تھوڑا ہی بچائی تھی کہ تو میرے ساتھ دشمنی کریگا۔ مَیں پہلے ہی مر جاتی تو اچھا تھا۔''

ایبن ''مجھے تعجب ہے کہ تم مجھے چھوڑ کر کیوں چلی گئی تھیں؟ میں تجھے عمر بھر نہ چھوڑونگا۔ چلو ملکہ سے تجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت لے دوں۔''

اُستن (کانپ کر) ''نہیں نہیں وہ مجھے فوراً مار ڈالے گی۔ تجھے اس کی طاقت[1] کا حال معلوم نہیں ہے۔ نسناس جانتا ہے۔ اس سے پُوچھ لے۔ اگر تجھے بھی میرے ساتھ محبت ہے تو بس ابھی میرے ساتھ بھاگ چل۔ جس طرح ہو سکے تا ہم دونوں نکل چلیں گے۔ اور دلدلوں کے پار ہو جائینگے۔

ایبن کو دیکھا تو بالکل تیار تھے۔ مَیں نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ ''ایبن دیکھ خدا کے واسطے ایسا نہ کرنا۔ بالکل اپنے اور میرے ساتھ دشمنی ——''

اُستن ''اسد! کچھ نہ سُن اور میرے ساتھ ہو لے۔ بس جلدی چل۔ مجھے ہوا میں سے مَوت کی بو[2] آتی ہے۔ دیکھ شاید ملکہ ''مطاع الکل'' ہماری باتیں سُن رہی ہوگی۔

---

[1] وحشیوں کی قوتِ شامہ خدا جانے کیسی ہوتی ہے کہ اکثر بڑی بڑی باتوں کی پیشینگوئی وہ سونگھ کر دیتے ہیں اور اکثر اوقات یہ پیشگوئی بالکل صحیح پڑتی ہے (حنیف)

اُستن نے امین کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اور بے تکلف اُن کو چُومنا شروع کیا۔ اور گھبراہٹ میں امین کو تے ہوئے آگے بڑھی ہی تھی کہ میں نے پھر امین کو روکا۔ اور منت خدا کے واسطے دلائے۔ مگر اس وقت امین کا نشہ ایسا نہ تھا کہ ایسی ایسی خفیف ترشیاں اتار دیتیں وہ پھر آگے بڑھے کہ دفعتہً میرے کان میں عذرا کے ہنسنے کی آواز آئی۔ پلٹ کر جو دیکھتا ہوں تو واقعی عذرا یاقوت اور دو گونگے خدمتگاروں کو لیئے کھڑی ہیں۔ اُف جان ہی تو نکل گئی۔ مَیں نے سمجھا کہ بس اب خیر نہیں۔ سب سے پہلے تیری جان جائے گی۔ قریب تھا کہ بیہوش ہو کر گر جاؤں مگر سنبھل گیا۔ اُستن بیہوش ہو ہی گئی۔ مگر واہ رے امین۔ ذرا شرمندہ تو معلوم ہوتے تھے۔ باقی اثر ڈھونڈے بھی نہ ملتا تھا۔ ان کو کیا خبر کہ عذرا کس بلا کی عورت ہے ؛

باب ششم

بجرمِ عشقِ توام مے کشند و غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

تھوڑی دیر کے لیئے بالکل سناٹا رہا۔ یہ یاس دبیم کا وقت میرے لئے بہت ہی سخت گزرا۔ آخر عذرا امین کی طرف مُتوجہ ہوئیں ؛

عذرا (مُسکرا کر) "کیوں صاحب! شرمندہ کیوں ہوتے ہو؟ بکری کا شیر کی بغل میں ہونا بھی واقعی ایک تماشا ہے "؛

امین "کیسی شرمندگی"؛

عذرا "اُستن! تو کیا کہتی ہے۔ مجھے تو تیرا خیال ہی نہ ہوتا۔ مگر میرے لگائے ہوئے نشان تیرے سفید بالوں نے تجھے ظاہر کر دیا۔ اندھیرے میں تو نے بغل گرم

کرنے کا اچھا موقع پایا۔ مُردار میں تو سمجھی تھی کہ تو یہاں سے دفع ہوگئی ہوگی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تو میرے حکم کو ایسا حقیر سمجھے گی“

اُستن ”تو مجھے کیوں نہیں مار ڈالتی کہ ایک دفعہ ہی فیصلہ ہو جاتے“

عذرا ”تجھے ابھی اپنی زندگی کی امید بھی باقی ہے؟ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تو دفعتہً بغل دلدار سے بغلِ گور میں جا پڑے۔ ایسی گرمیاں وہاں تھوڑا ہی ملینگی تڑپا تڑپا کر نہ مارا ہو تو سہی“

عذرا نے اپنے گونگوں کو کچھ اشارہ کیا۔ دونوں نے بڑھ کر اُستن کو پکڑنا چاہا تھا کہ ایبن جھپٹے اور ایک کے مُکا لگایا اور دوسرے کو دھکا دیکر گرا دیا۔

عذرا (قہقہہ) ”بہت خوب! اگر بیمار نہ ہوتے تو شاید دونوں کا خون کر ڈالتے۔ لیکن معاف کرنا۔ اب ایک طرف کھڑے ہو جاؤ۔ اور میرے حکم کی تعمیل ہونے دو اس مردار کو ابھی تو کوئی نقصان نہ پہنچیگا۔ جس سے تمہیں محبت ہے مَیں بھی اس کا لحاظ کرتی ہوں۔ ذرا میرے کمرے تک تو چلنے دو۔ خنکی بڑھ گئی ہے۔ کہیں پھر تمہیں بخار نہ ہو جائے“

مَیں نے بمشکل تمام ایبن کو پکڑ کر کھینچ لیا۔ اُن کے دخل دینے کا اتنا اثر تو ہوا کہ اُستن کو خود چلنے کی اجازت ہوگئی اور ہم سب عذرا کے کمرے میں داخل ہوگئے۔ ایوب بھی ہمیں دیکھ کر آگئے تھے ان کو ہٹا دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی یاقوت کو بھی۔ کمرے بھر میں ہم تینوں اور عذرا کی ایک معتمد چھوکری رہ گئی۔ عذرا اپنے پلنگ پر بیٹھی ہیں۔ ہم دونوں مجرموں کی طرح سامنے کھڑے ہیں۔ اور ہمارے داہنی طرف کسی قدر فاصلے سے حرماں نصیب اُستن۔

عذرا۔ حنیف! میں نے تیرے سامنے ہی تو اس مردار کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دیا تھا اور تو جانتا تھا کہ میں اس عورت کی صورت تک سے جلتی ہوں۔ تجھے اور واقعات بھی معلوم تھے پھر تجھے ان میں شامل ہونے کی کیونکر جرأت ہوئی۔ تیری بغیر اطلاع کے تو یہ واقعہ نہ ہوا ہوگا۔ سچ بتلا! میں اس معاملے میں جھوٹ سُننا گوارا نہ کروں گی“

میں "جو کچھ آپ نے دیکھا بالکل اتفاقی بات تھی۔ مجھے اس کا بالکل علم نہ تھا"
عذرا "خیر مجھے تیرا اعتبار ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ قصور اسی مردار کا ہے"
امین (غصے میں) "کیسا قصور اور کیسا گناہ؟ یہاں کی رسموں کے بموجب یہ میری بیوی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تیسرا شخص جو میرے اور اس کے درمیان میں دخل دے قصوروار ہے۔ نیز جو کچھ اس کا قصور ہے وہی میرا بھی ہے۔ پس جو سزا اس کو ہو گی اسی کا مستوجب میں بھی ہوں۔ اور یہ یاد رکھنا کہ اگر ان گونگے بدمعاشوں نے اس عورت کو بری نظروں سے بھی دیکھا تو ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔ ذرا کوئی آگے بڑھ کر تو دیکھ لے"

عذرا بالکل خاموش بیٹھی یہ باتیں سنتی رہی۔ جب امین کہ چکے تو وہ استن کی طرف متوجہ ہوئیں

عذرا۔ "کیوں تجھے کچھ کہنا ہے؟ کمبخت ذلیل تو میرے مقابلہ میں ایک مکھی اور مچھر تک کی وقعت تو نہیں رکھتی۔ اور میرے احکام کو کھیل بنانا چاہتی ہے۔ تجھے آخر میرے ہی زیر طناب یہ حرکت کرنے کی کیونکر جرأت ہوئی"؟

استن کو پہلے تجربوں سے معلوم ہی تھا کہ عذرا سخت ظالمہ ہے۔ غصے کی حالت میں اس سے کسی طرح کے رحم کی امید نہیں ہو سکتی۔ اور سب سے زیادہ غصہ اس کو حکم عدولی سے آتا ہے۔ اس وقت اس کو یقین ہو گیا کہ میں اس کے ہاتھوں بچنے والی نہیں۔ وہ ادب سے سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ عذرا کی طرف بڑھی اور نہایت مغرورانہ لہجے میں بےخوف جواب دینا شروع کیا

استن "ہاں تمام قصور میرا ہی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا جان بوجھ کر کیا۔ محبت کی کشش قبر کی کشش سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ میری زندگی بغیر اس شخص کے تلخ گزرے گی۔ اور جتنے روز میں نے اس کی صورت نہ دیکھی میں سمجھتی ہوں کہ شاید ایسا وقت میرے اوپر کبھی نہ گزرا ہو گا۔ میرا جی نہ مانا اور میں نے تیرے غصے کی کوئی پروا نہ کی۔ لے میں تجھ سے کہتی ہوں کہ مجھے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کا صلہ مل گیا کہ اس شخص نے مجھے آغوش میں لے کر اقرار کر لیا کہ وہ میرا چاہنے والا ہے

عذرا کچھ تلملا کر اٹھی مگر پھر بیٹھ گئی ؃

اُسنن :۔ میں نہ جادوگرنی ہوں - نہ ملکہ ہوں - نہ ہمیشہ رہنے والی ہوں - لیکن لوگوں کی نظریں پہچانتی ہوں - میں بُرقع اوڑھے ہونے پر بھی تیرے دل کی باتیں سمجھتی ہوں ؟

عذرا نے کچھ کہنا چاہا - مگر اُسنن نے تحکمانہ لہجے میں روک دیا ؃

اُسنن :۔ ظالم ملکہ! میں جھوٹ نہیں کہتی - تو ہزار چھپا مگر میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تجھے اس شخص سے محبت ہے اور محض اپنے جذبات کی خاطر تو اپنے بے گناہ رقیب کا کانٹا نکال پھینکنا چاہتی ہے - ظالم ملکہ! مجھے تیرے ہاتھوں بچنے کی کوئی امید نہیں ہے - مر کر نہ معلوم میں کہاں پہنچوں اور میرا کیا انجام ہو - مگر اتنا جانتی ہوں اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا ؃

میں اسد کو دیکھتے ہی دیوانی ہو گئی تھی اور معاً مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس چاہ کے جرم میں میری جان جائیگی - مگر میں اپنی جان کی پروا نہ کر کے اس کی ہو گئی اور اس کو اپنا کر لیا - اور دیکھ میرا خیال جھوٹا نہ تھا - موت اس وقت میرے سامنے کھڑی ہے - اب بھی میں تیرے سامنے اپنے عشق کا اقرار کرتی ہوں - خوب جان لے کہ یہ میرا ہے اور میرا ہی ہو کر رہیگا - تیرا حُسن اس پر پُورا اثر نہ کریگا - تیرا جادو اثر کر جائے تو کر جائے - تو اچھی طرح سمجھ لے کہ میرا خون ضرور رنگ لائیگا - میں دیکھتی ہوں کہ تیرے دن بہت کم رہ گئے ہیں - تو بھی اسی حسرت سے جان دیگی — ہائے — ذرا ٹھیر جا — سُن — ہائے — دیکھ — تو — ہائے ذرا سُن — ہائے ؟

اُسنن کی آواز بند ہو گئی اور دھڑ سے زمین پر آ رہی - عذرا اس کے سامنے کھڑی ہے اور اُسنن کی طرف ایک انگلی سے اشارہ کر رہی ہے - اس کی صورت پر خون برس رہا ہے اور اُسنن کی جان نکل رہی ہے - میں اور امین گھبرا کر اسنن کی طرف بڑھے - مگر وہاں خدا جانے کس اثر مقناطیسی سے اس کی جان نکل چکی تھی - پہلے تو ہماری سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کیا ہؤا - لیکن جیسے ہی امین کو معلوم ہؤا

کہ اُستنن ٹھنڈی ہوگئی۔ وہ غصّے میں عذرا کی طرف بڑھے۔ عذرا تو دیکھ ہی رہی تھی ذرا ہاتھ اُور بڑھا دئے اور امین جیسے ایک دھکا کھا کر میرے اوپر آ گرے۔ مَیں نے اُن کو پکڑ لیا۔ ورنہ زمین پر گر کر بڑی چوٹ آتی۔ بعد میں ان سے معلوم ہُوا کہ اس وقت انہیں ایسا معلوم ہُوا تھا کہ جیسے کسی نے سینے پر ایک مُکّا مار کر دھکا دیدیا ہے۔ اور تمام جرأت وحرارت سلب کر لی ہے۔

عذرا پھر اپنے پلنگ پر لیٹ رہیں اور اپنا مُنہ چھُپا لیا۔

کچھ ہی ہو مظلومہ اُستنن ہم تجھے قسمت کی دھنی ہی سمجھینگے۔ دُنیا کے عشاق کو یہ آخری حسرت رہی کہ اُن کا خاتمہ اس شخص کے سامنے ہو جس کے عشق کے جرم میں وہ مارے جاتے ہیں۔ مقدر نے کم سے کم یہ حسرت تو تیری پُوری کر دی۔

عذرا تھوڑی دیر میں پھر اچھی خاصی ہو بیٹھیں۔

عذرا (امین سے) "معاف کرنا کہ ــــــ"۔

امین (نہایت طیش میں) "ایک خونی کو کوئی معاف کر دے۔ کُٹنیا اگر میرا بس چلے تو ابھی تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں۔ مردم خور چڑیل معافی مانگتی ہے"۔

عذرا (مسکرا کر) "نہیں نہیں تمہیں حالات معلوم نہیں۔ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ مَیں تمہارے سامنے صدیوں کا راز کھول دوں۔ تو میرا آرام جان قرطیس ہے تیرے ہی واسطے دو ہزار برس سے مصیبت اٹھا رہی ہوں۔ اب جو تو ملا۔ تو اس عورت کا ہو کر۔ پھر کیونکر میں اس عورت کو زندہ رکھ سکتی تھی۔ قرطیس"۔

امین "یہ کمبخت کیوں جھوٹ بکنے پر کمر باندھی ہے؟ مجھے قرطیس کون کہتا ہے؟ میرا نام امین ہے۔ دغا باز کو کہیں سے میرے مورث اعلےٰ قرطیس کا نام معلوم ہو گیا ہے۔ بس چلی ہے دھوکا دینے"۔

عذرا "اچھا تجھے یہ معلوم ہے کہ تیرا مورث اعلےٰ قرطیس تھا۔ سچ جان کہ تیرا مورث اعلےٰ نہیں تو ہی قرطیس ہے۔ تو ہی مر کر زندہ ہُوا ہے۔ تو ہی میرا سرتاج ہے"۔

امین "مردار کا جھوٹ تو دیکھو۔ کمبخت مجھے قرطیس بنائے دیتی ہے کہ تو دیا کہ میں امین ہوں قرطیس نہیں۔ دھوکا دینا چاہتی ہے۔ کمبخت سرتاج کہ کر پھُسلاتی ہے"۔

عذرا:۔ بھلا تجھے کیا معلوم ۔ دو ہزار برس گزر گئے مدتوں تیری رُوح خدا جانے کہاں کہاں پھرتی رہی ۔ اب تو مجھے کیا پہچانیگا ۔ مگر قرطیس! میں اس وقت تک ویسی ہی حسین ہوں جیسی تو چھوڑ گیا تھا "

امین:۔ "بے حیا بکے جاتی ہے ۔ مجھے تیرے حُسن سے کیا واسطہ؟ حسین ہو یا کالی بلا ۔ مجھے تجھ سے تعلق کیا"؟

(ہنس کر)" کوئی گھڑی ہی جاتی ہے کہ تو میرے پیروں پر سر رکھیگا ۔ یہ ساری نفرت تشریف لے جائیگی اور تجھے اپنی زبان سے ماننا پڑیگا کہ تو میرا عاشق زار ہے میری رقیب کا مُردہ سامنے پڑا ہے ۔ میں چاہتی ہوں کہ اُس کی روح کو بھی چین نہ دوں ۔ آ خدا کے لئے آ! اور بغلگیر نہیں ہوتا تو خیر ۔ میرے پہلو میں تو آ بیٹھ "

امین نے کچھ جواب نہ دیا ۔ عذرا ان کے سامنے آ کھڑی ہوئیں

عذرا:۔ "قرطیس! لے دیکھ "

چاند کا ہالے سے نکلنا کہوں یا عذرا کا بُرقع اتارنا ۔ سورج پر سے بادلوں کا ہٹنا کہوں یا عذرا کے رُخ انور سے نقاب کا سرکنا ۔ دم کے دم میں وہ رشک حور اور غیرت پری اپنے معمولی تنگ و چست لباس میں امین کے سامنے کھڑی تھی ۔ یونانیوں کی وینس پانی سے یا گلیشیا پتھر سے ایسا صبر شکن حسن اور توبہ فراموش ادائیں کا ہے کو اپنے ساتھ لاتی ہونگی جو عذرا میں اس وقت تھیں ۔ امین تو آدمی تھے ۔ اگر فرشتہ ہوتا اور امین نہ بن جاتا تو مجھے تعجب ہوتا ۔ امین کی عذرا سے چار آنکھیں ہوئی تھیں کہ غصہ تعجب سے اور نفرت حیرت سے بدل گئی ۔ حُسن نے وہ جادو کیا کہ سب کچھ بھول گئے ۔ وہ پیچھے ہٹنا چاہتے تھے مگر آگے ہی بڑھتے بنتا تھا ۔ بچنا چاہتے تھے مگر نہ ہو سکتا تھا ۔ مجھے تعجب بھی ہوا اور ہنسی بھی آئی مگر معاً یہی خیال آگیا کہ اپنا حال تو یاد کرو ۔ تو اس سے دُگنی عمر کا ہے ۔ اس پر تو بیہوش ہو گیا تھا ۔ امین پھر بھی عالی ظرف ہے کہ کھڑا تو ہے

امین (سخت متعجب ہو کر) "اُرے عمو! یہ سچ مچ عورت ہے یا کوئی ــــــ "

عذرا (ہنسکر)" ہاں ہاں عورت ہوں ۔ آدم و حوا کی بیٹی ۔ شک کیے کیا معنی؟ دُوں

ہونے کو ملکہ ہوں۔ مگر قرطبیس تیری ادنےٰ کنیز ہوں"

عذرا نے ہاتھ پھیلائے اور ایمن آگے بڑھے۔ لیکن اتفاق سے اُن کی نظر اُستن کی لاش پر پڑی اور وہ چونک کر پھر ٹھٹک رہے۔

ایمن "نا۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ تُو تو وہی سفاک ہے نا——"

عذرا (مسکرا کر) "قرطبیس بس اس کا خیال جانے دے آ جا۔ اگر میں نے گناہ کیا ہے تو اپنے صدقے میں معاف کردے۔ مَیں نے جو کچھ کیا ہے تیرے جوش محبّت میں۔ اب نہ ترسا"

میں نے ایمن کو پھر پیچھے ہٹتا دیکھا۔ مگر خدا جانے کس کشش نے اس کو پھر دھکیلا۔ دم کے دم میں عذرا ان کے پہلو میں تھیں۔ دونوں دلدار ہم کنار تھے۔ اُف اس قدر رشک ہوا ہے کہ نہ دیکھا گیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ افسوس ہے کہ ایک عورت کے جادوئے حُسن نے مجھ پر وہ اثر کیا کہ اخلاق تو ایک طرف میں انسانیت سے خارج ہو گیا۔

احسان فراموش ایمن! یہ وہی اُستن ہے جس نے تیری جان بچائی۔ یہ وہی اُستن ہے جس نے تیرے واسطے جان دی۔ تجھے کچھ بھی خیال ہوتا ہے کہ تو اسی کی لاش پر بیٹھ کر اُس کی رقیب سے جشن اُڑا رہا ہے؟ ایمن! ایک مظلومہ کے احسانوں کا تو کیا اچھا معاوضہ دے رہا ہے۔ ظالم کچھ تو سمجھ کہ اس کی روح تجھے کیا کہتی ہوگی؟ کتنی دیر کے لئے آدمی کسی پر بھروسہ کرسکتا ہے؟ ایمن! میں تجھے ایسا نہ جانتا تھا۔ مگر سچ یُوں ہے کہ تیرا اس میں کیا قصور؟ حُسن کا جادو ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی کو کسی قابل چھوڑے جو کوئی حُسن کے ہاتھوں یوں بِکیگا۔ وہ اس سے بھی زیادہ اگر سنگ دل ہو جائے تو تعجب نہیں۔ مآلِ کار کون سوچے اور عزت وناموس کی کون پروا کرے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ عذرا سیر ہوگئی یا کسی مصلحت سے وہ بہت ہی جلد ایمن کے پہلو سے جُدا ہوگئی اور قہقہہ لگا کر کہنے لگی "کیوں قرطبیس! میں نہ کہتی تھی کہ تجھ سے نہ رہا جائیگا" ایمن شرما کر چُپ ہو رہے۔ اتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کی وحشت

اور نفرت کچھ کم نہ ہوئی تھی۔ شرمندہ سے پیٹھ موڑ کر کھڑے ہو رہے۔ عذرا نے پھر قہقہہ لگایا اور بُرقع اوڑھ کر اپنی چھوکری کو کچھ اشارہ کیا۔ مگر وہ خود اس سیر میں اتنی محو تھی کہ اس کو خبر بھی نہ ہوئی۔ عذرا نے ایک ٹھوکر مار کر اپنی طرف متوجہ کر کے پھر اشارہ کیا۔ وہ گئی اور دو گونگوں کو لے آئی۔ تینوں ملکر اُستن کی لاش گھسیٹ لے گئے اچھا ہوا کہ بیچاری کی رُوح نے تو آرام پایا ہو گا۔ اُف رے عذرا تیری بے دردی اور اللہ رے ایمن تیری بے حمیتی!

عذرا نے پھر اپنا بُرقع اُتار پھینکا اور ایک نظم پڑھنی شروع کی۔ اس کے کئی شعر قطع بند ہیں اور دو حصّوں میں منقسم ہے۔ ایک کو تشبیب کہئے اور دوسرے کو گریز۔ مجھے جتنا کچھ یاد ہے اپنی زبان میں لکھتا ہوں۔ افسوس ہے کہ جو فصاحت و بلاغت اس میں تھی وہ ظاہر نہیں ہو سکتی۔ ناظرین اعتبار کریں اگر زمانہ جاہلیت کے عربوں میں یہی نظم پڑھی جاتی تو معلقہ قصاید کی زیبائش ہوتی۔ ممکن ہے کہ میرا یہ خیال غلط ہو۔ کیا کہوں؟ اصل میرے پاس نہیں ہے ورنہ اس کا اندازہ ہو جاتا:۔

"محبت ایک پھول ہے جو ریتلے صحرا میں وحدت و انانیت کا دعوےٰ کرتا ہے۔"

"اس کو کسی سرسبز زمین کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اکثر شورہ زمین میں بھی یاسمین دو رو پر خندہ زن دیکھا گیا ہے۔"

"اس پھول کا حسن بہ نسبت آسمان کے چمکتے ہوئے تاروں کے زیادہ دلکش ہے"

"اس کے اوپر جہان کا روشن کرنے والا آفتاب چمکتا ہے اور آفتاب پر ارواح عالم فدا ہوتی ہیں۔"

"اس پھول میں درد کی طرح کانٹے نہیں ہوتے۔ پھر بھی پاس سے گزرنے والوں کا دامن پکڑ لیتا ہے۔"

"وہ شخص اس پھول کے توڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اپنے دل میں رکھ لیتا ہے"

"یہی ایک پھول ہے جو اس شخص کے مرنے پر بھی نہیں کملاتا۔ بلکہ اس کی خوشبو مرنے والے کی قبر سے اُڑا اُڑ کر پاس سے گزرنے والوں کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہے۔"

"دنیا میں انسان کی راحت اور اطمینان کے لئے بس ایک ہی چیز پیدا ہوئی ہے"

اور وہ بھی محبت کا پھول ہے۔

" آسمان پر ایک ہی دلکش ستارہ نکلا ہے۔ اور وہ ستارہ بھی محبت ہے۔

" اندھیری رات میں بس ایک ہی روشنی پیدا ہوئی ہے اور وہ روشنی بھی محبت ہے۔

" مابقے تمام چیزیں فضول ہیں اور نقش برآب۔ جو ہوا کے ساتھ اڑجانے پر ہر وقت مائل رہتی ہیں۔

" کوئی شخص محبت کا اندازہ مقرر نہیں کرسکتا۔

" یہ ہے بھی ایسی لامحدود چیز کہ انسان کی محدود عقل میں نہیں سما سکتی۔

" یہ انسان کی روح سے پیدا ہوتا ہے اور انسان کا گوشت اس کی خوراک ہوتی ہے۔ آدمی خود اپنا دل اس کے سامنے کھانے کو رکھ دیتا ہے۔

" اس کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں اور ہر صورت نہایت دلکش ہوتی ہے۔"

عذرا ذرا ابین کی طرف جھکیں اور ایک بوسہ لیکر ان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور پھر کہنا شروع کیا۔ یہیں سے گریز شروع ہوتی ہے۔

" محبت کی جو کچھ تکلیفیں ہوتی ہیں وہ راحت سے کہیں خوشگوار ہوتی ہیں۔

" مجھے دیکھ کہ اتنی مدت کے فراق نے میری محبت میں کچھ فرق نہیں آنے دیا۔

" تیرے انتظار کا صلہ میں نے پالیا اور وہ صلہ تو ہے۔

" ایک دفعہ میں تجھے نظر بھر کر دیکھنے بھی نہ پائی تھی کہ تو مجھ سے چھن گیا۔

" میں نے اپنے دل میں تیری محبت کا بیج بویا۔

" آنسوؤں سے پانی دیا اور صبر کی آگ سے گرمی پہنچائی۔

" وہ درخت بڑھتا رہا یہاں تک کہ اُس میں ایک پھول لگا۔

" اور وہ پھول کیا ہے؟ تیری ذات۔

" میں موت سے ممنون ہوں۔ مگر موت کی مشکور ہوں کہ اس نے پھر تجھے مجھ تک پہنچا دیا۔

" اب میں اپنی آئندہ زندگی کا لطف اٹھاؤنگی اور دوزخ کے بدلے میں جنت پاؤنگی۔

" رات اپنا منہ کالا کرگئی ہے اور آفتاب اب نکل آیا ہے۔

"اُس کی شعاعیں بلند پہاڑوں کی چوٹیوں کو چوم رہی ہیں اور وہ چوٹیاں میری اُمیدیں ہیں۔

" اب ہم اپنی زندگی سے لُطف اٹھائینگے اور وصل کے مزے لوٹینگے۔

" تو دیکھیگا کہ دنیا کے بادشاہوں کے تاج ہم دونوں کے سر پر ہونگے۔

" اور بادشاہ اور ان کی رعایا ہمارے قدموں کو چومینگے۔

" ہمارے حُسن سے زمانے کی نظریں خیرہ ہو جائینگی۔

" اور دنیا اپنے تمام خزانے ہمارے قدموں میں لا ڈالے گی۔

" اور ہزاروں برس ہم دونوں ایسے لُطف سے بسر کرینگے کہ فرشتوں کو بھی ہم پر رشک ہوگا"

عذرا اپنی نظم ختم کر کے بیٹھ گئی اور تھوڑی دیر خاموش رہی۔ لیکن کچھ ایسی بے چین تھی کہ بار بار پہلو بدلتی تھی۔ آخر نہ بیٹھا گیا۔ ایبن کے پاس آکھڑی ہوئی ؛

عذرا :۔ قرطیس! کیا عجب ہے کہ تم سمجھ رہے ہو کہ میں تمہیں دھوکا دے رہی ہوں اور تمہیں ابھی تک اعتبار نہ آیا ہوگا کہ میں نے دو ہزار برس تک تمہارا انتظار کیا ہے اور تم ایک مرتبہ مر کر پھر پیدا ہوئے ہو۔ اس شبہ کو تم اپنے دل سے نکال ڈالو۔ میں جو کچھ کہتی ہوں اس میں شک کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔ آفتاب اپنا راستہ بھول جائے تو بھول جائے۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا میں تمہارے متعلق کوئی بات بھی زبان سے جھوٹ نکالوں۔ میری اگر آنکھیں نکال ڈالی جائیں تو میں تمہاری وہ دلکش آواز سُن کر ہی تمہیں پہچان لونگی جو آج سے دو ہزار برس پہلے میں سُن چکی ہوں۔ میری قوت لامسہ بھی لے لی جائے اور ہزار آدمی اگر مجھے ہاتھ لگائیں تو میں تمہارے ہاتھ کو پہچان جاؤنگی۔ شکر ہے کہ اب فراق کی راتیں اور انتظار کے دن خواب و خیال ہو جائینگے۔ لیکن اب بھی تمہیں شبہ باقی ہے تو آؤ تم دونوں کا شک قطعی طور پر مٹا دوں تاکہ تمہیں موقعہ کلام باقی نہ رہے۔

حنیف! تو ایک چراغ اٹھا لے اور میرے ساتھ چل"

میں اگرچہ عذرا کا مطلب بالکل نہ سمجھا تھا۔ لیکن اُٹھا اور چراغ اٹھا لایا۔

دراصل عذرا کی باتوں پر قبل از وقت فکر کرنا میں نے قطعی چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ اصلیت معلوم نہیں ہوتی اور فکر و خوض کا سر مفت پہاڑ کی کھوؤں میں ٹکراتا ہے ۔

غرض عذرا نے بھی ایک چراغ اپنے ہاتھ میں لیا۔ بیچ میں ایمن ہوئے اور پیچھے مَیں بھی چراغ لے کر ساتھ ہو لیا۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ میں یہ کہہ چکا ہوں کہ عذرا کے اس کمرے کی چاروں دیواروں پر چھت سے لے کر زمین تک پردے پڑے ہوئے تھے۔ عذرا بڑھیں اور شمالی دیوار کا پردہ اُٹھایا۔ ادھر ایک مختصر سا دروازہ تھا۔ ہمیں لئے ہوئے اس میں داخل ہو گئیں۔ نیچے اسی قطعہ کا زینہ تھا جیسے ان کھوؤں میں بنے ہوئے ہیں۔ البتہ یہ نئی بات تھی کہ اس کی سیڑھیوں کے پتھر بیچ میں سے کوئی چار چار گرہ گھِس گئے تھے۔ اور ادھر ادھر کے بدنتوڑ موجود تھے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان سیڑھیوں پر آمد و رفت بہت زیادہ ہوئی ہے۔ بعض وقت اور خصوصاً پریشانی اور بدگمانی کی حالت میں آدمی کی طبیعت پر چھوٹی چیز کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ یوں کسی چیز پر ادنےٰ و ذلیل سمجھ کر متوجہ نہ ہوجئے۔ لیکن پریشانی میں یہی چیزیں دوبھر معلوم ہونے لگتی ہیں۔ تالاب میں ایک پتے کو ڈال دیجئے۔ وہ مدتوں پڑا رہے گا۔ لیکن ذرا چلنے دیجئے اور پھر دیکھئے کہ وہی پانی اس پتے کو کس کس طرح اور کہاں کہاں اٹھا کر پھینکتا ہے ۔

زینہ طے کر کے میں پھر کر بغور ان سیڑھیوں کو دیکھنے لگا کہ عذرا نے مجھے دیکھ لیا ۔

عذرا:۔ حنیف! شاید تجھے تعجب ہوا ہے کہ ان سیڑھیوں کے پتھر گھِس کیونکر گئے؟ یقین جان کہ ان پتھروں کو میرے ہی پیر چاٹ گئے ہیں۔ مَیں نے ان پتھروں کو اَور زمینوں کی طرح برابر پایا تھا۔ لیکن دو ہزار برس سے کچھ زیادہ عرصے کی متواتر شب و روز کی تنہا میری آمد و رفت نے ان کو گھِس ڈالا ہے ۔

میں یہ سُن کر چپ ہو رہا۔ مگر سچ یوں ہے کہ مجھے اس کا اعتبار نہیں آیا کہ عذرا کے پیروں نے پتھروں کو رگڑ ڈالا ہے۔ نازک پیر نہ ہوئے۔ کسی عاشق عابد

کی پیشانی ہو گئی۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ ان سیڑھیوں کے گھسنے کے لئے ایک آدمی کو دو ہزار برس تک کتنے مرتبہ ان پر سے گزرنا چاہئے ٭

غرض ہم اَور آگے بڑھے اور ایک اَور دروازہ ملا جس پر پردہ پڑا تھا۔ پردہ اُٹھا تو معلوم ہُوا کہ یہ وہی کمرہ یا مقبرہ ہے جس میں مَیں نے اُس رات عذرا کو بد دُعائیں دیتے اور لعنتیں بھیجتے دیکھا تھا ٭

مَیں تو خوش ہُوا کہ آج یہاں کا راز کھل جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا ٭

باب بست و یکم

عشق آں خانماں خراب ہست
کہ ترا آورد بخانۂ ما

عذرا "یہ دیکھو۔ یہ جگہ ہے جہاں میں دو ہزار برس برابر سوئی ہُوں"

یہ وہی جگہ تھی جہاں مَیں نے اس روز آگ جلتی ہوئی دیکھی تھی۔ اور جس کو مَیں نے گڑھا سمجھا تھا ٭

عذرا "یہاں میں صدیوں ایک چادر اوڑھے اپنے دل پر پتّھر رکھے پڑی رہی ہوں مجھے یہ کسی طرح گوارا نہ ہو سکا کہ میرا آرام جان پتّھر پر پڑا ہو۔ اور میں نرم توشکوں اور گرم لحافوں میں آرام کروں۔ گرمی کی دشمنی سہی۔ سردی کے ناز بیجا اُٹھائے۔ مگر دل کو کیا کروں کہ کہیں چین نہ پاتا تھا۔ میرے آتے جاتے یہ سیڑھیاں بھی گھس گئیں لیکن محبّت کے شعلوں میں کچھ کمی نہ آئی۔ دیکھوں قرلیس اب تو میری مہر و وفا کی کیا داد دیتا ہے۔ اب تمہیں ایک عجیب چیز نظر آئیگی۔ قرلیس! تم اپنی آنکھوں سے اپنی لاش دیکھو گے۔ اسی لاش کی پرستش کرتے ہوئے یہ زمانہ کٹ گیا۔ ورنہ خدا جانے کیا انجام ہوتا۔ تو اب تم دیکھنا چاہتے ہو" ٭

ہم دونوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ ایک دُوسرے کو دیکھ کر خاموش ہو رہے۔ موقعہ بھی ایسا تھا۔ کہ کچھ کہتے نہ بنتا تھا۔ عذرا بڑھیں اور چادر کا کونہ پکڑ کھڑی ہوئیں جو لاش پر ڈھکی ہوئی تھی ؛

عذرا:۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگرچہ تمہاری نظروں میں یہ نظارہ خوفناک یا تعجب خیز ہو۔ لیکن یہی جسم اور یہی صورتیں جن پر ہم کو اس وقت ناز ہے پہلے بھی اِسی شکل پر موجود تھیں اور ممکن ہے کہ اب ایک مرتبہ نابود ہو کر اسی صورت پر پھر پیدا ہو جائیں۔ کچھ نہیں بگڑا ناتوان اجرام ارضی وسماوی کا۔ اگر ان کی زبان ہوتی تو یہ خود اقبال کر لیتے کہ اب سے پہلے بھی یہ ہمارے ساتھ خاکبازی کر چکے ہیں۔ موجودہ حالت کا مقابلہ اپنی پچھلی صُورت سے ہم صرف اس واسطے نہیں کر سکتے۔ کہ حافظہ کو قادرِ مطلق نے ایسی قوت عطا نہیں فرمائی۔ کہ وہ اپنے پیچھے کچھ لکھا ہوا چھوڑ جائے تاکہ ہم پچھلی سوانح عمری کو موجُودہ سوانحات سے مقابلہ کر سکیں جو مستعار مٹی ہمیں زمین نے دی تھی۔ وہ اس میں مل گئی۔ اور قبر نے ہمارے غرور کے ساتھ حافظہ کو بھی سلب کر لیا۔ قرطلیس! میں نے کور کے باشندگان کی ترکیب معلوم کر کے تمہارے جسم کو پیوند خاک ہونے سے بچایا ہے۔ اور تمہارے حسُن کو زمانہ کے دستبرد سے بچالیا ہے۔ اس میں کسی پر احسان نہیں۔ اگر ہے تو اپنے دل پر۔ لو! اب دیکھو مُردہ اور زندہ جسم ملتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ زمانہ کے ناپیدا کنار دریا کے اُس پار ہو کر دیکھو تو دونوں ایک ہی چیز نظر آئینگی بلکہ ایک ہی ہوں گی۔ میں کہ سکتی ہوں کہ رُوح تو روح زمانہ آدمی کی صُورت تک کو بگاڑ نہیں سکتا۔ یہ بات جُدا ہے کہ ہماری نیند نے ہمارے پچھلے واقعات بالکل بھُلا دئے ہوں۔ یا ہمارے پچھلے مصائب کو ایسے گہرے دریا میں ڈبو دیا ہو کہ پھر نہ اُبھر سکیں یا ہماری خوشیوں کو کسی اندھے کنوئیں میں پھینک دیا ہو کہ پھر ہم ان کی صُورت ہی نہ دیکھ سکیں۔ لیکن جہاں آنکھ کھُلی ہم وہی اُٹھینگے جو پہلے تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہمیں پچھلے واقعات مستحضر نہیں ہیں اور یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس گہری نیند سے ہماری آنکھ نہ کھلے۔ اسی زمین کے

بخارات نے ابر کی صورت اختیار کر لی اور تھوڑی دیر کے بعد پھر اپنی اصلی حالت پر آ کر زمین کو اپنی اصلی وضع پر چھوڑ دیا۔ پہاڑ کی چوٹیوں کو برف نے ڈھک کر سفید کر رکھا ہے۔ لیکن جہاں برف گلی (اور ضرور گلے گی) تو چوٹیاں اپنی اصلی حالت پر نظر آئیں گی۔ ممکن ہے کہ ہمارے پچھلے زمانے کے ہنسنے اور رونے کی آواز (باصدا) بھی ہمارے کان میں آئے اور زمانہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ آنکھ کھلنے کے بعد ممکن ہے کہ وہ آوازیں جن سے پہلے ہمارے کان آشنا تھے ہم پہچان سکیں۔ ایک زنجیر ہے۔ جس کی ہر کڑی بنانے والے نے بالکل یکساں ایک کینڈے کی بنائی ہے۔ اس زنجیر کو اگر ہماری ہستی فرض کر لو اور اس کی ہر کڑی کو ہماری ایک زندگی۔ ان کڑیوں کی شکل وصورت رنگ ڈھنگ تو ایک سا ہی ہے۔ اب فرق ان میں صرف اس قدر رہ گیا کہ ہر کڑی پر روح اپنا اثر برقی ایک خاص زمانے میں خاص وقت تک ڈالتی ہے۔ جہاں وہ اثر اس میں سے نکلا۔ زنجیر کی تمام کڑیاں ایک ہیں۔ پس قرطبیس اپنے مردہ جسم کو دیکھ کر تمہیں ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے یہ وہی جسم ہے جو سونے سے پہلے تھا۔ مگر تمہاری نیند ایسی گہری تھی کہ اب تم اپنے ہی جسم کو نہ پہچان سکو گے۔ بہر حال میں تمہاری کتاب ہستی کا پچھلا ورق لوٹ کر جو کچھ لکھا ہے دکھاتی ہوں۔"

"لو دیکھو"

عذرا کے ایک جھٹکے سے چادر لاش پر سے اتر گئی۔ چراغ کی روشنی کافی تھی ہی میں نے جھک کر مردے کو دیکھا اور حیران ہو کر رہ گیا۔ عذرا کی پچھلی فلسفیانہ تقریر کی صحت کو میں تسلیم نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کی تردید کے لئے آمادہ تھا۔ لیکن جو چیز اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس کو کیا کروں۔ وہ تو اس کے ایک ایک لفظ کو ابھار ابھار کر صحیح دکھلا رہا تھا۔ کیونکہ چوکی پر ہمارے سامنے "امین" پڑے سو رہے تھے۔ میں نے اسی وقت زندہ امین کا جو میری نظروں کے سامنے کھڑا تھا مردہ "امین" سے جو سامنے لیٹا ہوا تھا۔ مقابلہ کیا اور بال بھر بھی فرق نہ پایا۔ اگر فرق تھا تو صرف اس قدر کہ جو جسم سامنے پڑا ہوا تھا وہ کسی قدر پرانا معلوم ہوتا تھا

بار بار ایک ایک عضو کا مقابلہ کیا۔ مگر رگ و ریشہ تک میں فرق نہ پایا۔ حتّٰے کہ بال بھی جو امین کے حسن میں سونے میں بالکل ایک سے تھے۔ "مُردہ" امین" کی صورت پر بالکل وہی کیفیت تھی جو اکثر میں نے گہری نیند میں امین کے چہرے کی دیکھی ہے اکثر سُنا گیا ہے کہ جو بچے توام (جوڑواں) پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی صورتوں میں فرق نہیں ہوتا۔ مگر میں کہ سکتا ہوں کہ مُردہ اور زندہ امین میں جو مماثلت دیکھی ہے وہ شاید توام بچوں میں بھی نہ ہوتی ہو ؂

امین پر اس وقت ایسی حیرت تھی کہ اگر میں ہوتا تو یقیناً بیہوش ہو جاتا۔ مبہوت کھڑے اپنے مردہ جسم کو بغور دیکھ رہے تھے۔ پانچ سات منٹ کے بعد وہ چیخ اٹھے کہ:۔

"خدا کے لئے اسے ڈھک دو۔ اور مجھے یہاں سے نکال لے چلو۔ مجھ سے نہیں دیکھا جاتا"

پری جمال عذرا چراغ لئے ہوئے بالکل ایک دیوی معلوم ہوتی تھیں یا آسمانی فرشتہ جو اس شکل میں گویا اہل دنیا کو عجائبات عالم دکھانے آیا ہے۔ وہ بھی بار بار ان دونوں کو دیکھتی تھیں اور خاموش تھیں۔ امین کے سوال پر وہ کچھ مسکرائیں اور اُن کے پاس آکھڑی ہوئیں ؂

عذرا۔ نہیں قرطیس! ذرا ابھی ٹھیرو۔ مَیں تمہیں کچھ اَور بھی دکھلا دُوں۔ تاکہ کل کو تمہیں یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ اپنی وفا جتائی اور جفا چھپائی۔ منیف! ذرا آگے بڑھکر اس جسد کا سینے پر سے کرتہ تو ہٹا دے۔ شاید قرطیس اپنے مردہ جسم کو ہاتھ لگاتے ڈریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈرا ہوا تو میں بھی تھا۔ مگر عذرا کی حکم عدولی کا نتیجہ فوراً مل جانے والا تھا اور اس خوف کا نتیجہ مفہومی۔ لاچار بڑھا اور کانپتے ہاتھوں سے بند کھول کر مُردے کا سینہ ننگا کر دیا۔ دل کے قریب ہی ایک زخم نظر آیا جو بظاہر کسی تیر کا معلوم ہوتا ہے ؂

عذرا "قرطیس! یہ زخم بھی دیکھا؟ یہ مجھ ناشدنی ہی کے ہاتھ کا لگایا ہوا ہے۔ اس مصریہ امینراٹس سے جل کر مَیں نے ہی اپنے ہاتھ سے تجھے قتل کیا تھا۔ کیونکہ تیرا دل اس مردار کے ہاتھ میں تھا۔ اس لعنتی عورت کو میں بوجوہ مار نہ سکی۔ اگر مجھے اس پر بھی کچھ اختیار ہو سکتا۔ تو اس عورت استنن کی طرح وہ بھی میرے ہاتھ سے

ماری جاتی۔ مَیں نے غصّہ اَور جلدی مَیں تجھ پر ہی ہاتھ صاف کیا اور دو ہزار برس تک اس کی سزا بھگتی۔ ہزار شکر ہے کہ میری مصیبتیں رائیگاں نہ گئیں اور میں نے پھر تجھے پا لیا۔ مَیں نے جو کچھ گناہ کیا تھا۔ اس کے عوض میں اب مَیں تجھے تازہ زندگی دونگی۔ جس سے تو میری طرح ہزاروں برس اسی شکل وصورت کو لئے ہوئے زندہ رہے۔ لیکن یہ وعدہ نہیں کرسکتی کہ تجھے کبھی موت نہ آئے۔ کیونکہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اور اس عمر کے ساتھ دنیا کی جاہ وحشمت بھی مَیں تجھے دینے کا وعدہ کرتی ہوں۔ کل ہی ہم یہاں سے چل کر اس کا انتظام کرلینگے۔ اِس وقت صرف ایک بات باقی ہے تو نے اپنے مردہ جسم کو دیکھ لیا اور اپنے جسم سے اچھی طرح مقابلہ کرلیا۔ اب یقین ہے کہ تجھے میری باتوں میں شک باقی نہ رہا ہوگا۔ مَیں نے تیرے مردہ جسد کے پیروں میں پڑے پڑے صدیاں گزاردی ہیں۔ لیکن اب میرے مقدّر نے مجھے زندہ قرطیس دلوایا ہے تو اس مُردے کی ضرورت نہیں جو خواب میں دیکھا کرتی تھی۔ خدا نے اس کو بالکل سچا کردیا۔ اس مُبارک موقعہ کے لئے میں نے پہلے سے تیاریاں کرلی تھیں۔ دیکھ"!

عذرا نے بڑھ کر دیں سے ایک شیشی جیسی اٹھائی اور ہمیں ذرا فاصلہ پر کھڑا کرکے اپنے کپڑے بچاکر اس شیشی کو اس لاش پر لوٹ دیا۔ دفعتہً لاش میں سے ایک کالا دُھواں اٹھا اور کھوہ بھر میں اندھیرا ہوگیا طبیعت دُھواں دیکھ کر ہی پریشان ہو گئی تھی۔ اب دم بھی بند ہونے لگا۔ بھاگیں تو راستہ نہیں ملتا۔ کھڑے رہیں تو جان جاتی ہے عجب مصیبت تھی غنیمت ہوا کہ تھوڑی ہی دیر میں دھواں نکل گیا اور کھوہ صاف ہوگئی۔ اب جو دیکھتے ہیں تو چوکی پر لاش کا نام ونشان بھی نہیں تیزاب[1] نے اس کو دم بھر میں جلا اور گلا کر رکھ دیا۔ البتہ چُونے جیسی سفید راکھ باقی رہ گئی تھی۔ عذرا نے تھوڑی سی راکھ ہاتھ میں لی اور یہ کہتے ہوئے ہَوا میں اُڑا دی:۔

"مٹی مٹی میں۔ ہَوا ہَوا میں۔ مُردہ مردوں میں جا ملے قرطیس مرکر پھر پیدا ہوگیا"

[1] میرا قیاس ہے کہ اس شیشی میں کوئی سخت تیزاب تھی۔ جس کا اثر زندہ ومُردہ دونوں پر یکساں ہوتا ہے ⬥ (حنیف)

عذرا (ہم سے) "تو بس تم مجھے یہاں چھوڑ جاؤ۔ اگر ممکن ہو تو سو جاؤ۔ کل ہی میں تمہیں ایک جگہ لے چلونگی۔ چونکہ وہ مقام دیکھے ہوئے مجھے صدیاں گزر گئی ہیں۔ اس لئے آج رات بھر میں کچھ تیاریاں کرونگی"۔

ہم دونوں عذرا کو سلام کر کے شکر کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے آئے۔ ایوب کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو وہ بےخبر پڑا سو رہا تھا۔ میں نے ہزار ہزار شکر کیا کہ وہ ہمارے ساتھ نہ تھا۔ ورنہ خدانخواستہ اُسکی لاش ہی اٹھا کر لانی پڑتی۔

امین بھی میرے ساتھ میرے کمرے میں آ بیٹھے۔ مگر نہایت غمزدہ۔ خاموش مَیں پھر بھی امین کو نہایت مستقل مزاج کہونگا کہ انہوں نے پہلی ہی مرتبہ خوفناک واقعات دیکھے اور اپنے ہوش میں رہے۔ لیکن اس وقت اُستن کی لاش اور اپنا جنازہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا اور وہ ایک ایک بات پر غور کر کے کچھ نتیجہ نکالنا چاہتے تھے مگر پریشانی کچھ نہ کرنے دیتی تھی۔ اب وہ عذرا کے سامنے تو تھے نہیں کہ زبان ہلاتے بھی ڈرتے۔ انہوں نے سب سے پہلے خود کو ملامت کرنی شروع کی۔

امین "عموا آپ سچ کہتے تھے۔ مَیں نے بڑی ہی نادانی کی کہ خواہ مخواہ ان مہلکات میں پھنس گیا۔ کاش مَیں نے وہ تحریرات ہی نہ دیکھی ہوتیں۔ والد مرحوم نے میرے ساتھ بڑی دشمنی کی۔ وہ خاندانی امانت کمبخت میرے ہی نصیب کی رہ گئی تھی۔ کوئی اَور ہی جلا پھینکتا تو اچھا تھا"۔

مزہ یہ ہے کہ عذرا کی نسبت کچھ کہنے کی اب بھی آپ کو جرأت نہ تھی یا جی نہ چاہتا تھا۔ "یہ کچھ تو بتلایئے کہ اب میں کیا کروں؟ آپ ذرا میری بےحیتی کو تو دیکھئے کہ اُستن جیسی وفادار کو مَیں نے اپنی آنکھوں کے سامنے مرجانے دیا۔ اور اسی پر بس نہیں۔ اس کی لاش کے سامنے ہی مَیں نے اس کی قاتلہ کے ارمان پُورے کئے لاحول ولاقوۃ۔ عموا آپ نے مجھے مرنے ہی کیوں نہ دیا۔ ابھی تو روز اوّل ہے۔ یہاں روز یہی ہوگا۔ میں اُس جادوگرنی کے قبضے میں ہوں۔ جو ناچ نچانا چاہے گی ناچوں گا۔ کاش یہی ہوتا کہ میں آئندہ اس بھوتنی کی صورت ہی نہ دیکھتا۔ مگر یہ

بھی نہیں ہوسکتا۔ مَیں بالکل اس کے اختیار میں ہُوں۔ اگر میں دُور رہنا چاہوں تو نہیں رہ سکتا۔ کس مصیبت میں جان ہے؟ اور ہاں عمو! وہ لاش بھی دیکھی؟ بھئی مجھے تو کچھ بھی شک نہیں ہے کہ وہ میری ہی لاش تھی۔ میری عقل تو جاتی رہی۔ آپ ہی کچھ فرمائیے"

مَیں خود اپنے خیالات میں مستغرق تھا اور اپنی نسبت پہلے ہی فرض کر چکا تھا کہ میرے عقل و حواس رخصت ہو چکے ہیں۔ مَیں ان کو کیا رائے دے سکتا تھا۔ مَیں نے صاف کہ دیا کہ مَیں خود حیران ہوں اور اپنے ہوش و حواس پر صبر کر چکا ہوں۔ مجھ سے تم کیا رائے لیتے ہو ع خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔ کا مضمون ہے۔ مگر مَیں نے ان کو بھاگ چلنے کی رائے دی۔ جس کو سُن کر وہ ہنس کر کہنے لگے۔ کہ آپ بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔ عذرا جیسی عورت سے آپ کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ ذرا قدم تو اٹھا دیکھئے"؟ میری یہ رائے ہر طرح ہنسی کے قابل تھی۔ اوّل تو عذرا کے ہاتھوں چھٹکارا مشکل۔ دوسرے ہماری حالت بالکل پروانہ کی سی تھی کہ قربت شمع کا یقینی نتیجہ اس کی ہلاکت ہے۔ لیکن باوجود اس کے یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ شمع کو چھوڑ جائے۔ ہم عذرا سے بے وفائی اور بے رُخی کرنا چاہیں۔ مگر دل کرنے بھی دے ع دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را کا مضمون ہم پر پُوری طرح صادق آتا تھا۔

میرا دعوےٰ ہے کہ دنیا میں جس شخص نے عذرا کو بے نقاب دیکھا ہو یا اس کی باتیں سُنی ہوں۔ وہ دنیا کا آرام و راحت تج بیٹھا ہو گا۔ مجھے تو مرفوع القلم کر دیجئے اور امین کے تعلق خاص پر غور کیجئے کہ جن کے عشق کا عذرا خود دم بھرتی تھیں۔ اور جن پر وہ بلاشائبہ و شک ثابت کر چکی تھیں کہ محض امین ہی کی خاطر وہ دو ہزار برس تک مصائب اٹھا چکی ہیں۔ پھر بھلا یہ کہاں اور کس طرح جا سکتے ہیں؟

اس میں بھی شک نہیں کہ وہ نہایت ظالم عورت تھی۔ اُستن کو محض اس قصور میں کہ وہ اس کی سدراہ ہوتی تھی۔ ہماری آنکھوں کے سامنے جان

سے مار چکی ہے۔ لیکن آخر اس کی وفاؤں سے ہم کہاں تک آنکھیں بند کریں اور یہ تو قطعی امر ہے کہ مرد ایک حسین عورت کے گناہوں سے بہت ہی جلد قطع نظر کر لیتا ہے۔ خصوصاً اس حالت میں جبکہ یہ گناہ اس شخص کے جوشِ عشق میں سرزد ہوئے ہوں[1]۔ ایسے موقعے بھلا مردوں کو کہیں ملتے ہیں؟

اِس میں بھی شک نہیں کہ ایسی عورت سے تعلقات قائم رکھنے میں مرد اس عورت کی خواہشات کا شکار ہو جاتا ہے۔ مگر ممکن ہے کہ خود اپنی پسند سے شادی کرنے میں یہی نتائج پیدا ہوں اور یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی شخص چراغ لیکر بھی شادی کی غرض سے دُنیا بھر کو ڈھونڈ ڈالے تو اس کو یہ حُسن میسّر نہیں آسکتا۔ چہ جائے کہ عذرا کی سی عقل اور علم اور تجربہ وغیرہ وغیرہ۔ اس صورت میں بھاگ جانا کیا معنی؟ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اینن اگر بھاگ جاتے تو ان سے بڑھ کر احمق اَور کون ہوسکتا تھا۔

مَیں اس کا معترف ہوں کہ چونکہ مَیں بھی عذرا کا عاشق تھا۔ اس لئے ممکن ہے

[1] اس میں کلام نہیں کہ عذرا سے قصور سرزد ہوئے۔ لیکن ہر شخص ذرا غور کر کے دیکھے کہ اگر اس کو عذرا کی سی قوت وعظمت حاصل ہوتی اور پھر یہ واقعات پیش آتے جن کی وجہ سے وہ ان قصُورات پر مجبور ہوئی تو وہ کیا کرتا۔ یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ عذرا کی حالت کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ یہ اپنی ذرا سی حکم عدولی کی سزا کم سے کم سزائے موت دینے پر مجبُور ہوتی تھی۔ اس کے اصول اور خیالات موجودہ نرم قوانین کے مقابلے میں کچھ اَور ہی تھے۔ علاوہ ازیں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ وہ ہزار برس سے زیادہ عرصے سے دُنیا کے کنارے بیٹھی بیٹھی۔ مہذب ملکوں میں جو کچھ نئی اصلاحات ہوئیں ان سے قطعی بےخبر تھی جس زمانے میں وہ دُنیا میں تھی۔ اس زمانے میں بادشاہ اپنی ادنٰے ادنٰے عدولِ حکم پر بڑے بڑوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ اس اصول سے عذرا کے قصور کچھ مستبعد نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں اس کی عمر اور تجربوں نے اسے اَور بھی سخت دل بنا دیا تھا۔ اس پر تازیانہ تھا اس کا یہ اصول کہ انسان کی زندگی بغیر عشق کے لاحاصل اور لغو ہے پس اس کے عشق ومحبت کا جو چیز خارِ دامن ہے اس کو جس طرح بنے مٹا دینا وہ فرض سمجھتی تھی۔ اُن امُور پر اگر غور کیا جائے۔ تو وہ بے قصور سمجھی جائے گی۔ ان سب سے قطع نظر کر کے اسکی خوبیوں پر بھی نظر کیجئے۔ ایک وفا ہی کا جوہر اس میں ایسا تھا جو اس کے تمام معائب کو ڈھک لینے کے لئے کافی تھا۔ (حنیف)

کہ ان کے متعلق بعض باتیں میرے قلم سے ایسی نکلیں۔ جن کے تسلیم کرنے میں تامل کیا جائے۔ اتنا تو ضرور وثوق سے کہ سکتا ہوں کہ کسی شخص کو لے لیجئے اور اُسے عذرا کی صورت دکھلا دیجئے۔ پھر اگر اس کی باتیں سنئے گا تو میری ہی ہونگی ۰

دو گھنٹے یا کچھ زیادہ ہم دونوں بیٹھے موجودہ واقعات پر غور کیا کئے۔ لیکن جہاں تک سوچتے تھے ہمیں طلسمات کا نقشہ معلوم ہوتا تھا۔ یا خواب کی سی باتیں۔ کس کو خیال تھا کہ "کپی کے ٹکڑے" کی تحریر کا ایک ایک لفظ صحیح ہوگا۔ یا یہ کہ ہم کور کے کھنڈروں تک زندہ پہنچینگے؟ کون جانتا تھا کہ یہ عجیب وغریب عورت دو ہزار برس سے بیٹھی ایبن ہی کا انتظار کر رہی ہے؟ لیکن اس وقت تو یہ تماشا ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اور ہم کو ان واقعات میں (اور خاص کر ایبن کے متعلق) شک کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہی ۰

بہرحال ہم نے خود کو خداوند قدیر کی حفظ وامان میں سونپا اور سو گئے ۰

باب بست ودوم

الٰہی عمر مے خواہم نگاہے ہم کرامت کن
کہ در پیری بہ بینیم شوخ تر حُسن جوانش را.

کوئی نو بجے ہونگے کہ ایوب میرے کمرے میں آیا۔ میں اسی وقت سو کر اُٹھا تھا مجھے صحیح سلامت پا کر اُس نے بہت ہی شکر کیا۔ اُستن کا حال سُنکر باوجودیکہ وہ اس سے خوش نہ تھا۔ اُسے بہت ہی صدمہ ہوا ۰

ایوب:۔ میں تو اسی واسطے اپنی زبان نہیں ہلاتا کہ کہیں آپ کو ناگوار نہ ہو جس کو آپ ملکہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ یہ جادوگرنی ہے۔ کمبخت ڈائن۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ اپنا تپنچہ اس پر خالی کر دوں۔ آپ کو اعتبار نہیں آئیگا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ ملکہ

ہے ہی جادوگروں کا۔ یہ جتنے آدمی آپ چلتے پھرتے دیکھتے ہیں ۔ آدمی تھوڑے ہی ہیں ۔ دیکھئے اللہ ہمیں یہاں سے نکلنا بھی ہے یا نہیں ۔ میری ساری محنت برباد ہو گئی ۔ بھلا یہ ڈائن امین جیسے خوبصورت جوان کو چھوڑے گی ۔

میں ’’ اگر سچ پوچھو تو اسی کی وجہ سے امین زندہ رہے ۔ ورنہ کوئی صورت باقی تھی ؟

ایوب ’’ جان بچا کر اس کو مول لے لیا ہے ۔ دیکھ لیجئے گا کہ امین کو بھی وہ اپنے ہی جیسا جادوگر بنالے گی ۔ کمبخت اتنا نہیں سمجھتے کہ ہمیں مرنا ہے ۔ قیامت میں ان کا برا حال ہوگا ۔‘‘

میں ’’ ایوب ! حقیقت میں یہ ملک جتنا عجیب ہے اتنا ہی یہاں کے باشندے بھی عجیب ہیں ۔‘‘

اگرچہ میں ایوب جیسا وہمی تو نہ تھا ۔ لیکن سچ یوں ہے کہ یہاں کی فوق العادت باتیں دیکھ کر میں بھی کچھ کم ڈرا ہوا نہ تھا ۔

ایوب ’’ جی ہاں ! اب آپ نے ٹھیک بات کہی ہے ۔ آپ مجھے بیوقوف بنائینگے لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اس ملک سے میں زندہ نہ نکلوں گا ۔ میں نے رات اپنے والد کو خواب میں دیکھا ہے وہ بڑے ہی نیکبخت آدمی تھے ۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنی تسبیح لئے ہوئے میرے سرہانے بیٹھے ہیں ۔ اور میرے سر پر ہاتھ پھیر پھیر کر روتے ہیں ۔ اور مجھ سے کہتے ہیں کہ ’’ ایوب تیرا وقت آن پہنچا ہے ۔ لیکن مجھے یہ امید نہ تھی کہ تو اتنی دور کور کے وحشیوں میں بھاگ آئیگا ۔ یہاں کے لوگ تو سارے کے سارے شریر اور جہنمی ہیں ۔ ان سے بچتا رہنا لیکن مشکل ہے ۔‘‘ میں ان سے کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا ۔ مگر روتے روتے اٹھ کر چلے گئے ۔ پھر میری آنکھ کھل گئی ۔‘‘

میں ’’ ہاں ایوب ! شفقت پدری ایسی ہی چیز ہے ۔ بیٹے کی پریشانی نہ دیکھی گئی اور ان کی روح کو یہاں آنا پڑا ۔‘‘

ایوب ’’ جی ہاں ! ان کے شریر ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں ’’ لال نوا ‘‘ کون سی نیکی کا کام ہے ۔ لیکن والد نے تو یہ کہا ہے کہ تیرا وقت آن پہنچا ہے سچ جانئے کہ اس دنیا میں میں تین چار روز سے زیادہ کا مہمان نہیں ہوں ۔ میرے والد

بڑے ہی نیکبخت آدمی تھے "۔

میں (ہنس کر) "تو ایوب تمہارے نزدیک باپ کو خواب میں دیکھنا موت کا پیش خیمہ ہے ۔ اور اگر کوئی شخص اپنی ساس کو خواب میں دیکھے تو کیا ہو گا ؟"

ایوب "آپ تو ہنسی کرتے ہیں ۔ میں اسی واسطے کچھ نہیں کہا کرتا ۔ آپ میرے والد کو نہیں جانتے ۔ وہ عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولے ۔ بڑے بزرگ آدمی تھے ۔ اگر کوئی اَور ہوتا تو مجھے کبھی اعتبار نہ آتا ۔ مگر ان کا کہنا پتھر کی لکیر ہے ۔ میں ان کے کہنے کو کبھی جھوٹ نہیں سمجھتا ۔ فکر ہے تو صرف یہ کہ اس ملک میں مر کر میری مٹی خراب ہو گی ۔ نماز تو نماز ۔ جنازہ اُٹھانے کو بھی آدمی نہ ملینگے ۔ خدا کے واسطے اتنا کیجیئگا کہ میرے جنازہ کو یہ جادوگر ہاتھ نہ لگائیں ۔ جس طرح ہو سکے آپ اور ابین ہی مجھے نماز پڑھ کر دفن کر دیں ۔ میرا اَور تو کوئی ہے نہیں ۔ آپ اور ابین مجھے دعائے مغفرت سے یاد کیا کیجیئگا ۔ دیکھئے بھول نہ جایئے گا ۔ میں نے آپ کی خدمت میں کبھی کوتاہی نہیں کی ۔ جب سے آپ کے پاس آیا ہوں ۔ غلاموں کی طرح رہا ہوں ۔ اگر مجھ سے کوئی قصور ہوا ہو للہ معاف کر دیجئے گا ۔ ابین باہر ہوا خوری کے لئے گئے ہوئے ہیں ورنہ میں ان سے آپ کے سامنے اپنے قصور معاف کرا لیتا ۔ آپ پیچھے تو وہ مجھے چڑائیں گے ۔ میری طرف سے آپ ہی اُن سے معاف کرا لیجئے گا میں نے ان کو اپنے بچوں کی طرح پالا ہے ۔ ان سے تاکید کر دیجئے گا کہ وہ دعا میں مجھے بھی یاد رکھیں ۔ اور ——— "

میں "بس ایوب بس ۔ ان باتوں کو اپنے دل سے نکال ڈالو ۔ خدا بڑا حافظ حقیقی ہے ۔ اس نے ہم سب کو اب تک بچایا ہے ۔ اب بھی ہم اسی کی حفاظت میں ہیں ۔ تم گھبراؤ نہیں ۔ پہلے ہمارا تب تمہارا بال بیکا ہو گا ۔ ایوب سچ جانو کہ میں تمہیں اپنے بھائی کے برابر سمجھتا ہوں "۔

ایوب "خدا آپ کو خوش رکھے ۔ مگر سچ جانئے کہ میں دو ہی چار روز کا مہمان ہوں ۔ آپ کھانا کھا رہے ہوں اور آپ کو شبہ ہو جائے کہ اس میں زہر ہے تو وہ زہر ہی ہو کر لگیگا ۔ بس یہی میرا حال ہے ۔ ایک بات کیجئے گا کہ آپ سے جس طرح

ہو سکے مجھے "لال نوے" سے بچا لیجئے گا"

مَیں (ذرا غصّے سے) "کیا واہیات ہے؟ کیوں خواہ مخواہ رٹ لگ گئی ہے"

ایوب "بہت اچھا اب میں آپ سے زبان تھوڑا ہی لڑاؤنگا (کھڑا ہو کر) لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے یاد رکھیئےگا"

ایوب کو حقیقت میں مَیں بھائی کے برابر سمجھتا تھا۔ اس کی یہ مایوسانہ باتیں سُن کر کلیجہ مُنہ کو آگیا۔ اس جیسا وفادار نیک آدمی ملنا مشکل ہے۔ یُوں سب کا مالک خدا ہے۔ لیکن امین کی زندگی محض اسی کی وجہ سے ہوگئی۔ ورنہ چار پانچ برس کا بچہ پالنا بڑا کام ہوتا ہے۔ ایوب کو آج اپنے مرنے کا یقین ہوگیا تھا۔ اگرچہ ایسے خیالات اکثر غلط بھی ہؤا کرتے ہیں۔ لیکن جو واقعات ہم پر گزرے ہیں اُن سے تو کسی کافر ہی کو جینے کی امید رہی ہوگی۔ میں نے اگرچہ غصّہ دکھلا کر ایوب کی زبان بند کردی۔ مگر میرا اعتقاد تھا کہ وہ بالکل سچا ہے۔

امین سیر کرکے واپس آگئے اور ساتھ ہی کھانا آیا۔ ہم دونوں نے ملکر کھانا کھایا۔ میرا جی گھبرا رہا تھا۔ امین کو لے کر میں باہر نکل گیا۔ اور بنوالبجر کے کھیت بونے کا تماشا دیکھا۔ ایک شخص پھاوڑے سے زمین کھودتا جاتا تھا۔ دوسرا بکری کی کھال میں بیج لئے ہوئے زمین میں ڈالتا جاتا تھا اور پیروں سے مٹی اس پر ڈال دیتا تھا۔ مجھے ان وحشیوں کی ذات سے بہت ہی غنیمت معلوم ہؤا کہ یہ کمبخت اپنے پیٹ کے لئے اتنی محنت تو گوارا کر لیتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو صرف یہی ایک بات شبہ میں ڈالتی تھی کہ وہ بھی بنی آدم ہیں۔ ورنہ کالانعام بل ھم اضل کے مصداق ہیں۔

ہم نے سوچا تھا کہ کچھ عرصہ یہیں ٹھیلینگے مگر یاقوت "ملکہ مطاع الکل" کے حکم سے بلانے پہنچ گیا اور ہمیں مجبوراً جانا پڑا۔

عذرا اپنے کمرے میں بے نقاب بیٹھی تھیں۔ ہم کانپتے کانپتے اندر داخل ہوئے کیونکہ جس قدر ان سے رسم بڑھتی جاتی تھی بجائے بے تکلفی یا نفرت کے خوف بڑھتا جاتا تھا۔

اس مرتبہ انہوں نے خود سلام کرنے میں پیش دستی کی اور امین سے اس طرح

بغلگیر ہوئیں جیسے مدت کے بچھڑے رات کی باتوں کا خیال کرتا ہوں۔ تو تعجب ہوتا ہے کہ امین کی بھی قریباً یہی حالت تھی وہ بے تامل پیٹ گئے ۔

عذرا نے امین کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بڑی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہنے لگیں کہ "قرلیس کیا تمہیں اس وقت کا انتظار نہیں ہے کہ جب تم مجھے اور میں تمہیں اپنا کہنے کے قابل ہونگے۔ تم میرے واسطے ہوگے اور میں تمہارے واسطے وہ وقت دور نہیں ہے۔ مگر اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے تم میرے جیسے ہو جاؤ۔ فنا کے ہاتھ سے تو میں بھی بچنے والی نہیں ہوں۔ لیکن جس طرح آفتاب کی شعاعوں سے دریا کے پانی روز کلیجے پر تیر کھاتے ہیں۔ اور اُن کی ماہیت میں فرق نہیں آتا۔ لیکن مدتہائے مدید میں یہی تیر اس کو چاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح فنا کے جگر دوز تیر مجھ پر بھی ایک زمانہ تک اثر نہیں کرینگے۔ موجودہ حالت میں تو مجھ میں اور تم میں بہت بڑا فرق ہے۔ تم میری صورت کو اگر دیر تک دیکھو گے تو شاید تمہاری نظر خیرہ و تیرہ ہو جائے۔ بلکہ عجب نہیں کہ جان تک نوبت پہنچے۔ یا کم سے کم حواس زائل ہو جائیں (ایک نازدلربایانہ کے ساتھ برقع اُٹھا کر) لو میں نقاب ڈالے لیتی ہوں (برقع رکھ کر) مگر خیر میں تمہیں ایک امتحان میں ڈالنا چاہتی ہوں۔ اگرچہ اس میں مستقل رہنا بہت مشکل ہے۔ مگر پھر بھی میری اور اپنی خاطر سے اس کو برداشت کرنا۔ آج ہی شام کو ہم یہاں سے چلینگے اور بشرط خیریت کل تک چشمۂ حیات پر پہنچ جائینگے۔ وہاں تمہیں تھوڑی دیر کے لئے آگ کے اندر کھڑا ہونا پڑے گا۔ یہ تم ابھی سمجھ لو کہ وہ آگ تمہارا کچھ نہ بگاڑے گی۔ بلکہ اسی وقت سے تمہیں ایک حیات تازہ مل جائے گی جس کا لطف تم خود وہیں محسوس کر لوگے۔ اس کے بعد تم میرے شوہر بننے کے قابل ہوگے۔ اور میں تمہاری بیوی ۔"

امین نے زیر لب کچھ کہا جو میں نہ سمجھ سکا۔ عذرا ان کی پریشانی دیکھ کر بہت ہنسیں ۔

عذرا "حنیف! تجھے بھی میں قرلیس کو پالنے اور یہاں تک پہنچانے کے صلے

ہیں اسی آگ میں غسل کراؤنگی۔ تو چونکہ ذرا ذرا سی بات پر اُلجھتا ہے۔ اور ہر چیز کا فلسفہ دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے میں تجھے بالخصوص اس آگ میں کھڑا کیا چاہتی ہوں تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ عجائبات قدرت الہٰی وہ چیز ہیں جن تک انسان کا فہم وادراک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کوئی شخص محض زبان زوری اور عقل آرائی سے ماہیت اشیاء پر حاوی ہو جائے تو وہ قدرت نہیں رہ سکتی۔ حقیقت الہٰی وہ چیز ہے کہ تاوقتیکہ انسان پر خاص واردات نہ گزریں وہ اس کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ یہ آگ بھی جس کا میں ذکر کرتی ہوں۔ مظاہرالہٰیہ میں سے ایک بڑا مظہر ہے اور تاوقتیکہ تجھ پر خود نہ گزرے تیری عقل اس کی خاصیت تک نہیں پہنچ سکتی"!

میں "میں بہت ہی مشکور ہوں کہ آپ مجھ کو مرہُونِ منت کیا چاہتی ہیں۔ لیکن اول تو مجھے ایسی عجوبہ چیز کے وجود ہی میں احتمال ہے جو انسان کی زندگی کو ایک لامحدود عرصے تک بڑھا دے۔ اور اس میں نئی روشنی پیدا کر دے اور اگر ہو بھی تو مجھے اس کی ضرورت نہیں اور نہ خواہش۔ عمر گزشتہ کے تجربے اور اس وقت کی موجودہ حالت نے میری نظروں میں دنیا کو ایسا خوشنما نہیں دکھلایا ہے کہ میں بہزار ذلت اس میں پڑا رہنے کی کوشش کروں۔ مادر گیتی عجیب سنگدل ہے کمبخت اپنی اولاد سے بھی لوہے کے چنے چبواتی ہے۔ اور زہر ہلاہل پینے کے لئے دیتی ہے مصائب کے پالنے میں جھلاتی ہے اور گناہوں کے کھلونوں سے کھلاتی ہے۔ پھر فرمائیے کہ ایسی سے کسی کو محبت ہو تو کیوں؟ کس کی مصیبت آئی ہے کہ وہ ایک لامحدود زمانے تک گزشتہ تفتیش کی حسرت۔ موجودہ حالت کی مصائب۔ شباب کے جنون عشق۔ بڑھاپے کی مجبوری کا ناقابل برداشت بوجھ اُٹھائے۔ پڑوسیوں کو تڑپتا دیکھے اور مدد نہ کر سکے عقل رکھے اور گمراہ رہے اور اگر یہ نہ ہو تو جنگل کے وحشیوں میں آ بیٹھے اور بن باس پتی پر گزارے۔ موت اگرچہ ایک نہایت تلخ چیز ہے۔ لیکن اسی وقت تک جب تک خیال موت ہو اور جہاں وقت گزرا بس پھر کچھ نہیں۔ بالکل سانپ کی کینچلی کی مثال ہے کہ جب تک سانپ کینچلی

میں رہا ایک مصیبت میں رہا۔ اس کے اتارنے سے ڈرا اور جہاں اتار پھینکی۔ ایک آسائش اور اطمینان معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی جب تک زندہ رہا مصیبت میں رہا اور موت کے خیال سے بھی بھاگتا رہا۔ لیکن جہاں موت آگئی بس اس سے بڑھ کر سبک روح کوئی نہیں۔ میرے نزدیک تو ایسی ہمیشگی سے کہ جس میں ہزاروں مصائب سوہان روح ہوں۔ جلد مرجانا لاکھ جگہ بہتر ہے۔ قطع نظر اس کے بڑے بڑے مہتم بالشان کام جن کے حصول کے لئے انسانوں نے اپنی جانیں لڑادی ہیں جب حاصل ہو گئے تو ان ہی لوگوں کو اس میں لطف نہ آیا اور اکثر خیال آیا کہ کیوں خواہ مخواہ محنت برباد کی۔ خیال حصول میں جو لطف ہے وہ حصول میں نہیں۔ انتظار میں جو مزہ ہے وہ وصال میں نہیں۔ امید میں جو لذت ہے وہ اس کے بر آنے میں نہیں بچپن میں جو جوانی کے خواب اور اس کے ولولے نظر آتے تھے وہ بہ نسبت جوانی کے زیادہ لطف دیتے تھے۔ جوانی میں پیری کے زہد و اتقا کا خیال زیادہ مزیدار تھا۔ مگر جب یہ دونوں چیزیں حاصل ہوگئیں تو اپنی حرکات طفلانہ پر بہت ہی ہنسی آئی۔ اسی طرح اگر میں اس آگ میں کود بھی پڑا تو بس تمام حظ گیا اور ہزاروں برس کے مصائب کی آنتیں مفت گلے پڑیں۔ نہیں عذرا بس مجھے معاف ہی کیجئے "۔

عذرا:- حنیف پھر سوچ لے۔ دیکھ ازدیاد عمر۔ قوت حُسن عقل اور علم عجائبات عالم وہ چیزیں ہیں جن کو انسان جان و دل کے بدلے میں بھی ارزاں ہی سمجھتا ہے"۔

میں:" کچھ سہی۔ مگر میں تو ازدیاد عمر یا بہ تبدیل الفاظ دنیا کے جاں فرسا مصائب کو اپنے ایک بال کے عوض میں بھی گراں ہی سمجھتا ہوں۔ یہ جتنی چیزیں آپ نے گنائی ہیں ان کا لطف بھی محض خیالی ہے ازدیاد عمر یعنی قید بامشقت۔ قوت یعنی حیوانیت حسن یعنی جاہلانہ غرور عقل یعنی جھوٹا ع۔ علم عجائبات عالم یعنی سراب خیال ایسی چیزوں کو کوئی لے کر کریگا کیا؟ عقل و علم گو فی نفسہٖ اچھی چیز ہوں۔ مگر کوئی چاہے کہ ان میں کامل ہو یہ میں مانتا نہیں۔ ہر چیز اور بالخصوص ان کا کمال ذوات خاصہ کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ اور وہی ان کا بار اٹھا بھی سکتے ہیں عذرا طمع اور

بلند نظری ایک سیڑھی ہے جس میں لاکھوں اور کروڑوں ڈنڈے لگے ہوئے ہیں۔ اس کی بلندی پر نگاہ نہیں پہنچتی۔ انسان کی عمر گزر جاتی ہے اور غایت بلندی پر نہیں پہنچ سکتا۔ واپس آ نہیں سکتا۔ ڈنڈوں پر ٹھیرنے اور رہنے کی جگہ نہیں۔ بس اسی کا نام کافر ماجرائی ہے۔ ازیں سو مانده وازاں سو رانده۔ اس پر بھی دیکھا گیا ہے کہ اکثر زیادتی دولت سے آدمی کو نفرت ہو گئی ہے۔ مال و دولت سے اس کا دل آسودہ نہیں ہوتا پھر فرمایئے کہ کیا لطف باقی رہا۔ یہی حال علم وعقل کا ہے۔ کمال تک نہیں پہنچ سکتے۔ مذبذبین بین ذٰلک کی تعبیر ہے۔ تاریکی کامل۔ اب دیکھئے کس گڑھے میں گریں اور کیا انجام ہو۔ اور حقیقت میں اگرچہ باغ ہدایت سامنے نہ ہو گڑھے میں گرنا یقینی۔ اس علم وعقل کی مثال بالکل ان چراغوں کی ہے جو کھوؤں میں اور غاروں میں جلتے ہیں کہ ہزار روشنی ہوا کرے عمق ہی عمق نظر آئیگا یا اِدھر اُدھر اندھیرا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھ کو اس آگ میں کود کر کونسی نئی بات حاصل ہو جائیگی'' ۔

عذرا '' نہیں حنیف تو بڑی غلطی کر رہا ہے۔ عشق وہ چیز ہے جو تمام چیزوں کو لطیف بنا دیتا ہے۔ مشت خاک میں اکسیر کی خاصیت پیدا کر دیتا ہے۔ اگر عشق پہلو میں ہو تو خیالِ دوست میں وقت اس لطف سے کٹتا ہے کہ شاید بہشت میں بھی یہ بات حاصل نہ ہو۔ عشق وہ چیز ہے جو ماوراء من کم وکیف سے آدمی کو بالا کر کے ایک اَور دنیا میں پہنچا دیتا ہے ۔۔۔''

میں (ہنسکر) '' لیکن اس آگ میں نہا لینے کا غالب نتیجہ یہ تو نہیں ہوتا کہ آدمی خواہ مخواہ کسی پر عاشق ہو ہی جائے۔ غالب نتیجہ تو یہی ہے نا کہ آدمی کی عمر ہزاروں برس کی ہو جائے۔ اور فرض کیجئے کہ اس کو عمر بھر میں کسی پر عاشق ہونے کا موقع نہ ملا تو اَور بھی تلخ گزری۔ اب فرض کیجئے کہ وہ جس شخص پر عاشق ہوا وہ ایک پتھر ہے کہ اس پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا تو پھر؟ آدمی چاہتا تو یہ ہے کہ وہ اپنی تصویر موم پر بنائے اور ملائے اُسے پتھر سے جو کمبخت نہ مارے ٹوٹے نہ گلائے گلے۔ پھر فرمایئے؟ نہیں عذرا میرے اور میرے کیا دنیا بھر کے) مناسب حال یہی ہے کہ وہ تھوڑے عرصے کے لئے (خواہ سو برس ہی کیوں نہ ہوں) جئے۔ بڈھا ہو۔ اور مر جائے۔ بعد از موت مجھے جو بقا حاصل ہونے والی ہے وہ آپ کی عطیہ بقا سے زیادہ مستحکم ومستقل ہے۔ آپ کی عطیہ بقا اس کے

مقابلے میں قطرے کے سامنے دریا کی مناسبت بھی نہیں رکھتی۔ یہ وہ بقا ہے جس کو فنا نہیں۔ وہ عُمر ہے جس میں مصائب نہیں۔ وہ صاف راستہ ہے جس میں کانٹے نہیں۔ وہ لطف ہے جس کا خاتمہ نہیں۔ جب تک ہماری یہ ہیئت کذائی باقی رہیگی ممکن نہیں کہ ہم مختلف آلام۔ گوناگوں گناہ سے بچ سکیں اور یہ وہ چیزیں ہیں۔ جو ہر وقت نیش عقرب کے اثر کی طرح انسان کو کسی پہلو چین نہیں لینے دیتیں۔ لیکن جہاں اس ڈھانچے کو فنا ہوئی اور رُوح نے اپنے اعلےٰ مقام کو پرواز کرکے ایک حیات تازہ پائی۔ ان آفات سے تو امن ہو جائے گا۔"

عذراؔ ۔ "حنیف یا تیری نظر بہت بلند ہے۔ تو ہر چیز کو اپنے عقاید کی عینک سے دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ امر تسلیم کر لینے کے قابل ہے کہ جو چیزیں اس عینک سے نظر آتی ہیں وہ ہر شخص کی نظر میں نہایت خوشنما ہوتی ہیں۔ کوئی شخص چاہے کہ کسی کو اس کے اصول کے خلاف کوئی بات منوا دے۔ سر پٹخ کر مر جائیگا۔ مگر نہ ہو سکے گا۔" اس لئے میں تجھ سے بحث نہیں کرنا چاہتی۔ ہاں مجھے تیرے عقاید معلوم ہوتے یا تیرے فلسفہ کے اُصول سے واقف ہوتی تو تجھ سے تیری غلطی منوا کر چھوڑتی۔ اور اب بھی واقفیت کے بعد مجھے تجھ سے بحث کرنے کا اتفاق ہوگا۔ تو بجز اس کے کہ تو ایسا موقع ضائع کر دینے پر نہ پچتائے تو میرا ذمہ۔ یا تیری آنکھ اس وقت کھلیگی کہ بڑھاپے کے تمام عیب تجھ پر حملہ کرینگے۔ چلنا تجھے دوبھر ہوگا۔ بات کرنی تجھے مشکل ہوگی۔ اس وقت بجز اس کے کہ تو اپنی حماقت پر افسوس کرے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ قاعدے کی بات ہے کہ انسان کو جو کچھ بے منت حاصل ہوتا ہے۔ اس کو بھی خوشی کے ساتھ قبول نہیں کرتا۔ اور اس سے اعلےٰ وادنےٰ چیز پر نظر رکھتا ہے۔ ستاروں کے پکڑنے کے لئے دوڑتا ہے اور چراغ جو باسانی مل سکتا ہے چھوڑ دیتا ہے۔ ستارے دُور سے کھڑے ہو کر اس کو چڑاتے ہیں اور چراغ کو لیتے ہوئے اسے شرم آتی ہے یعنی اسے پسند نہیں آتا کہ اس میں وہ تابش کہاں؟ عقل کو وہ اختیار نہیں کہ اس میں وہ بلندی کہاں؟ نام آور بننا نہیں چاہتا کہ اس میں وہ شہرت کہاں؟ دولت وہ حاصل نہیں کرتا کہ اس میں وہ ہمیشگی کہاں؟ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ستاروں تک اس کو دسترس نہیں ہوتی

اور چراغ اسے اب ملتا نہیں۔ بس اندھیرے میں کھڑا رہ جاتا ہے۔ حنیف! تو بھی ان ہی احمقوں میں ہے۔ بلکہ ان سے زیادہ۔ کیونکہ تو ستارے کو چھوڑ کر چراغ کے پیچھے بھاگ رہا ہے"

میں خاموش ہو رہا اور مدعائے اصلی ظاہر نہ کر سکا۔ اگرچہ کنایتہً کہہ گیا ہوں کہ ظالم تجھ پر مرتا ہوں اور تیرے حاصل ہونے کی امید نہیں۔ پھر ایسی زندگی کو لے کر کیا کروں گا۔ جس میں تیرا فراق بلائے بے درماں کی طرح گلے کا ہار رہے گا اور یہ مصیبت بھی چند روزہ نہیں کہ خیر آدمی صبر کرے۔ ہزاروں برس کے لئے۔

عذرا (امین سے) "قرطیس! مجھے اب تک یہ معلوم نہ ہوا کہ تم میری تلاش میں یہاں تک کس طرح پہنچ گئے تمہیں میرا حال کیونکر معلوم ہوا؟ کل تمہاری زبان سے اتنا تو سنا تھا کہ قرطیس کو تم اپنا مورثِ اعلیٰ جانتے ہو۔ اس کا تمہیں کیونکر علم ہوا۔"

امین نے اس امانتِ خاندانی کا مفصل قصہ سنایا اور اپنی مورثہ اعلیٰ امینارٹس کی تحریر بھی جہاں تک یاد تھی سنائی۔ عذرا بڑے غور سے سنتی رہی اور پھر ہنس کر امین کا منہ چوم لیا۔

عذرا: "کیوں حنیف! میں نہ کہتی تھی کہ اکثر برے کاموں کے اچھے نتائج نکلتے ہیں آدمی کچھ بوتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ کیا کاٹیگا اور جو مارتا ہے یہ نہیں جانتا کہ کہاں چوٹ لگے گی۔ وہ مصری امینارٹس دریائے نیل کی مردود شاہزادی جو میری سخت دشمن تھی۔ اور میں اب تک اس کی دشمن ہوں۔ کیونکہ اس نے کل تک بھی میرا پیچھا نہ چھوڑا تھا۔ خود ہی اپنے محبوب کو مجھ تک پہنچانے کی ذریعہ بنی۔ میں نے اسی مردوا کی وجہ سے قرطیس کو قتل کیا تھا۔ اور دیکھ اسی نے قرطیس کو میرے پہلو میں لا بٹھایا۔ اس نے کی تھی میرے ساتھ برائی اور وہ میرے لئے بن گئی بھلائی۔ بویا تھا وہ بیج کہ میرے لئے سانپ بچھو پیدا ہوں مگر پیدا ہوا اکسیر۔ اس کی دشمنی ہی نے میرے ہاتھ وہ چیز ڈال دی جس کو میں دنیا و مافیہا کے بدلے میں ارزاں سمجھتی ہوں۔ لے اپنے خیالات اور عقاید کی اصلاح کر لے"

عذرا (امین سے) "تو وہ اپنے بیٹے کو وصیت کر کے مری تھی کہ جس طرح بنے مجھے اپنے باپ کے عوض میں مار ڈالے قرطیس! تم ایک حساب سے اس کتیا کے بیٹے ہو اور ایک حساب سے اس بیٹے کے باپ۔ یا اس مصریہ کے شوہر۔ (ایک چھری امین کے ہاتھ میں دے کر اور اپنا سینہ ننگا کر کے) دیکھو قرطیس! تمہارے ہاتھ چھری ہے اور یہ دیکھو میرے سینے میں دل دھڑک رہا ہے۔ مَیں خود تمہارے قبضے میں ہوں۔ ایک ہی ضرب میں اپنی مورو ثہ کی وصیت پُوری کردو۔ اور اپنے خاندان کو ہمیشہ کے تردّد و افکار سے چھڑا دو۔ ہاں تامل کیا ہے؟"

امین "عذرا! تم جانتی ہو کہ میں تمہیں قتل نہیں کر سکتا۔ اپنے مورثوں کی وصیت کے خیال سے بھی میرا ہاتھ نہ اُٹھے گا۔ میں غلامانہ تمہارے قبضے میں ہوں۔ تمہیں مارنے سے تو خودکشی کرنا بہتر جانتا ہوں"

عذرا (سینہ ڈھک کر) "مجھے اب اطمینان ہوا کہ تم پر میری محبت غالب آتی جاتی ہے ہزار شکر ہے۔ اچھا اب ذرا اپنے ملک کا حال تو سناؤ۔ بڑا آباد اور سرسبز ملک ہوگا سلطنت بھی رومتہ الکبرٰے سے کچھ کم نہ ہوگی۔ میرا جی قبول نہیں کرتا کہ تم اس وحشی ملک میں ان کھوؤں میں اپنی عمر گزار دو۔ میں خود یہاں سے تنگ ہوں۔ ذرا تُم میرے جیسے ہو جاؤ۔ تو میں بھی تمہارے ساتھ مصر چلوں گی۔ اور تم اس ملک کے مالک و بادشاہ ہو گے"

امین "ہمارے ملک میں اب بھی خدا کے فضل سے ہمارا ہی ہم قوم و ملت بادشاہ موجود ہے"

عذرا "ہوا کرے۔ اس کو معزول کرنا کون بڑی بات ہے؟"

میں (گھبرا کر) "لیکن آج کل سلطنتوں کا وہ اصول نہیں رہا ہے کہ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس۔ ہمارے ایک نہیں تین بادشاہ ہیں۔ آپ کس کس سے لڑیں گی؟"

عذرا (تعجب سے) "ایک ملک میں تین بادشاہ! یہ ڈھنگ ہی نرالا ہے۔ بھلا کون کون بادشاہ ہیں؟"

میں "خدیو مصر۔ سلطان روم اور ملکۂ انگلستان"

عذرا:" تین نہیں ہزار بادشاہ ہوں تو کیا ہے؟ میرے قرطیس کے ہوتے کوئی خدیو رہ سکتا ہے نہ سلطان۔ میں دکھلا دونگی کہ چندہی روز میں تمام دنیا پر میں اور قرطیس ہی حکمران ہونگے "

مجھے سخت تردد ہوا کہ دیکھئے یہ عورت کیا کیا غضب ڈھاتی ہے؟

عذرا:" اچھا اب تم دونوں جاؤ۔ مجھے سفر کی تیاریاں کرنی ہیں۔ تم دونوں اور تمہارا آدمی بھی سب تیار ہو جائیں۔ کوئی فضول چیز ساتھ لینے کا فکر نہ کرنا۔ دو ہی روز کے بعد تو ہم واپس آجائینگے۔ یہاں آکر مجھے اس ملک کا انتظام کرنا ہوگا۔ اور پھر ہم سب ہمیشہ کے لئے یہاں سے رخصت ہوں گے "

ہم چلے آئے۔ لیکن مجھے ایک تازہ فکر پیدا ہوگیا کہ دیکھئے یہ عورت مہذب دنیا میں پہنچ کر کیا کیا گل کھلاتی ہے اور کیا کیا فساد برپا کرتی ہے؟ اس کی طاقتوں کا تو میں اندازہ کرہی چکا تھا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ اس کا غرور اور بلند نظری دنیا پر قبضہ کئے بغیر چین نہ لے گی اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کمبخت نہ خود مرے۔ اور نہ کسی کے مارے ماری جائے[1] تو اس صورت میں جو کچھ چاہے گی کر گزرے گی۔ اور کچھ شک نہیں کہ یہ دنیا پر قابض ہو کر ایک بڑی مضبوط سلطنت قائم کرلے گی "

اگرچہ یہ بات بظاہر ناممکن معلوم ہوتی تھی۔ لیکن واقعات سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا اور یہ واقعات ایسے تھے کہ عذرا کے دنیا بھر پر قابض ہو جانے میں کوئی شک نہ چھوڑتے تھے۔ دیکھئے کیا نتیجہ ہو۔ بالفعل تو یہ حالت ہے کہ شاید خداوند عالم ہی کو منظور ہے کہ دنیا کی بساط نئے سرے سے جھاڑ کر بچھائی جائے۔ اور ایک ایسی تازہ سلطنت قائم ہو کہ جس کے فرمان قضا عنوان ہوں اور دُنیا بھر میں

---

[1] افسوس ہے کہ مجھے آخر تک یہ معلوم نہ ہوا کہ عذرا پر کسی ہتھیار کا بھی اثر ہوتا ہے یا نہیں۔ جہاں تک خیال ہے اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ ورنہ دو ہزار برس میں کوئی نہ کوئی واقعہ تو اس پر ضرور گزرا ہوگا کہ کوئی معمولی سا آدمی ہوتا تو مر رہتا۔ ایسن کے ہاتھ میں بے تکلف چھری پکڑا دینا بھی اسی کو ظاہر کرتا ہے۔ ورنہ بھلا عذرا کوئی ایسا کام کرتیں جس سے وہ خود معرض خطر میں پڑ جاتیں۔ (حنیف)

کوئی شخص اِدھر نگاہ کرنے والا بھی باقی نہ رہے
ورنہ ایمان گیا ہی تھا خدا نے رکھا

باب بست و سوم

ما بدل شادیم از داغ و بہار ما مپرس
در جہانِ عشق زادیم از دیار ما مپرس

ہماری تیاری ہی میں کیا دیر لگتی تھی۔ ایک ایک جوڑا ساتھ رکھ لیا اور دو تپنچے اور ایک بندوق احتیاطاً ساتھ لے لی۔ باقی تمام چیزیں اچھی طرح باندھ کر دہیں چھوڑ دیں۔ اول وقت عصر کی نماز پڑھی۔ عذرا کے پاس گئے تو وہ بھی اپنی کالی کفنی پہنے تیار بیٹھی تھیں۔ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور مسکرا کر پوچھا۔ کہ "تیار ہو"۔

میں :۔ جی ہاں ہماری تیاری میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ لیکن مجھ سے اگر آپ پوچھتی ہیں تو جس کام کے لئے آپ نے تیار کرایا ہے۔ اس کا کچھ اعتبار ہی نہیں "۔

عذرا :۔ "کچھ شک نہیں کہ تو بالکل ان یہودیوں کا ہمخیال ہے جن کو یاد کر کے مجھے نفرت ہوتی ہے۔ کمبخت چاہتے تھے کہ خدا ہمیں دکھلا دو تو ہم ایمان لائیں گے۔ مگر خیر تجھے معلوم ہی ہو جائے گا۔ جلدی کرنا چاہئے۔ زندگی کا کیا اعتبار ہے۔ نہ معلوم کب اور کہاں ختم ہو جائے"۔

میں :۔ "ہاں! نہ معلوم کب اور کہاں ختم ہو جائے"۔

باہر نکلے تو بالکل سناٹا تھا۔ صرف یاقوت ایک ڈولی کے پاس کھڑا تھا معلوم ایسا ہوتا تھا کہ عذرا نے حکم دیدیا تھا کہ اس وقت کوئی شخص وہاں نہ رہے۔ اس لئے ہمارے چلنے کی خبر اس وقت سوائے یاقوت یا عذرا کے ان باڈی گارڈ گونگوں کے اور

کسی کو نہ تھی۔ جن کا عدم وجود برابر تھا۔

عذراؔ ڈولی میں سوار ہوئیں اور کسی مصلحت سے ہم سب کے لئے پیدل چلنا تجویز کیا گیا۔ کھوؤں میں بیٹھے بیٹھے جی بھی اُکتا گیا تھا۔ ہم نے شکر کیا مُردوں سے زندوں میں آئے اور پیر کھولنے کا موقع ملا۔

تھوڑی سی دیر میں ہم ایک جھیل کے کنارے پہنچے جس میں آج کل کھیت لہلہا رہے تھے اور یہیں سے وہ نہر شروع ہوتی تھی جو عین بارش کے موسم میں بھی یہاں پانی نہ ٹھہرنے دیتی تھی۔ تاوقتیکہ آدمی برسر موقع کھڑا ہو کر نہ دیکھے۔ اس نہر کی ضرورت نہیں معلوم کر سکتا۔ نہر کے کھودنے میں جو کمال فنِ انجینئری کا اس قوم نے دکھایا تھا۔ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مَیں کہ سکتا ہوں کہ ہر دیکھنے والا اگر بغور دیکھے تو اس کو نہر سویز وہاں کے کمال کے مقابلے میں ہیچ معلوم ہوگی۔

اس وقت چونکہ خنکی ہو گئی تھی۔ ہم نے آدھے گھنٹے میں بہت سا راستہ طے کر لیا اور ہم شہر کور کے کھنڈرات میں جا پہنچے۔ ہم ان کھنڈرات کو دُور سے دیکھ دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔ پاس پہنچنے پر اَور بھی عقل حیران ہو گئی۔ شہر بابل اور ایتھنس سے اگر مقابلہ کیا جائے تو یہ شہر کچھ ایسا بڑا نہ تھا۔ اس کی بیرونی فصیل نے زیادہ سے زیادہ تیرہ چودہ مربع میل پر احاطہ کیا ہوگا۔ فصیل شہر بھی بابل کے مقابلے میں کچھ اونچی نہ تھی۔ اور فی الاصل اونچی فصیل کی اس قوم کو چنداں ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ باہر کے حملہ آوروں کا ان کو ڈر نہ تھا۔ اَور خانہ جنگی کے لئے اتنی ہی فصیل کفایت کرتی تھی۔ دیوار جتنی اونچی تھی اتنا ہی چوڑا آثار رکھا گیا تھا۔ اور عجب نہیں۔ کہ اتنی مدت کے قیام میں یہ آثار بھی بہت کچھ مددگار رہا ہو۔ اس کی تعمیر میں وہی پتھر ریختہ کر کے خرچ کیا گیا تھا۔ جو کھوؤں کے کھودنے میں نکلا تھا۔ فصیل کے گرد کوئی تیس چالیس گز چوڑی اور اسی قدر گہری خندق تھی۔ جس میں اس وقت بھی کہیں کہیں پانی بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ غروب آفتاب سے کچھ پیشتر ہم اس خندق پر پہنچے۔ پُرانے زمانے کا پُل بالکل ٹوٹ کر کھنڈر پڑا تھا۔ اس لئے خندق کے پار ہونے میں ذرا عرصہ لگا۔ کاش میرے قلم میں اس قدر طاقت ہوتی کہ مَیں ان

کھنڈرات کی تصویر ناظرین کے سامنے پیش کر سکتا۔ ہم جس وقت شہر کے اندر داخل ہوئے ہیں۔ تو تمام ٹوٹی پھوٹی عمارات پر ڈوبتے ہوئے آفتاب نے سُرخ رنگ کر رکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڑی مجلس میں تمام حضار نہایت متانت سے ایک ہی رنگ کے کپڑے پہنے بیٹھے ہیں۔ یہ عمارات اپنے بانیوں کی یاد میں اس قدر خون روئی ہیں۔ کہ ان کا لباس تک خون ہو گیا ہے یا یوں کہئے کہ یہاں کے باشندوں کی سیہ کاری پر آسمان اب تک برسرِ رحم نہیں آیا ہے اور ان پر خون برسا رہا ہے میلوں تک مختلف بڑی بڑی عمارات کھڑی نظر آتی تھیں۔ مگر کس حال میں کہ کسی کی منڈیر ندارد ہے۔ تو کسی کا دروازہ۔ کسی کا بالاخانہ گر گیا ہے تو کسی کی دیوار۔ ہونے کو شاہی قلعہ بھی تھا۔ اور امرا کے محلات بھی۔ منادر و خانقاہ۔ سیرگاہ و باغ سب ہی کچھ موجود تھے۔ مگر کس بے کسی اور کس مپرسی کی حالت میں کہ اللہ اکبر! کلیجے پر پتھر رکھ لیجئے تو دیکھئے مجھے ان کو دیکھ کر بیوائیں یاد آئیں کہ بال الجھے ہیں تو پروا نہیں کپڑے میلے ہیں تو بلا سے۔ بیمار ہیں تو کوئی خبرگیراں نہیں۔ مر گئیں تو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ سنگار کا خیال ہے تو دیکھنے والا کون ہے؟ بیمار ہوں تو تیمارداری کون کرے؟ کس مپرسی میں مر گئیں تو آنسو بہانے والا نہیں ملتا۔ اللہ اللہ!

باستثنائے چند باقی تمام کی چھتیں گری ہوئی تھیں۔ لیکن پختگی عمارات اور طرز تعمیر نے دیواریں اور محرابیں قریباً سب ہی قائم رکھی تھیں۔[۱]

اس وقت جس مقام پر ہم چل رہے تھے شاید کسی زمانے میں یہ چوک یا شہر کا صدر بازار ہوگا۔ کیونکہ نہایت وسیع چوڑا چکلا بازار تھا۔ دونوں طرف نہایت خوشنما

۱؎ شاید تعجب کیا جائے کہ چھ ہزار برس سے زیادہ کی عمارتیں اب تک اس حالت میں بھی کیسے باقی رہ گئیں مگر یاد کرنا چاہئے کہ یہ عالیشان دارالسلطنت کسی زلزلہ یا آگ کے صدمے سے تباہ نہیں ہوا تھا کہ اسکی عمارتوں کے ڈھیر لگ جاتے۔ وبا نے دو ہی چار روز میں اجاڑ کر عمارتوں کو اپنے بانیوں کے غم میں سر پیٹنے کیلئے چھوڑ دیا تھا۔ علاوہ ازیں یہاں کی آب و ہوا بھی معتدل مائل بخشکی ہے۔ بارشیں کم ہوتی ہیں۔ زلزلوں کا اثر بھی کم محسوس ہوتا ہوگا۔ اس لئے ان کا اس حالت میں باقی رہنا کچھ مستبعد نہیں لیکن ہزار کچھ ہو زمانے کے زبردست ہاتھ سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اگرچہ بہت عرصہ ہوا مگر تاہم اسکے دستبرد سے یہ بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ (حنیف)

محرابی دیواریں تھیں۔ محرابوں کے ٹکاؤ پر نہایت خوش وضع پھول بوٹے بنے ہوئے تھے۔ لیکن آج کل تو انسانی صنعتوں سے مقابلہ کرنے یا ہنسنے کے لئے چھوٹی چھوٹی بوٹیاں دیواروں میں اُگ آئی تھیں بعض بعض جگہ تو ان بوٹیوں نے وہ ظلم کیا تھا کہ دیوار توڑ کر گرا دی تھی۔ ہائے بیکسی کیسی بُری چیز ہے۔ اس چوک سے مختلف راستے نکلتے تھے جن پر اس وقت جلی ہوئی گھاس نے قبضہ کر رکھا تھا۔ یہ راستے اکثر تو محلوں میں پہنچ کر غائب ہو جاتے تھے اور بعض بعض قریب کے چھوٹے سے جنگل میں جو معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں سیرگاہ رہی ہوگی۔ افسوس ہے کہ ہم کو اس شہر کے محلوں میں جانے اور متوسط الحال لوگوں کے گھروں کو دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ ورنہ ان کے طرز تمدن وغیرہ کی نسبت رائے قائم کی جا سکتی۔ اتنا تو معلوم ہوتا تھا کہ امرا کے ہر مکان کے ساتھ ایک ایک پائین باغ کا ہونا لازمی تھا۔ ہر ایک عمارت کو ذرا تفصیل کے ساتھ نہ دیکھنے کی ہمیں اب تک حسرت ہے۔ اور کسی کو تو کیا موقع ملے گا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا قدم بھی وہاں شاید ہزاروں برس کے بعد پہلا قدم ہوگا۔ جو زندہ انسان کا پڑا ہوگا[1]۔

تھوڑی دور آگے چل کر ہم اور بہت بڑی اور عالیشان عمارت پر پہنچے۔ جس کو میں نے دیکھتے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ کوئی مندر ہے۔ اور حقیقت میں میرا قیاس صحیح نکلا۔ یہ عمارت کم سے کم ہزار گز مربع میں بنی ہوئی تھی۔ نہایت پختہ اور خوشنما عمارت تھی اس میں کئی صحن اس قطع سے نکالے گئے تھے کہ پہلا صحن سب سے بڑا تھا اور اس کے بعد ہر صحن یکے بعد دیگرے چھوٹا ہوتا چلا گیا تھا۔ ہر صحن کو بڑے بڑے اونچے ستون احاطہ کئے ہوئے

---

[1] کیونکہ بقول یاقوت کے بوالہجر کے نزدیک یہ مقام آسیب زدہ تھا۔ یہ لوگ اس کے قریب تک آتے ڈرتے تھے۔ چہ جائیکہ شہر کے اندر داخل ہوں۔ یاقوت بھی گو ہمارے ساتھ تھا مگر بہت ڈرا ہوا تھا۔ وہ بھی اس اطمینان پر کہ ملکہ "مطاع الکل" اس کے ساتھ ہیں۔ اس کو کسی جن یا آدمی سے نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے اور امین کو یہ خیال کر کے سخت تعجب ہوا کہ ان وحشیوں کو مردوں کے ساتھ رہنے اور ان کے کفن کو اپنے کام میں لانے بلکہ لاشوں کو جلا کر روشنی کرنے میں تو ڈر نہیں لگتا اور ڈرتے ہیں تو ویران شدہ شہر سے جس میں وہی مرنے والے اپنی عمریں گزار گئے۔ لیکن ان کمبختوں کی اور ہی کونسی کل ٹھیک ہے کہ اس پر تعجب کیا جائے۔ یہ بھی ایک طرح کی وحشت ہے۔ (مصنف)

تھے۔ یہ ستون ایک خاص قطع کے تھے جو سوائے وہاں کے ہمیں دُوسری جگہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہؤا۔ بیچ میں موٹے ہو کر آدمیوں کی کمر جیسی بناتے تھے۔ اور دونوں طرف گاؤدُم ہوتے چلے گئے تھے۔ میں نے پہلے تو یہ سمجھا تھا کہ جس طرح دنیا کے اور بُت پرستوں میں اکثر ستونوں اور دیواروں پر عورتوں کی تصویریں بنانے کا دستور ہے۔ شاید ان لوگوں نے کسی قدر تہذیب کو کام میں لاکر یہ شکل عورت کے لئے اختراع کی ہو گی۔ لیکن دُوسرے روز ہم نے کچھ درخت تاڑ کی قطع کے پہاڑ پر دیکھے جن کا تنہ بالکل ان ہی ستونوں کے قطع کا تھا۔ ان کو دیکھ کر مجھے خیال ہؤا کہ وہ ستون ان ہی درختوں کی نقل ہیں۔ ان ستونوں کی قدوقامت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک بڑے کا میں نے اندازہ کیا تھا تو اس کا نچلا حصّہ سترہ اٹھارہ فٹ مدوّر اور کوئی ستّر فٹ بلند تھا۔ اسی سے تمام عمارت کا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔

چونکہ شام ہو چکی تھی اور چاند پر روشنی آ گئی تھی۔ عذرا اسی مندر میں اتر پڑیں۔

عذرا "قرطیس! یہاں کہیں ایک بہت ہی اچھی سونے کے قابل جگہ بنی ہوئی تھی۔ اس کو تلاش کر کے آج رات وہیں گزارنی چاہیئے۔ دو ہزار برس ہوئے کہ میں تجھے یہیں لائی تھی۔ وہ مصریہ ساپنن بھی ساتھ تھی۔ تب بھی رات ہم نے وہیں گزاری تھی۔ اس کو دو ہزار برس گزر گئے۔ اب نہ معلوم وہ جگہ باقی رہی ہو گی یا نہیں۔ جگہ بڑے آرام کی تھی۔"

عذرا کچھ آگے بڑھیں اور اِدھر اُدھر دیکھ بھال کر ایک جگہ کھڑی ہو گئیں اپنے گونگے حمالوں کو اشارہ کیا۔ وہ تمام ناشتہ وہیں لے آئے۔ امین کو بھی بُلا لیا۔ اور میں اور ایوب بھی وہیں پہنچ گئے۔

ایک گونگے نے چقماق سے آگ جھاڑی اور لاش کے ایک ٹکڑے میں آگ لگا کر روشنی کر دی۔ اوّل تو یہ لاشیں یوں ہی خوب جلتی ہیں۔ لیکن ان وحشیوں میں یہ قاعدہ ہے کہ سفر میں وہ ہمیشہ ایک چقماق اور کسی لاش میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر اپنے پاس رکھتے ہیں۔ پہلے اس کو تیل میں ڈبو لیتے ہیں۔ اور اس کے گرد مٹّی تھوپ دیتے ہیں۔ جلاتے وقت یہ مٹی ذرا سی کہیں سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور اس میں آگ لگا دیتے ہیں۔

جیسے جیسے جلتا جاتا ہے۔ مٹی ہٹاتے جاتے ہیں۔ اس ترکیب سے گھنٹوں یہ چراغ جلتا رہتا ہے۔ غرض چراغ کی روشنی سے ہم نے دیکھا کہ جس مقام پر رات گزارنی ہے یہ مندر کا دروازہ ہے۔ اور محراب کے لداؤ میں ایک کمرہ (شاید فی الاصل دربانوں کے بیٹھنے کے لئے بنایا گیا ہوگا) نکالا گیا ہے۔ وہ ہمارا آرامگاہ بننے والا ہے اس کمرے میں ایک بہت بڑی چوکی تراشے ہوئے پتھر کی تھی۔ یہی ہمارا پلنگ تھا۔

گونگوں نے اس کمرے کو صاف کرکے ہم سب کو اندر بلا لیا۔ ہم سب نے سب سے پہلے کھانا کھایا۔ میں اور امین ان کھنڈروں کے متعلق کچھ باتیں کرنے لگے۔ ایوب دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گیا۔

عذرا:۔ "قرطیس! جانتے ہو یہ کون مقام ہے؟ پچھلی باتیں یاد آ کر سخت صدمہ ہوتا ہے۔ جس جگہ تم اس وقت بیٹھے ہو۔ ٹھیک وہی جگہ ہے جہاں میں نے دو ہزار برس ہوئے تمہاری لاش کو لا کر رکھا تھا۔ ہائے کیا بُرا وقت تھا۔"

امین تو یہ سُنتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور ڈر کر دوسری جگہ جا بیٹھے۔

عذرا:۔ "میں یہاں تمہیں دو غرض سے لائی ہوں۔ ایک تو یہ کہ ان کھنڈرات کے نظارے کا لطف تم اس چاندنی میں اُٹھا سکو۔ یہ وہ چیز ہے کہ شاید کسی زندہ انسان کو نصیب نہ ہوگی۔ دُوسرے مَیں چاہتی ہوں کہ تمہیں یہ عالی شان مندر اور شہر کور کے دیوتا کا بُت دکھلاؤں جس کو یہ بصارت و بصیرت کے اندھے پُوجا کرتے تھے۔"

یہاں تامل ہی کیا تھا۔ ہم فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اس عمارت کے ایک ایک صحن اور کمرے کا رقبہ سمیت مفصّل حال بیان کرنا کچھ ایسا دلچسپ نہ ہوگا۔ لیکن اس کی لطافت و صنعت جو کچھ ہم نے دیکھی ہے۔ کسی طرح میرے قلم سے بیان نہیں کی جائیگی۔ ایک خوبصورتی سے چھوٹے ہوئے صحن اور قطار در قطار ستون جن میں سے اکثر سناعوں نے اپنا کمالِ صنعت خرچ کردیا تھا وہ چیزیں ہیں جن کا بالتفصیل بیان کرنا ذرا کام رکھتا ہے۔ بُت سے خالی پڑے ہوئے کمرے زبانِ حال سے اپنی دردناک کہانی کہہ رہے تھے اور تنہائی

بیکسی۔ خاموشی۔ پُرانے زمانے کی روحوں کو آغوش میں لئے ہوئے ہمہ گوش سُن رہے تھے۔ عجیب عبرتناک سماں تھا۔ ہم پر وہ اثر ہُوا کہ آواز نہ نکلتی تھی۔ بآوازِ بلند بولنے کی جرأت ہی نہ ہوتی تھی۔ عذرا اپنے سے بھی بڑی عمر کی چیزیں دیکھ کر کچھ رعب میں آئی ہوئی تھی۔ ہمارے آہستہ سے بولنے میں بھی وہ صدا ان نیند کے ماتوں کے آرام میں خلل انداز ہوتی تھی۔ چاندنی ایک ایک چیز کو اپنے سُنہرے رنگ میں رنگے ہوئے تھی۔ گری پڑی دیواروں پر وہ غازہ پھرا تھا کہ وہ بجائے بھیانک ہونے کے دلکش ہوگئے تھے۔ حقیقت میں بقول عذرا کے شہر کور کے کھنڈرات اس چاندنی میں کچھ ایسے بھلے معلوم ہوتے تھے کہ آدمی کے چشم و دل کبھی سیر ہونے میں نہ آتے تھے۔ ذرا خیال کیجئے کہ یہ عمارات ہزاروں برس سے اپنے سینے کے سُوراخ اس آسمان کو پڑی دکھلا رہی ہیں۔ فرشتگانِ مَلاءِ اعلےٰ ان کو دیکھ کر عبرت سے کانپتے ہیں۔ مگر اس کے دوصناعوں کی سیہ کاریاں اور ادبار کی نحوست اب بھی کسی کو رحم نہیں کرنے دیتیں۔ ایک ایک گرے پڑے پتھر سے پوچھئے تو وہ آپ بیتی کہانیاں سنائیں کہ سینہ شق ہو جائے۔ لیکن ایسے پتھر کے دل کوئی کہاں سے لائے۔ اور کس کو غرض کہ ان کے حالِ زار پر توجہ کرے۔ چاندنی نہایت بے قدری اور بے پروائی کے ساتھ اس معبد کو اپنے پیروں تلے روند رہی ہے۔ لمبے لمبے ستونوں کا سایہ ہاتھ بڑھا بڑھا کر اس کا دامن پکڑ کر کچھ کہنا چاہتا ہے۔ لیکن شنوائی ہوتی نہ دیکھ کر بسمل لوٹنے لگتا ہے۔ یہ سماں اگرچہ وطن کا حُسن اور بڑھاتا ہے۔ لیکن دیکھو دیکھ کر کلیجہ کانپا جاتا ہے۔ یہ تنہائی اور بیکسی۔ یہ خاموشی کا عالم گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنی گزشتہ عظمت کا مرثیہ پڑھ پڑھ کر ہمیں رُلانا چاہتے ہیں۔ ہم کچھ ایسے محو ہیں کہ بڑی دیر تک سینے میں دل نہیں پتھر لئے ہوئے اس تماشے کو دیکھ رہے ہیں۔ آنکھ جس چیز پر پڑتی ہے۔ ہٹنے کا نام نہیں لیتی۔ باشندگانِ کور کی تباہ کاریاں ہماری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہیں۔ اور وہاں کے چہل پہل کے خیال سے ہم اپنا جی بہلا رہے ہیں۔ کہ یکایک عذرا نے میرا شانہ ہلایا ؃

عذرا۔" اب کب تک اس کو دیکھے جاؤ گے۔ چلو نہیں وہ اعلےٰ درجے کی صنعت کا

نمونہ دکھلاؤں جو اس وقت تک اپنے حسن لطافت وصنعت کے لحاظ سے زمانے پر ہنس رہا ہے"۔

عذرا دو تین صحن طے کرا کے سب سے آخری صحن میں لے گئی۔ یہ صحن عرض وطول میں پچاس گز سے کم نہ ہوگا۔ اسکے وسط میں وہ چیز تھی کہ جس سے بہتر شاید صناعان کو رکو بھی بنانی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔

ایک بہت بڑے چبوترے پر کوئی چالیس فٹ مُدوّر ایک سنگِ موسے کی گیند تھی۔ اور اس گیند کے اوپر ایک بہت بڑا بت تھا۔ چاند کی روشنی اِس پر کافی پڑ رہی تھی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اس کو دیکھ کر میں بالکل دم بخود رہ گیا۔

یہ بُت بے جُرم سنگ مرمر سے تراشا گیا تھا۔ جلا اِس پر ایسی دی گئی تھی کہ باوجودیکہ یہ ہزاروں برس سے بے پروائی کے ساتھ پڑا ہوا تھا۔ لیکن اب بھی چاندنی میں چمک رہا تھا۔ قد میں بیس فٹ سے کچھ ہی کم ہوگا۔ بُت ایک عورت کا تھا۔ شانوں پر دو پر تھے۔ حُسن کے لحاظ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ کسی حور کو سامنے بٹھا کر بنایا گیا ہوگا۔ صُورت پر متانت اور تقدّس برستا تھا۔ اعضا کا تناسب اس خوبصورتی سے رکھا گیا تھا کہ یہ بے انتہا کشیدگی قامت کچھ غیر موزوں نہ معلوم ہوتی تھی۔ یہ عورت اپنے نیم باز پروں کے سہارے پر کسی قدر آگے کو جھکی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے بازو بالکل اس طرح پھیلے ہوئے تھے۔ کہ مدت کی ترسی ہوئی اس وقت کسی کو اپنے آغوش میں لیا چاہتی ہے اور غایت اشتیاق سے گری پڑتی ہے۔ یہ دیبی بالکل مادرزاد ننگی تھی۔ مگر (اور یہی عجیب بات تھی) منہ ڈھکا ہوا تھا۔ باوجودیکہ یہ نقاب بھی پتھر ہی کا تھا۔ لیکن اس نزاکت کے ساتھ تراشا گیا تھا کہ چہرے کا تمام نقشہ اچھی طرح نظر آتا تھا۔ اس نقاب کا ایک حصّہ سینے پر پڑا تھا۔ اور دُوسرا پشت کے پیچھے ہوا میں اڑ رہا تھا۔

بڑی دیر تک تو تحیر نے مجھے بولنے ہی نہ دیا۔ آخر میں نے عذرا سے دریافت کیا کہ "یہ کون ہے"؟

عذرا "آہا نواب تک نہیں سمجھا۔ یہ حقانیت ہے کہ دنیا پر کھڑی ہوئی اہل دنیا کو اپنا

نقاب اُٹھانے کے لئے بُلا رہی ہے - دیکھو یہاں چبوترے پر کچھ لکھا ہؤا بھی تھا۔ اس کو سُن کر تمہیں معلوم ہو جائے گا "

عذرا جھکیں - اور اُن کے گونگوں نے جو سایہ کی طرح تھے۔ چراغ دکھلایا۔ عذرا نے چینی نما تحریر کا یوں ترجمہ کیا :-

" کیا دنیا میں کوئی بھی ایسا باقی نہیں رہا کہ میرا نقاب اٹھا کر میری صورت دیکھے جو بہت ہی خوبصورت ہے۔ جو شخص میرا نقاب اٹھائیگا۔ میں اسی کی ہو جاؤں گی - اور اور اس کو رحمت عطا کرونگی - اور علم اولین و آخرین اور نیکیاں بخشوں گی "

" اور ایک آواز آئی کہ تجھے سب ڈھونڈتے ہیں اور سب کو تیری ضرورت ہے تو اچھوتی ہے اور دنیا کے ختم ہونے تک اچھوتی ہی رہے گی - عورت کے پیٹ سے کوئی شخص نہ پیدا ہؤا ہے اور نہ ہوگا جو تیرا نقاب لوٹ کر تیرا چہرہ دیکھے - اور زندہ رہے - اے حقانیت کی دیوی! تیرا چہرہ مرنے پر ہی آدمی کو نظر آئے گا "

" اور حقانیت کی دیوی نے اپنے ہاتھ پھیلائے - اور رو پڑی - کیونکہ جو لوگ اُسے ڈھونڈتے ہیں - اُسے نہ پا سکینگے - اور نہ سامنے کھڑے ہو کر اس کا منہ دیکھ سکینگے "

عذرا " دیکھا! باشندگان کور معلوم ہوتا ہے کہ حقانیت کی دیوی ہی کو پوجتے تھے۔ اسی کو اپنا خدا سمجھتے تھے - اسی کے نام پر معابد بناتے تھے - لطف یہ ہے کہ اسی کی تلاش میں رہتے تھے اور اسی کو نہ پاتے تھے "

میں نے ایک پہر اس نقاب پوش کے بُت کو دیکھا جس کا کمال صنعت اس سنگی قید خانہ سے نکل نکل کر انسان کی رُوح کو تازگی بخشتا تھا - معلوم ہوتا تھا - کہ کوئی پری یا حور ان کمبخت کور والوں کی ناسمجھی کو دیکھ کر پتھر ہو کر رہ گئی ہے - اس کو دیکھ کر آنکھ سیر نہ ہوتی تھی - جی بھرنے میں نہ آتا تھا کہ عذرا کے تقاضے سے تنگ آکر میں بادلِ ناخواستہ ہٹ آیا - یہ بُت عمر بھر مجھے نہ بھولے گا - یہ حسرت ہی رہی کہ میں نے اس کو ایک مرتبہ پھر جی بھر کر نہ دیکھ لیا اور خاص کر اس لئے کہ جو گول پتھر زمین یا زمین کی تصویر کہی جاتی ہے - اس پر اندھیرے میں کچھ خط بھی بنے معلوم ہوتے تھے - اگر دن میں اس کو بغور دیکھا جاتا تو بہ آسانی اس کا پتہ چل جاتا کہ ان

باشندگان کور نے زمین یا دنیا کو کہاں تک معلوم کر لیا تھا۔ بہرحال یہ تو تصدیق ہو گئی کہ ان حقانیت کے پوجنے والوں نے یہاں تک تو معلوم کر لیا تھا کہ زمین گول ہے ؛

باب بست و چہارم

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسمِ منزلہا

دُوسرے روز علی الصباح وہیں ایک حوض میں جواب تک باقی تھا۔ اور نہ معلوم کس طرح اب بھی منقطر پانی سے بھرا پڑا تھا۔ نہائے دھوئے۔ نماز پڑھی۔ معمولات سے فارغ ہوئے۔ عذرا پہلے ہی ہمارے انتظار میں برقع اوڑھے منتظر کھڑی تھیں (میری دانست میں کیا عجب ہے کہ برقع پوشی عذرا نے اس نقاب پوش بُت سے سیکھی ہو) لیکن ان کے چہرے پر کچھ ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ ہم نے سلام کیا۔ جواب بھی کچھ ایسا ہی پایا۔ جیسا کسی فکرمند سے امید کی جا سکتی ہے۔ امین نے مزاج پرسی کی۔ یہ جواب بھی کچھ تسلی بخش نہ تھا ؛

عذرا "کچھ نہ پُوچھو! یہ رات مجھ پر بہت ہی سخت گزری ہے۔ نہایت بدخوابی رہی ڈراؤنے خوابوں سے رات بھر بُری نوبت رہی۔ دیکھئے کیا ہونا ہے۔ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مصیبت آنے والی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھ کو کیونکر نقصان پہنچ سکتا ہے مگر شاید۔ بھلا قرطیس! اگر تمہیں جاگتا چھوڑ کر میں سو جاؤں تو تم مجھے یاد بھی رکھو گے؟ مجھے امید نہیں پڑتی کہ میری طرح تم میرے آنے کا صدیوں انتظار کرو۔ یہ میرا ہی دل گردہ تھا (امین کے جواب کا انتظار نہ کر کے) چلو جلدی چلنا چاہیے آج کی مسافت بہت ہے۔ اور شام سے پہلے ہمیں منزل مقصود تک پہنچنا نہایت ضروری ہے"

ہم فوراً چل پڑے اور سُورج نکلنے سے پہلے شہر کور سے نکل گئے۔ میں نے اور ابن نے ایک حسرت کے ساتھ کور کے کھنڈرات کو دیکھا اور آہ سرد بھر کر چپ ہو گئے۔ ایوب کو ان سے کوئی دلبستگی نہ تھی۔ کیونکہ اس کے اعتقاد کی رو سے یہ جگہ بھوت پریتوں کا ملجا و مامن تھی۔ اس نے شکر کیا کہ جان سلامت لے کر نکل آئے۔

جیسے جیسے آفتاب بلند ہوتا گیا۔ عذرا کا مزاج بھی درست ہوتا گیا۔ دوپہر کے قریب جو ہم کھانا کھانے کے لئے ٹھیرے ہیں تو وہ اپنی اصلی حالت میں تھیں۔

عذرا"۔ یہ جانور کہتے ہیں کہ شہر کور کے کھنڈر آسیب زدہ ہیں۔ مجھے آج ہی اس کا یقین آیا۔ ایسی سخت رات مجھ پر صرف ایک مرتبہ گزری تھی۔ جب میں قرطیس کی لاش لے کر آئی تھی (خدا وہ حالت کسی دشمن کو بھی نصیب نہ کرے) اور تب بھی ان ہی کھنڈروں میں۔ میں نے تو قسم کھائی۔ آج کے بعد پھر کبھی یہاں نہ آؤں گی"

کھانا کھاتے ہی ہم پھر چل کھڑے ہوئے اور ظہر کے وقت ایک پہاڑی کے نیچے پہنچے جو بظاہر آتش فشاں معلوم ہوتی تھی۔ اور اندازاً ڈیڑھ دو ہزار فٹ بلند تھی۔ ہم یہاں اُتر کر جلدی جلدی نماز سے فارغ ہوئے۔ عذرا نہایت بیچین تھیں اور چاہتی تھیں کہ کسی طرح بات کرنے میں اس پہاڑی کے اوپر پہنچ جائیں اور یہاں اس کی بلندی دیکھ دیکھ کر روح کانپتی جاتی تھی۔

عذرا"۔ لو اب یہیں سے ہماری محنتوں کا آغاز ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو یہیں چھوڑ دینا پڑیگا۔ (یاقوت سے) تو ان آدمیوں کو لئے ہُوئے یہیں ہماری واپسی کا انتظار کرنا۔ اوّل تو ہم کل دوپہر تک واپس آجائیں گے۔ اگر نہ آئیں تو ٹھیرے رہنا"

یاقوت نے نہایت ادب سے تعمیل حکم کا وعدہ کیا اور کہا کہ "آپ کے واپس آنے تک ہم بڈھے بھی ہو جائیں تو بھی یہیں پڑے رہیں گے"

عذرا"۔ حنیف! بہتر ہو گا کہ یہ شخص (یعنی ایوب) بھی یہیں ٹھیر جاتے۔ اس

کا قلب پہلے ہی تو ضعیف بتلاتا ہے۔ وہاں جو کچھ ہو گا۔ اس کے دیکھنے کی اُسے تاب نہ ہو گی۔ اور کچھ عجب نہیں کہ اس کو سخت نقصان پہنچے۔ علاوہ ازیں وہ اسرار عوام الناس پر ظاہر ہونے کے قابل بھی نہیں ہیں۔"

میں نے ایوب کی طرف دیکھا تو وہ رو کر میرے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا۔ کہ "وہاں نہیں تو میں یہاں ضرور ہی مر جاؤں گا۔ کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہو گا۔ وہاں آپ دونوں کے ساتھ ہونے سے کچھ تو اطمینان ہو گا۔ اور یہاں آپ کی پیٹھ مڑی نہیں اور ان وحشی گونگوں نے لال توا میرے سر پر رکھا نہیں۔"

عذرا (مسکرا کر) "اچھا خیر آنے دو۔ لیکن اگر اسے وہاں کچھ ہو گیا۔ تو مجھے الزام نہ دینا۔ مجھے اُمید نہیں پڑتی کہ یہ اپنے حواسوں کو صحیح لے کر وہاں سے نکل آئے۔ اگر چلتا ہی ہے تو اسے ایک تختہ اٹھانا پڑیگا اور ایک چراغ لینا پڑیگا۔"

یہ تختہ عذرا کی ڈولی پر اوپر کی بانس یا بلی کے نیچے بندھا ہوا تھا۔ میں تو یہی سمجھتا رہا کہ پردے کے کھلے رہنے کے لئے باندھا گیا ہو گا۔ مگر اب معلوم ہوا کہ یہ ہمارا ہی بار سر بننے کو تھا۔ کوئی پانچ ساڑھے پانچ گز لمبا اور فٹ بھر چوڑا ہو گا۔ خدا جانے کس لکڑی کا تھا کہ بہت ہی ہلکا اور مضبوط تھا۔

ایوب نے بلا انتظار حکم فوراً ایک چراغ اور تختہ اٹھا لیا۔ دوسرا چراغ میں نے اپنی کمر سے باندھا۔ اور تیل کی کپی ہاتھ میں لے لی۔ ابین نے ناشتہ اور پانی کا مشکیزہ اُٹھا لیا۔ عذرا نے یاقوت اور چھوؤں حمالوں کو حکم دیا کہ جھاڑی کے پیچھے جا چھپیں۔ اور جب تک ہم سب نظر سے غائب نہ ہو جائیں وہیں چھپے بیٹھے رہیں۔ ورنہ موت ان کی سزا ہو گی۔

یاقوت نے چلتے ہوئے مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور بڑی حسرت سے کہنے لگا کہ "کاش بجائے تیرے ملکہ" مطاع الکل" مجھے اپنے ساتھ لے جاتیں"۔ یہاں تامل ہی کسے تھا۔ اگر مجبوری کا قدم درمیان میں نہ ہوتا۔ تو واللہ میں اسی وقت الگ ہو جاتا۔ غرض وہ سب لوگ فوراً جھاڑی میں جا چھپے۔ اور عذرا سب کے آگے ہولیں اور ہم تینوں پیچھے۔ میں سمجھتا تھا کہ پہاڑ کی چڑھائی میں سب

سے زیادہ دقت اسی نازک کمر کو ہوگی ۔لیکن مجھے تعجب ہوتا تھا کہ عذرا ہی سب سے آگے نہایت آسانی کے ساتھ چڑھتی چلی جاتی تھیں معلوم ہوتا تھا کہ ان کی نزاکت ان کو اڑائے لئے جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ابتدائً پہاڑی کی صورت کو دیکھ کر جس قدر میں ڈرا تھا ۔اتنی دشوار گزار نہ تھی ۔لیکن پھر بھی بعض بعض جگہیں ایسی سخت تھیں کہ ذرا پیر پھسلنے سے آدمی کی ہڈیاں ڈھونڈھے نہ ملیں ۔کوئی پچاس ساٹھ فٹ بلندی پر پہنچکر ہمیں ایک درہ جیسا ملا جو بہت ہی تنگ تھا لیکن جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جاتے تھے کشادہ اور ڈھلوان ہوتا جاتا تھا ۔یہاں تک کہ آگے پہنچ کر بہت ہی کم رہ گیا تھا ۔پھر چٹان کا ایک گھونگھٹ ملا جس نے ہمیں بالکل چھپا لیا ۔اس کے بعد راستہ بالکل مسطح تھا ۔اور ایک کھوہ پر ختم ہوتا تھا جو اس درہ اور راستے کی طرح قدرتی ہی تھی ۔میرے نزدیک کسی زمانے میں آتش فشاں مادہ نے یہاں کی چٹان اُڑا کر یہ سُرنگ بنالی ہوگی ۔اس کھوہ یا سرنگ کا بے ترتیب اڑا ہوا سارا راستہ ہی اس کے قدرتی ہونے کا شاہد تھا ۔اور اس کو شہر کور کی مصنوعی کھوؤں سے مُتمیز کرتا تھا جس کے دروازے عموماً محرابی اور خوبصورت ہوتے ہیں ۔ اس کھوہ یا سُرنگ کے دہانے پر عذرا ٹھیر گئیں ۔دونوں چراغ روشن کرائے ایک مجھے دیا ۔اور دوسرا خود لے کر سرنگ کے اندر ہولیں ۔اندر راستہ بہت اونچا نیچا تھا اس لئے ہمیں بہت ہی احتیاط سے چلنا پڑا ۔اور شاید آدھے گھنٹے میں مشکل ہم نے پاؤ میل راستہ طے کیا ہوگا کہ کچھ تھپیڑے اور ایک ہوا کے جھونکے نے ہمارے دونوں چراغوں کو گل کردیا ۔میرے تو ہوش ہیں جاتے رہے تھے کہ عذرا کے پکارنے سے کچھ اطمینان ہوا ۔وہ چونکہ آگے نکل گئی تھیں ۔ہم ٹٹولتے ہوئے ان تک پہنچ گئے عذرا نے چقماق سے آگ جھاڑی اور بشکل تمام پھر چراغ روشن کئے گئے ۔دو ہی چار قدم آگے بڑھے ہونگے کہ ایک نئی خوفناک چیز ہمیں نظر آئی ؛

معلوم ہوتا ہے کہ آتش فشاں مادہ نے اپنے زور میں ایک اور کھڈ اس قطع کا بنایا تھا کہ ایک طرف پہاڑ میں خدا جانے کہاں ایک چٹان اُلجھی رہ گئی تھی ۔باقی ہر طرف سے خالی تھا ۔اور اس قدر گہرا کہ عمق تک آنکھ تو ایک طرف خیال کا پہنچنا

بھی ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ ہم اس وقت یہ اندازہ نہ کر سکے کہ اس کھڈ کا جوف کہاں اور کس طرح جا کر ختم ہوتا ہے۔ اور میں تو اپنے نزدیک اس وقت تک یہ ہی ناممکن الوقوع خیال جمائے بیٹھا ہوں کہ یہ چٹان معلق ہی تھی۔ اور اگر معلق نہ ہو تو تعجب ہے کہ ایسی کہاں اُلجھی ہوئی تھی کہ صدیوں سے اُس نے جنبش ہی نہ کی۔ بہرحال یہی چٹان ہمارا راستہ تھا۔ اگر ایک طرف پہاڑ کا سہارا نہ ہوتا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اس پر قدم رکھتے ہی آدمی خوف کے مارے مر رہتا۔

عذرا: دیکھو ایک ایک قدم احتیاط سے رکھنا۔ ہوا بھی تیز ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی دھوکے سے آ رہو۔ ذرا قدم اِدھر اُدھر ہوا اور آدمی گیا۔ کیونکہ اس کھڈ کی تھاہ نہیں ہے۔

اول تو وہ راستہ ہی کونسا صاف اور سیدھا تھا۔ اس پہ عذرا کی فہمائش نے یہ اثر کیا کہ ڈر کے مارے ہوش جاتے رہے۔ تہذیب ایک طرف۔ میں تو مزید احتیاط کے لئے اپنے چاروں ہاتھ پیروں پر چلنے لگا۔ میرے پیچھے ایوب قدم قدم پر خدا کو یاد کرتا ہوا اور اپنے تختے کو گھسیٹتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اور اس کے پیچھے امین اگرچہ امین نے کسی بات میں گھبراہٹ ظاہر نہ کی۔ لیکن یہ ضرور تھا کہ ان کے مزاج کی معمولی شوخی تشریف لے جا چکی تھی۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ مجھے اور ایوب کو اس طرح چلتے دیکھتے اور ایک آدھ پھبتی نہ کہ ڈالتے۔

عذرا ہم سب کے آگے تھیں۔ ہوا کا جھونکا اگر شدت کا آتے دیکھتی تھیں تو ذرا جھک جاتی تھیں ورنہ بے خوف و خطر سینہ تانے اُڑی چلی جاتی تھیں۔ ہم ان کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس لئے بمجبوری ان کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہمارا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ ہم تھوڑی ہی دور آگے بڑھے ہوں گے کہ ایک جھونکا آیا۔ میں تو وہیں زمین پر لیٹ گیا۔ اور میرے ساتھی بھی۔ عذرا البتہ کھڑی رہیں اور بہت ہی احتیاط کی۔ لیکن ہوا ان کے برقع کو صاف اُڑا لے گئی۔ یہ صورت بجائے خود نہایت خوفناک تھی۔ ہوا کا سناٹا یوں ہی کچھ کم نہ تھا۔ اس پر برقع کے اُڑنے سے بالکل یہ خیال ہوا کہ پہاڑ ہمارے اوپر آ رہا۔ دیکھتے ہی

دیکھتے یہ برقع کہیں اس جوف یا خلو میں ایسا غائب ہؤا کہ پھر دکھائی نہ دیا۔ عذرا کے برقع نے اتر کر اس وقت اُن کو اَور بھی چمکا دیا تھا۔ بس بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم پُل صراط پر ہیں۔ اور سامنے ایک حور بال بکھیرے ہوئے ہمارے انتظار میں یا استقبال کے لیے کھڑی ہے۔ خدا پھر آزمایش میں نہ ڈالے وہ حالت آنکھوں کے سامنے اگر کسی وقت اب بھی آ جاتی ہے تو مجھے پسینہ آ جاتا ہے۔ عذرا ہمیں بار بار پکارتی تھیں اور احتیاط کے مختلف طریقے بتلاتی چلی جاتی تھیں۔ ہم سے بھی جس طرح ممکن ہوتا تھا۔ ان کے مطابق النعل بالنعل چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ خدا خدا کر کے اس چٹان کا خاتمہ ہؤا اور ایک نئی مصیبت سامنے آئی ۔

چٹان کے خاتمے پر ایک غار اژدہا کی طرح سامنے منہ پھاڑے پڑا تھا۔ جہاں تک میرا قیاس کام کرتا تھا۔ اس غار کی بھی تھاہ نہ تھی۔ اندھیرے میں ہم معلوم نہ کر سکے کہ یہ غار کتنا لمبا چوڑا ہے۔ اور اس کے اس طرف کیا ہے۔ بغور دیکھنے سے کسی چیز کا وجود تو معلوم ہوتا تھا۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کوئی چٹان ہے یا کچھ اَور بلا۔ بہر حال اب ہمیں اس تختے کے لانے کی وجہ اور اس کے استعمال کی ضرورت معلوم ہوئی ۔

عذرا (ایک جگہ کھڑی ہو کر) "لو اب ذرا یہاں سستا لو۔ ابھی تھوڑی دیر میں روشنی ہو جائیگی "۔

میری سمجھ میں مطلق نہ آیا کہ اس ظلمات میں روشنی کہاں سے آئیگی۔ لیکن میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ یکایک دھوپ نے اس عقدہ کو حل کر دیا۔ مجھے اس وقت تک حیرت ہے کہ یہاں دھوپ کہاں سے آ گئی۔ ممکن ہے کہ پہاڑ میں کہیں ذرا سا شگاف باقی رہ گیا ہو۔ اور سورج اُس کے محاذ میں آ کر یہاں بھی مفت کرم داشتن کا مضمون کر گیا ہو۔ بہر حال اس وقت تو اس ذرا سی دھوپ نے ہمارے دشمن اندھیرے پر تلوار یا اس سے بھی بڑھ کر برق کا اثر کیا۔ ہمارے سامنے حقیقت میں کوئی تین ساڑھے تین گز چوڑا غار تھا۔ سامنے کسی قدر بلند اور نوکیلی چٹان تھی

یہ تو ممکن تھا کہ اگر آدمی جست کر کے اس غار کو پھاندنا چاہے تو اُدھر تک پہنچ جائے۔ لیکن کھڑی اور نکیلی چٹان کی وجہ سے وہاں پہنچ کر سنبھلنا اور تھمنا ذرا کام رکھتا تھا مشکل یہ تھی کہ چٹان بھی بالکل معلق ہی معلوم ہوتی تھی۔ اس پر پھیرنے اُور چلنے کی جگہ اُور بھی زیادہ تنگ تھی۔ اس کی صورت کذائی میں ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کر سکتا۔ بس اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ بغیر کسی چیز کے پُل بنائے اس پر سے گزرنا قطعی ناممکن تھا۔ عذرا کی زبانی معلوم ہوا کہ یہاں ہوا ہمیشہ ایسی رہتی ہے کہ آدمی کا قدم بمشکل ٹک سکتا ہے۔

عذرا:۔ "لو جلدی کرو۔ تختہ رکھو۔ بس اب لمحہ کے لمحہ میں ہی یہ روشنی غائب ہوا چاہتی ہے"۔

میں نے ایوب سے تختہ لے کر اس کا پل بنایا۔

ایوب:۔ "اوہ! اب کہیں ہمیں اس تختے پر سے چلنا پڑے گا۔ اچھا بازیگروں کا تماشا کرنا پڑا ہے"۔

مَیں:۔ "جی ہاں! اور نہیں تو کوئی تمہارے واسطے پل باندھنے آئے گا"۔

عذرا نے اپنے ہاتھ سے تختہ درست کیا اور اُس پر چڑھ کر ذرا اپنے جسم کو تولا اور کہنے لگیں کہ "معلوم ہوتا ہے کہ پتھر نے کسی قدر اپنی جگہ چھوڑ دی ہے پہلے جب میں یہاں آئی تھی تو یہ صورت نہ تھی۔ بہرحال مجھے شبہ ہے کہ کہیں یہ چٹان ہمارا بوجھ نہ سنبھال سکے۔ پہلے مجھے چلا جانے دو۔ اگر پتھر گرا بھی تو مجھے کوئی نقصان نہ پہنچائے گا"۔

عذرا یہ کہتے ہی چل دیں اور دم کے دم میں اس پار نظر آئیں۔

عذرا:۔ "لو جلدی آؤ۔ ابھی تک تو زیادہ خوف کی بات نہیں ہے۔ ذرا احتیاط سے قدم رکھنا بلکہ بیٹھ کر چلو تو اور اچھا"۔

میں نے جرأت کر کے تختے پر قدم رکھا۔ لیکن جیسے ہی تختہ لچکا۔ ڈر کے مارے میری جان نکلنے لگی۔ مَیں ویسے ہی ہٹ گیا۔

عذرا:۔ "عجب بزدل ہے۔ اگر تجھ سے نہیں آیا جاتا تو راستہ چھوڑ۔ قرطیس کو آنے

دے ۔ یہاں ایک ایک لمحہ بھاری ہے ؟

مجھے بڑی غیرت آئی ۔ اور عورت کے طعن سننے سے مرجانا بہتر سمجھ کر میں نے خدا پر توکل کیا ۔ اور آنکھیں بند کر کے تختہ پر بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ آگے سرکا ۔ اپنے موٹاپے سے پہلے ہی مجھے نفرت تھی اور خاص کر اس وقت! جوُں جوُں تختہ لچکتا تھا ۔ میری جان نکلی جاتی تھی ۔ دل ڈوبا جاتا تھا اور ہر قدم آخری معلوم ہوتا تھا ۔ الحمدللہ کہ جس طرح بنا بخیریت پار ہو گیا اور جاتے ہی سجدہ شکر کیا ۔

میرے بعد اگرچہ ایوب تھا ۔ مگر عذرا کے تقاضے سے امین کی باری آئی ۔ مجھے اپنے سے زیادہ ان کا خیال تھا ۔ مگر امین کی جرأت واقعی قابل تعریف ہے کہ وہ کھڑے چلے آئے ۔ اس کی داو بھی انھیں اسی وقت مل گئی ۔ کہ عذرا نے وہیں آگے بڑھ کر ان کا مُنہ چوم لیا ۔ اور کہا کہ قرطبیس! فراعنہ مصر کے خون میں واقعی خود داری ہے ۔ اسی خون نے تمہیں اب بھی نہ جھکنے دیا ۔ واقعی ایسا ہی خون نہ ہوتا تو خدائی کا دعوٰے کیسے ہو سکتا تھا ۔" اب بیچارہ ایوب باقی رہ گیا ۔ اُس نے کئی مرتبہ تختے پر قدم رکھا اور ہٹ گیا ۔

ایوب "مجھ سے نہیں آیا جاتا ۔ مَیں تو اندر ہی جا پڑونگا ۔"

مَیں "ایوب! ہمت نہ ہارو ۔ جلدی کرو ۔ کچھ مشکل نہیں ہے ۔"

ایوب "جی مجھ سے کسی طرح نہیں آیا جائیگا ۔"

مجھے اب تک یاد ہے کہ مَیں نے اس پریشانی میں ایوب سے کہا کہ ایوب اس تختے پر چلنا مکھیاں پکڑنے سے بھی تو آسان ہے ۔ حالانکہ اب جو میں خیال کرتا ہوں تو مکھیاں پکڑنا بہت ہی مشکل ہے اور خاص کر گرمی کے موسم میں دیکھئے آدمی کو حصول مقصد کے بعد کس قدر غرّہ ہو جاتا ہے کہ اس کے حصول کے لئے جو مصائب اُس نے اٹھائے ہوتے ہیں وہ ذرا سی ہی دیر میں بھول جاتا ہے ۔ اور وہ مقصد خود اس کی آنکھوں میں حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے ۔

عذرا "اس کمبخت سے کہدو کہ اگر آنا ہے تو جلدی آئے ورنہ روشنی گئی ۔ دیکھو بہت ہی کم باقی رہ گئی ہے ۔"

میں ": ایوب! اگر آنا ہے تو جلد چلے آؤ - ورنہ ابھی اندھیرا ہو جائیگا اور زیادہ پریشان ہو گے - یا ہمارے آنے تک وہیں ٹھیرے رہو"۔

امین ": ایوب! کیوں نامرد بنے جاتے ہو - اگر ڈر و گے نہیں تو سب آسان ہو جائیگا"۔

ہمارے کہنے سننے سے ایوب نے کچھ جرأت کی اور "ہاے رے" کہکر بڑھا - مگر اس قطع سے کہ دونوں پیر ادھر اُدھر لٹکا دئے - اور ہاتھوں کے سہارے پر پھدک پھدک کر چلنے لگا جھٹکے وہ کھاتا تھا اور یہاں دم میرا نکلا جاتا تھا - اتنے میں روشنی بھی جاتی رہی اور بالکل اندھیرا ہو گیا - ادھر ایوب چیخا - ادھر میں چلایا - قریب پہنچ ہی گیا تھا - میں نے ہاتھ پھیلا دئے - اندھیرے میں سوجھنا تو کیا خاک تھا - کہنا چاہئے کہ اتفاق سے ہی ایوب کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آگیا - اور میں نے اُسے پکڑ کر کھینچ لیا - مگر اس کشاکشی میں غضب یہ ہوا کہ تختہ ہاتھ سے جاتا رہا - ایک دفعہ اس کے ٹکرانے کی آواز سُنی پھر خدا جانے کہاں کا کہاں پہنچا۔

میں ": ارے غضب! اب واپس کیونکر جائینگے"؟

امین ": آپ کو واپسی کی پڑی ہے - اور میں یہاں تک سلامت پہنچنے پر ہی شکر کر رہا ہوں - عموا! ہنوز روز اول است ابھی دیکھئے کیا کیا افتاد پڑتی ہے"۔

عذرا ": بالفعل آگے بڑھنے کا فکر کرو - واپسی کے وقت دیکھا جائیگا - حنیف! لے میرا ہاتھ پکڑ لے اور چلا آ"۔

باب بست و پنجم

بسوئے کلبہ عاشق ازاں مے آورد نازش
کہ جز پرکالہ ہائے دل نزیبد پائے اندازش

میرا ہاتھ عذرا کے ہاتھ میں ہے اور جس طرح ممکن ہوتا ہے - میں ٹھوکر کھاتا ہوں - یکایک مجھے معلوم ہوا کہ میرا اگلا قدم کسی گڑھے میں پڑیگا - اور میں چیخا۔

عذرا "درست۔ تو بے خوف کود پڑ۔ میں تجھے سنبھالے ہوئے ہوں"

ایسا کرنا بجائے خود خوفناک تھا۔ عذرا کی اور طاقتیں مسلّم۔ مگر میں نے اب تک اس کی قوت نہ آزمائی تھی۔ اس لئے اُور بھی خوف ہوا کہ بھلا میرا بوجھ وہ کیا سنبھال سکتی ہے۔ لیکن دنیا میں جیسے بعض بعض وقت کسی حقیر چیز پر ہم اپنے اہم کاموں کا انحصار کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی اس وقت میں نے اپنی جان سی پیاری چیز عذرا کے ہاتھ میں دیدی۔ اور خدا کے توکل پر کود پڑا۔ پہلے تو مجھے خیال ہوا کہ میں گیا۔ مگر جیسے ہی میرے قدم زمین پر ٹکے اطمینان ہوگیا۔ اتنے میں ایمن بھی اس طرح اتر آئے۔ اور ان کے بعد ایوب اس طرح کودا کہ ہم دونوں گر پڑے۔ ہم دونوں ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ عذرا بھی آ گئیں۔ ان کے کہنے سے ہم نے دونوں چراغ روشن کئے۔ چونکہ یہاں ہوا بہت ہی کم تھی اس لئے چراغ بہ آسانی جل گئے ؎

روشنی ہونے پر معلوم ہوا کہ جہاں ہم کھڑے تھے یہ کوئی پانچ گز مربع کچھ مصنوعی اور کچھ قدرتی کھوہ تھی۔ جس قدر حصہ اس کا قدرتی تھا وہ نہایت غیر مرتب اور بھیانک تھا۔ کیونکہ جگہ جگہ پتھر لٹک رہے تھے ان کو دیکھ کر ہم بہت ہی ڈرے کہ کہیں ہمارے سر ہی پر نہ آ رہیں۔ باقی حصہ جہاں حضرت انسان کا ہاتھ پہنچا تھا نسبتاً بہت ہی محفوظ تھا۔ ہوا یہاں کی نہایت معتدل تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مائل بہ گرمی ؎

عذرا "شکر ہے کہ یہاں تک ہم بخیریت پہنچ گئے۔ ایک دفعہ تو مجھے خیال ہوا تھا کہ تختے کے ساتھ وہ چٹان اور چٹان کے ساتھ تم تحت الثرے کو پہنچ جاؤ گے کیونکہ واقعی وہ پتھر بالکل جدا کھڑا ہے۔ اور عجب نہیں کہ ہوا کے زور ہی میں کسی وقت گر پڑے (ایوب کی طرف دیکھ کر) اس کی عنایت سے تختہ بھی جاتا رہا۔ یہاں کے وحشیوں نے اس کا نام کبش واقعی بہت ہی موزوں تجویز کیا ہے۔ سخت بے عقل اور ڈرپوک آدمی ہے۔ واپس جانے میں واقعی بڑی مشکل پڑے گی خیر ایک ترکیب میرے خیال میں آگئی۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ جہاں تم کھڑے ہو یہ کیا

جگہ ہوگی ؟

میں " میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا "

عذرا " منیف ! شاید تو اعتبار نہ کرے گا کہ اس جگہ کو ایک شخص نے اپنے رہنے کے لئے پسند کیا تھا ۔ اور حقیقت میں اس نے اپنی تمام عمر یہیں گزار دی ۔ بنو الجبر اس کے بہت ہی معتقد تھے ۔ سرنگ کے دہانے پر کھانا ۔ پانی اور کچھ تیل بطور نذر کے لا رکھا کرتے تھے ۔ یہ شخص ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ میں ایک مرتبہ وہاں سے اپنی ضرورت کے موافق چیزیں اٹھا لاتا تھا اور پھر یہیں آ بیٹھتا تھا "

ہم متعجب ہو کر عذرا کی صورت دیکھتے رہ گئے ۔

" اس شخص کا نام " نوٹ " تھا ۔ اس سے بڑھ کر تارک الدنیا اور کوئی کیا ہو سکتا ہے ۔ عجیب لطف سے یہاں اپنی زندگی بسر کرتا تھا ۔ دن رات مشغول رہتا تھا ۔ عجب انسان تھا ۔ قدیم باشندگان کور کے حالات سے بہت اچھی طرح واقف تھا ۔ بڑا فلسفی تھا ۔ عجائبات عالم کے تمام راز اس پر روشن تھے ۔ اسی سے میں نے اس آگ کا حال معلوم کیا جس کو میں تمہیں دکھلاؤنگی ۔ یہ آگ بھی قدرت کاملہ کی ایک عجیب چیز ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ جس شخص تک اس آگ کی روشنی نہ پہنچی ہو وہ ذی رُوح ہونے کا دعوےٰ نہیں کرسکتا ۔ اور جو شخص اس آگ میں ایک مرتبہ جی کڑا کرکے کھڑا ہو گیا ۔ بس زندگی تازہ کے ساتھ اور خدا جانے کیا کیا چیز اسے مل گئی ۔ بہر حال اُس شخص " نوٹ " نے بھی حلیف تیری ہی طرح اس آگ سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا ۔ اور بدنصیب یوں ہی مرگیا ۔ اس کا قول تھا ۔ کہ " آدمی کے لئے عمر طبعی سے زیادہ زندہ رہنا بہت ہی مخدوش ہے ۔ انسان بھی کہیں زندہ رہنے کے لئے پیدا ہوا ہے ۔ ایک وقت خاص پر اس کا مر جانا نہایت مصلحت ہے " ۔ اسی بنا پر اس نے اپنے معلومات کسی کو نہ بتلائے ۔ اور سب کچھ ظالم اپنے ساتھ ہی لے گیا ۔ قرطیس ! جس زمانے میں میں یہاں پہنچی ہوں ۔ ان دنوں اس شخص کا بہت ہی شہرہ تھا (میرے یہاں آنے کا قصہ بھی بہت طول طویل اور دردناک مگر دلچسپ ہے ۔ کسی اَور وقت سناؤں گی) میں اس کی شہرت

سن کر اُس کی مشتاق ہوئی۔ اور یہیں سرنگ کے دہانے پر اس کے انتظار میں بیٹھی رہی۔ اور جب وہ اپنا آذوقہ لے کر چلا میں اس کے ساتھ ہو لی۔ اس نے مجھے بہتیرا ڈرایا مگر میں ایک نہ مانی لیکن جب میں اس غار پر پہنچی ہوں تو جان کے لالچ سے یہاں آکر بہت پچھتائی۔ بارے وہ مجھے یہاں لے آیا۔ کئی مہینے بڑے لطف کے ساتھ اس کی ہمراہی میں کاٹ دئے۔ اور اُس میں اُس کی خاص خاص قوتوں کو بھی معلوم کر لیا۔ بہت سی باتیں اُس سے حاصل کیں۔ ایک روز اس آگ کا بھی ذکر کیا۔ مَیں نے چاہا۔ مگر اس نے نہ مانا۔ آخر کب تک۔ مَیں نے کچھ اپنے حُسن کا جادو چلایا۔ کچھ باتیں بنائیں۔ کچھ خوشامد کی اور اُس کو ساتھ لے کر وہاں پہنچی۔ آگ میں جانا چاہا تو اس نے نہ مانا۔ اور مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ اور حقیقت میں اگر میں اس کے خلاف کرتی تو وہ ضرور ہی مار ڈالتا۔ میں نے سوچا کہ جلدی کیا ہے۔ یہاں تک تو معلوم ہو ہی گیا ہے۔ بڈھا آدمی گے روز جئے گا۔ اس کے مرنے پر دیکھا جائیگا۔ وہاں سے پلٹ کر اس کی رضامندی سے مَیں باہر نکل آئی۔ اس کے فیضِ صحبت سے جو کچھ میں نے حاصل کیا کچھ کم نہ تھا۔ مَیں کہ سکتی ہوں کہ گو میں اس آگ میں نہیں نہانے پائی۔ لیکن اس کی صحبت نے مجھ میں بالکل ایک نئی روح پھونک دی۔ اور میری آنکھیں کھل گئیں۔ میں نے اپنی زندگی میں ایک وہی شخص پایا ہے جس نے گویا اپنے زہد سے حقانیت کو بے نقاب دیکھا تھا۔

"اس کے چند روز بعد قرطیس تم امینراٹس کے ساتھ اس خطہ میں پہنچے۔ تم کو دیکھتے ہی عمر بھر میں سب سے پہلی اور سب سے آخری مرتبہ مَیں محبت اور چاہت کی لذت سے واقف ہوئی۔ اسی جوش میں یہ سوجھی کہ مَیں اور تم یہاں آکر ایک مرتبہ حیات ابدی پالیں تو بے غل و غش لطفِ زندگی اٹھائیں۔ وہ ظالم مصریہ کسی طرح نہ ٹلی اور ہمارے ساتھ ہی یہاں آئی۔ سب سے پہلی بدشگونی یہ ہوئی۔ کہ مَیں نے آتے ہی "نورث" کو مرا ہوا پایا۔ حنیف! جس جگہ تو بیٹھا ہے اسی کے قریب اس نے جان دی تھی اور یہیں پڑا رہ گیا تھا۔ اب تو اس کی ہڈیوں کی خاک بھی ہوا نے اُڑا کر رکھ دی ہو گی "

عذرا سے یہ سُن کر مجھے ذرا حیرت سی ہوئی۔ اِدھر اُدھر ہاتھ سے ٹٹولا۔ تو ایک چھوٹی سی چیز میرے ہاتھ میں آئی۔ اٹھا کر دیکھتا ہوں تو کسی آدمی کا دانت تھا۔ مگر بالکل زرد۔ میں نے عذرا کے ہاتھ میں دے دیا۔

عذرا (ہنسکر) ہاں اُسی کا دانت ہے۔ مجھے اس کی صورت اب تک اچھی طرح یاد ہے کچھ شک نہیں کہ اسی کا دانت ہے۔ ذرا خیال تو کرو کہ "نوٹ" یا "نوٹ کے علم و عقل" کی کیا نشانی باقی رہ گئی ہے۔ صرف ایک دانت۔ اور وہ بھی محض بیکار حالانکہ "نوٹ" وہ شخص تھا کہ اگر چاہتا تو اب تک زندہ رہ سکتا تھا۔ مگر تھا اپنی دھن کا پکا۔ مرتے مر گیا لیکن اُس آگ میں نہ نہایا۔ حنیف! اس سے اُس کے تقدس کا اندازہ لگ سکتا ہے۔ غرض میں "نوٹ" کو اسی حالت میں چھوڑ کر قرطیس کو لیئے ہوئے اس آگ تک پہنچ گئی۔ اور ہمت کر کے اپنے نزدیک موت کے منہ یعنی اس آگ میں جا کھڑی ہوئی۔ خدا کی قدرت نہ صرف میں سلامت رہی۔ بلکہ ایک نئی زندگی پا کر نکلی۔ جس کی قدر تمہیں اسی وقت ہوگی کہ جب تم پر خود وہ کیفیت طاری ہو جائے یہ حُسن جس کو تم دونوں نے دیکھا ہے اور یہ عمر اسی آگ کا عطیہ ہے۔ میں نے نکلتے ہی قرطیس تمہیں آغوش میں لینے کے لئے ہاتھ بڑھائے لیکن خدا جانے اس ڈائن مصریہ نے تم پر کیا جادو کر دیا تھا کہ بجائے اس کے کہ تم میری طرف توجہ کرو۔ تم نے میرے مقابلے میں امینراٹس کے گلے میں باہیں ڈال دیں مجھے نہایت رشک ہوا۔ اور حالتِ غیظ میں تمہارا ہی برچھا اٹھا کر تمہارے سینے میں مار دیا۔ تم وہیں سرچشمۂ حیات پر بیجان ہو کر رہ گئے۔[1]

[1] قرطیس کے قتل کا حال جیسا کچھ اب عذرا کی زبان سے معلوم ہوا اور جو کچھ امینراٹس نے اس ٹھیکرے پر لکھا تھا بہت ہی فرق رکھتا ہے۔ منجملہ اور تناقضات کے وہاں بیان کیا گیا ہے کہ قرطیس کو اس عورت نے اپنے جادو کے زور سے مار ڈالا۔ اب نہ معلوم کونسی بات ان دونوں میں سچی ہے۔ لیکن یاد ہوگا کہ قرطیس کی لاش کے سینے پر ایک زخم معلوم ہوتا تھا۔ خواہ وہ زخم قبل از موت لگایا گیا ہو یا بعد میں یہ عذرا کے بیان کا ثبوت قطعی ہے۔ دوسرا امر جس کو ہم تحقیق نہ کر سکے یہ ہے کہ وہ دونوں عورتیں قرطیس کی لاش کیونکر اٹھا لائیں۔ آخر اس کھوہ میں سے نکلنا اس زمانہ میں بھی تو ایسا مشکل ہوگا۔ بہرحال دو عاشقوں کا اپنے معشوق کی لاش اٹھا کر لانا سخت دردناک نظارہ ہوگا۔ میرا تو خیال آتے ہی رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے۔ (حنیف)

"ہائے وہ وقت بھی مجھے کبھی نہ بھولیگا۔ قرطیس! جب تم گر گئے تو مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی۔ بہت روئی۔ بُرا حال کیا۔ اور سارا رونا اس بات کا تھا کہ میں تمہارے ساتھ مر بھی نہ سکتی تھی۔ ورنہ جو صدمہ اس وقت مجھے ہوا تھا۔ کوئی معمولی آدمی ہوتا تو وہیں مر رہتا۔ اور وہ مصریہ پاپن الگ کوس کوس کر میری جان کھائے جاتی تھی۔ خدا کو تو یہ مصری جانتے ہی کیا تھے۔ کمبخت کھڑی ہوئی اپنے بُت اوسرس۔ آئیرس لقطس۔ حفظ او سنفط کی مار مجھ پر ڈال رہی تھی۔ اور میں تھی کہ اس صدمہ میں ان بتوں کا نام سُن سُن کر اَور بھی جلی جاتی تھی۔ اور اس پر رحم بھی آتا تھا۔ ورنہ میں اس کو وہیں ڈھیر رکھتی۔ غرض ہم دونوں نے مل کر تمہاری لاش یہاں سے اٹھائی۔ اور باہر لے گئے۔ اس کے بعد میں نے اس عورت کو دلدلوں کے پار اتروا دیا۔ اب یہ تمہاری زبانی معلوم ہوا کہ وہ ایک لڑکا جننے تک زندہ رہی۔ اور آخر کار اپنے ہی فعل سے تم کو یا یوں ہی کیوں نہ کہوں کہ اپنے محبوب کو مجھ تک پہنچا دیا۔

"قرطیس! جہاں تک مجھ کو تمہاری پچھلی زندگی میں تعلق رہا ہے۔ اس کا قصہ تم سُن چکے۔ اب وہ وقت آیا ہے کہ اس کا نعم البدل تمہیں دوں۔ ممکن ہے کہ تم اس قصے میں بہ نسبت بھلائی کے بُرائی زیادہ دیکھوگے۔ ورنہ اس میں تو شک ہی نہیں کہ دنیا کی ہر چیز کی طرح نیکی اور بدی اس میں بھی توام ہی نظر آئینگی جو کچھ ہو میں نے بالکل صحیح قصہ تمہارے سامنے بیان کردیا ہے۔ اچھا اب اس مقدس آگ تک پہنچنے سے پہلے مجھے تم سے کچھ کہنا ہے وہ کہ لوں تو پھر چلوں۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ اس روح بخش آگ تک جانا گویا موت کے مُنہ میں جانا ہے موت اور زندگی میں اس قدر قرب ہے کہ انسان کہہ نہیں سکتا کہ اس کا دوسرا قدم موت کے مُنہ میں پڑیگا یا حیات کے کندھے پر ممکن ہے کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آئے جس سے میں اور تم پھر صدیوں تک ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ آخر میں ایک عورت ہی ہوں کوئی پیغمبر تو ہوں نہیں کہ کل کا حال بتلا سکوں۔ اس قدر میں نوٹ" کی زبانی بھی سن چکی ہوں اور خود بھی تجربہ کر چکی ہوں کہ اس آگ میں نہانے کا اثر یہ ہے کہ آدمی کی عمر

اور اس کو عجیب وغریب علم حاصل ہو جائے (جس کی ماہیت میں بیان نہیں کر سکتی تم کو خود معلوم ہو جائیگا) اور یہ بھی ضروری ہے کہ گو آدمی کی عمر بڑھ جائے مگر چونکہ اس کی فطرت پر زیادہ اثر نہیں پڑتا - اس لئے یہ ممکن نہیں کہ آدمی ابد الآباد تک زندہ رہ سکے - کیونکہ ایسی زندگی خارج از فطرت انسانی ہے - اس لئے قرطیس! سب سے پہلے تم میرا اطمینان کردو کہ تم نے میرے قصور دل سے معاف کر دئے ہیں - قرطیس! حقیقت میں میں بہت ہی بڑی قصوروار - گنہگار - اور خطاکار ہوں - اب خواہ تم اپنی موت کو میرا قصور ٹھیرا لو یا اس عورت اُستن کے قتل کو گناہ سمجھ لو - جس کو میں نے عدول حکمی میں مار ڈالا - یا میرے جھوٹ بولنے کو خطا قرار دے لو - اور اگرچہ یہ تمام بدیاں مجھ سے نہایت ہی محبت میں سرزد ہوئی ہیں - مگر میں بہرکیف پشیمان ہوں اور اسی اپنے عشق ومحبت کو شفیع ٹھیرا کر میں تم سے معافی چاہتی ہوں جس طرح میرے جذبات نے مجھے اندھے کوئیں میں دھکیلا - اسی طرح امید ہے کہ عشق ومحبت کے واسطے سے میں اپنی مراد پاؤں گی - قرطیس! اس وقت تم میری عظمت وقوت کو اپنے دل سے نکال ڈالو - اور مجھے اپنی ایک ادنےٰ کنیز سمجھ کر میرا ہاتھ پکڑ کے ایک تو یہ کہدو کہ تم نے میری تقصیرات معاف کیں - اور دوسرے یہ بتلا دو کہ تمہارے دل میں میری محبت کا کچھ اثر بھی ہوا ہے یا نہیں؟"

عذرا یہ کہکر ایمن کے جواب کا انتظار کرنے لگیں - اُن کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ واقعی وہ بہت ہی شرمندہ ہیں - ان پر سرتاپا عاجزی برس رہی تھی - ان کے گڑگڑانے کا میرے اور ایمن کے اوپر برابر ہی سا اثر ہوا - بلکہ ایمن پر کچھ زیادہ - پہلے میں دیکھتا تھا کہ عذرا کی طرف ان کا میلان طبع بالکل مجبوری کا تھا - یا مدہوشانہ جیسے بعض وقت کوئی چڑیا سانپ کو دیکھ کر مدہوش سی ہو جاتی ہے - اور اُڑنے کی طاقت سلب کرا بیٹھتی ہے - لیکن اس وقت ان کی حالت میں نے بالکل اضطراری پائی عذرا کے جوش محبت کو وہ ضبط کرنا چاہتے تھے - مگر نہ ہو سکتا تھا - میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے - وہ بڑھے اور عذرا کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہوئے؛

ایلین :۔ عذرا! سچ جانو کہ جتنی مجھے تمہاری محبت ہے۔ شاید کسی مرد یا کسی عورت سے ہوئی۔ باقی رہی معافی۔ اُستن کے قتل کو تو مَیں اپنے دل سے معاف کرتا ہوں تمہارے اَور گناہوں کا مجھے علم نہیں۔ ان کی نسبت تم جانو یا عالم الغیب! اُسی کے حضور سے تم بخشوع و خضوع معافی چاہو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میں اس وقت اتنا جانتا ہوں کہ مَیں تمہاری محبت کی اپنے دل میں کچھ انتہا نہیں پاتا۔ زندگی بھر تو تمہارا ساتھ چھوڑونگا نہیں "۔

عذرا :۔ اب چونکہ میرے سرتاج نے میرے اوپر یہ مراحم کئے ہوں۔ مجھ پر بھی اس کا شکر واجب ہے۔ اور یہ دیکھو اس شکریئے میں بہزار ذلت اپنے سرتاج کے قدموں پر گرتی ہوں (ایلین کے پیروں پر سر رکھ دیا) اور اسے دیکھو مَیں نہایت عاجزانہ ان کے قدم چومتی ہوں۔ جتنے گناہ مَیں نے جوش محبت میں کئے تھے۔ ان سب کا کفارہ ان مصائب سے ہو گیا تھا۔ جو مَیں نے اپنے سرتاج کے انتظار میں صدیوں اٹھائے۔ اور پھر میرے سرتاج نے بغایت مرحمت ان کو بخش بھی دیا۔

"اب میں عہد کرتی ہوں کہ مَیں عمر بھر گناہوں کے پاس بھی نہ پھٹکوں گی۔ اور جہانتک ممکن ہوگا نیکی اختیار کروں گی۔ میں عہد کرتی ہوں کہ میں تمام عمر بیویوں یا ادنےٰ کنیزکوں کی طرح اپنے فرض پورے کرونگی۔ میں عہد کرتی ہوں کہ آج کے بعد لا حاصل طمع اور لغو بلند نظری کو عمر بھر کے لئے ترک کردوں گی۔ میں عہد کرتی ہوں کہ مدت العمر قرطیس کی ایک ادنےٰ کنیزک رہونگی۔ اور اس کی محبت کی مَیں اپنے دین و ایمان کے برابر قدر کرونگی۔ اور اس کے احکام کی بجا آوری اپنا سب سے پہلا فرض سمجھونگی۔ مَیں عہد کرتی ہوں کہ ۔ ۔ ۔ مگر زبانی عہود کرنے اور باتیں بنانے سے کیا حاصل ہے۔ جو کچھ میرے دل میں ہے۔ مَیں کر کے دکھلا دوں گی حنیف! تو میرے عہود و مواثیق کا گواہ رہنا۔ میں اپنے نزدیک یہ سمجھ چکی ہوں کہ میں اپنا نکاح قرطیس سے کر چکی ہوں۔ آپ اپنے مذہب و ملت اور اپنی رسوم کے موافق جس وقت چاہیں اس کی تکمیل کرلیں۔ بہر حال یہ نکاح میری اور ان کی زندگی تک بالکل ناقابل انفساخ ہو گیا۔ حنیف زندوں میں تو اور مردوں میں نوش کی روح اس

نکاح کے گواہ ہیں۔ یہاں یہ ہوا ہیں اس نکاح کا اعلان اکناف عالم میں اور آسمان پر کرینگی۔
اب رہا میرا جہیز جو یہودیوں کی رسم کے بموجب ضروری ہے۔ اس بے سرو سامانی میں میرا جہیز ہی کیا ہو سکتا ہے۔ مگر جو کچھ ہے۔ میں اس کو قرطیس کی ملک کرتی ہوں۔ اس وحشت کدہ میں اس ہُو کے مقام میں میرا جہیز سوا اِس حُسن کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس حسن دیرپا کے ساتھ میں اپنے جہیز میں قرطیس کو وہ علم و عقل دیتی ہوں جو معمولی آدمی کو میسّر نہیں آسکتا اس جہیز میں میں تجھے اس آگ میں کھڑا کرونگی۔ اور اسی جہیز میں تو دیکھے گا۔ کہ دنیا کے صغار و کبار تیرے قدموں پر جھکینگے۔ یہی جہیز دنیا کے بادشاہوں کا تاج تیرے قدموں پر گرائے گا اسی جہیز کی وجہ سے تو اہل دنیا کے دل کے حالات پر واقف ہوگا۔ اور اسی جہیز میں تجھے اہرام مصری کی طرح ایک وقت خاص تک دوام حاصل ہوگا۔ اسی جہیز کی وجہ سے قرطیس تجھ پر عجائبات عالم ظاہر ہونگے۔
"دیکھو میں پھر قرطیس کے قدموں پر گرتی ہوں۔ اور میرے ساتھ دنیا کے تمام بحرو بر۔ دنیا کے ادنےٰ غلام سے لے کر جلیل القدر بادشاہ تک۔ غریب کے جھونپڑے سے لے کر محلات شاہی تک قرطیس کے پیروں میں ہیں۔ جہاں تک آفتاب عالمتاب کی شعاعیں پہنچتی ہیں۔ جہاں تک ماہتاب اپنے نور سے دنیا کو معمور کرتا ہے۔ جہاں تک طوفانوں کے اثر پہنچتے ہیں۔ جہاں تک آندھیوں کی رسائی ہے۔ وہ تمام مقامات قرطیس کے قدموں پر عاجزانہ فدا ہونگے۔ بیماریاں ان سے دُور بھاگیں گی۔ اور غم و غصہ ان سے ہمیشہ الگ رہیگا۔ ایک وقت خاص تک موت اُن کو مُنہ نہ دکھا سکے گی۔ غرض یہ وہ چیزیں ہیں۔ جو عشق نے مجھے عطا کی ہیں۔ اور میں ان کو نہایت ادب سے قرطیس کے نذر کرتی ہوں۔ اب اس میں آندھی آئے۔ مینہ آئے۔ زلزلہ آئے۔ حیات آئے۔ ممات آئے۔ نیکی ہو یا بدی ہو یہ کسی طرح نہیں بدل سکتے۔ جو کچھ ہو چکا۔ ہمیشہ کے لئے ہو چکا۔ اس میں تبدیلی کو امکان نہیں۔ چلو اب وہاں چلیں۔ جہاں ان سب باتوں کی دم بھر میں تکمیل ہو جائے گی۔"

یہ کہ کر عذرا چراغ لے کے آگے بڑھیں۔ سامنے ہی دیوار میں (غالباً آتش فشاں مادہ نے) ایک چھوٹی سی کھڑکی بنا دی تھی۔ عذرا اس میں جا گھسیں اور ہم تینوں ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ اندر راستہ سیڑھی کی طرح کچھ اونچا نیچا تھا۔ ہم بہ آسانی نیچے اترے چلے گئے۔ پندرہ سولہ قدم کے بعد ایک اَور ڈھلوان سُرنگ ملی۔ مگر اس قدر تنگ کہ بیٹھ کر چلنا پڑا۔ جی تو بہت ہی گھبراتا تھا۔ اَور چونکہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہ تمام آتش فشاں مادہ کی کارسازیاں ہیں۔ اس لئے مجھے خدشہ بھی زیادہ تھا۔ لیکن عذرا کی ہمراہی ہمارے لئے بڑی ڈھارس تھی۔ چراغ ان کے ہاتھ میں تھا ہی بڑھے چلے جاتے تھے۔ مَیں نے احتیاطاً اتنا کیا کہ ان راستوں کا نقشہ اچھی طرح اپنے ذہن میں جما لیا۔ اگرچہ بعض وقت خیال بھی ہوا کہ کیوں فضول دماغ پر زور دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ہمارے بہت ہی کام آیا ؞

آدھا گھنٹہ یا کم و بیش اسی طرح چلتے ہو گیا۔ قدم بھی اٹھنا اب محال معلوم ہوتا تھا کہ یکایک پھر راستہ کشادہ ہو گیا۔ اور ہم چند قدم چل کر ایک بڑی کھوہ میں پہنچ گئے۔ اس کھوہ کو چھوڑ کر پھر ایک تنگ و تاریک ڈھلوان راستہ ملا۔ آخر بڑی دیر کے بعد یہ راستہ بھی ایک اَور کھوہ پر ختم ہوا۔ یہاں روشنی دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ میں تو سمجھا کہ شاید زمین کے آخری طبقہ میں پہنچ گئے ہیں مگر عذرا سے معلوم ہوا کہ ابھی اَور عمق بھی باقی ہے ؞

عذرا :- یہاں تک تو ہم خیریت سے پہنچ گئے۔ لو اب تم قلب زمین میں جانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ جہاں سے انسان و حیوان۔ شجر و حجر کو اپنے اپنے ظرف کے مطابق ارواح تقسیم کی جاتی ہیں ؞

عذرا پھر ایک سرنگ میں اتر پڑیں۔ اور ہم کانپتے کانپتے۔ آئندہ افتادوں سے ڈرتے ہوئے ان کے پیچھے ہو لئے۔ یہ سرنگ گو پچھلی سُرنگوں کی طرح بہت تنگ نہ تھی۔ مگر تھی نہایت متوحش اور بھیانک۔ کوئی آدھا گھنٹہ یا زیادہ ہمیں اس کے طے کرنے میں لگا ہو گا۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جاتے تھے ایک

خوفناک رعد کی سی آواز ہمارے کان میں آتی تھی جس سے رُوح کانپتی جاتی تھی بارے خدا خدا کرکے اس سرنگ سے بھی پیچھا چھوٹا۔ اور ہم ایک اَور بہت بڑی کھوہ میں پہنچ گئے ؎

اس کھوہ کی تمام دیواریں خدا جانے کس[1] مادہ نے سڈول کردی تھیں۔ اس میں کچھ گلابی مائل روشنی معلوم ہوتی تھی کہ ہروقت رہتی تھی جس سے آنکھوں میں ایک طرح کی ٹھنڈک معلوم ہوتی تھی۔ اور یوں دیکھنے میں بھی بہت ہی اچھی معلوم ہوتی تھی۔ مجھے حیرت ہے کہ یورپ والے گلابی چمنیاں کیوں نہیں بناتے کہ کہیں تو اس روشنی کا لطف آجائے۔ پہلے تو ہمیں کچھ نہ معلوم ہوا۔ مگر تھوڑی دیر میں ایک آواز آنی شروع ہوئی۔ جو رفتہ رفتہ معلوم ہوتا تھا کہ آگے بڑھتی آتی ہے۔ اور شور بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک نہایت تیز روشنی آگے بڑھتی معلوم ہوتی تھی۔ یہ حالت اس ہُو کے مقام پر جیسی کچھ خوفناک ہوسکتی ہے۔ ظاہر ہے۔ یہاں تک کہ یہ روشنی قریب ہوگئی۔ آنکھیں اس کی تیزی کی متحمل نہ ہوسکیں اَور شور سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ سوائے عذرا کے ہم سب نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ اور ڈر کے مارے وہیں آنکھیں بند کرکے بیٹھ گئے۔ اتنا ہم نے دیکھ ہی لیا۔ کہ یہ روشنی نہایت صاف وشفاف ہے۔ اور قوس قزح کی طرح مختلف رنگ اس میں چمکتے ہیں ؎

عذرا۔" قریب آؤ! اَور قریب ہوجاؤ۔ یہی رُوح کا جوہر ہے۔ اور تمام موجوداتِ عالم اس کے عرض ہیں۔ یہ خلاصہ ہے اور کائنات اس کی تفصیل۔ یہ عطر ہے اور دنیا اس کا فضلہ۔ اس کے بغیر کرۂ ارض اور مافیہا کو قیام نہیں ہوسکتا۔ اس کے بغیر ذوی الارواح حرف غلط ہیں۔ اَور قریب آکر اس کی لذت چکھو۔ اور اس کا لطف حاصل کرو ؎"

---

[1] میں کسی خاص مادہ کا نام نہیں لے سکتا۔ اگرچہ میں اب تک اس مادہ کا نام آتش فشاں ہی لیتا ہوں لیکن عقل کام نہیں کرتی کہ آتش فشاں مادہ اس قدر عرصہ سے یہاں ٹکا کیسے رہ گیا محققین علم طبقات الارض شاید اس کا کچھ نام رکھ سکیں ؎ (مصنف)

اس روشنی کے ابھی کچھ بخارات سے باقی ہی تھے کہ عذرا کے کہنے سے ہم سب آگے بڑھ کر اس مقام پر جا کھڑے ہوئے۔ جہاں وہ روشنی جا کر غائب ہو گئی تھی۔ حقیقت میں طبیعت پر عجیب طرح کا فرحت بخش اثر ہوا۔ اور تمام قوا میں ایک نئی طاقت پیدا ہو گئی۔ ایک قوتِ جسمانی ہی ہمیں اضعافِ مضاعف معلوم ہوئی۔ اور بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔ جو تفریح ہم خود میں پاتے تھے۔ ضبط نہ کر سکے۔ اور خوب جی کھول کر ہنسے۔ یہاں تک کہ ایوب بھی جس کے ہونٹ ہفتوں ہنسی سے ناآشنا رہے تھے۔ قرآن مجید کی اکثر آیات میرے برزبان تھیں۔ تمام بھولی بسری باتیں بالکل اس طرح میرے پیش نظر ہو گئیں کہ گویا اس وقت میرے سامنے ہو رہی ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ بڑے بڑے پیچیدہ مسائل اگر میرے سامنے کئے جائیں۔ تو میں چٹکیوں میں حل کر کے رکھ دوں معلوم ہوتا تھا کہ میں کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گیا ہوں۔ اور عجیب وغریب اسرار مجھ پر کھل گئے ہیں۔ اور نئی نئی طاقتیں مجھے حاصل ہو گئی ہیں۔ قصہ مختصر میں اپنے قلب کی حالت کسی طرح بیان نہیں کر سکتا۔ میں خود کو بالکل بدلا ہوا پاتا تھا ٭

میں یہ مزے لے ہی رہا تھا کہ دور سے پھر وہی آواز سنائی دینے لگی۔ اور حسب معمول جیسے جیسے آگے بڑھتی جاتی تھی۔ شور زیادہ ہوتا جاتا۔ اور روشنی بڑھتی جاتی تھی۔ ہم سب ڈر کر پیچھے ہٹ آئے۔ اب معلوم ہوتا تھا کہ گرج کی آواز گویا ہمارے سامنے تھی۔ اور روشنی کا مینار جیسے ہماری آنکھوں کے سامنے چکر کھا رہا تھا۔ عذرا اس روشنی کی طرف ہاتھ پھیلا کر کھڑی ہو گئیں۔ مگر ہم تینوں کی آنکھیں پھر متحمل نہ ہو سکیں۔ اور آپ سے آپ بند ہو گئیں ٭

تھوڑی دیر میں یہ آواز اور روشنی حسب دستور غائب ہو گئی ٭

عذرا۔ لو قرطیس! تم اس کے بیرونی لطف اٹھا چکے۔ اب اس کی خاصیت کو بھی آزما لو۔ اب کی مرتبہ جو یہ روشنی پھر آئے۔ تم بے تامل اس کے اندر کھڑے ہو جاؤ پہلے کپڑے اتار کر تیار رہو۔ کیونکہ کپڑوں کو یہ شعلے جلا ڈالیں گے لیکن تمہارے جسم کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے۔ ذرا سی دیر میں تمہارے حواس بجا ہو جائینگے۔ اس

روشنی کو اچھی طرح اپنے جسم پر پڑنے دو۔ اور اس کے شعلوں کو اپنے سانس کے ساتھ اندر کھینچنے کی کوشش کرو۔ اس کا اچھی طرح خیال رکھنا کہ تمہارے جسم کا کوئی حصّہ ایسا باقی نہ رہ جائے جس پر یہ روشنی اثر نہ کرے قرطیس! کچھ سمجھے بھی؟"

امین "میں نے سب کچھ سمجھ تو لیا ہے لیکن ہمت نہیں پڑتی۔ میں بُزدل تو ہوں نہیں۔ لیکن پھر بھی دیکھتی آنکھوں جلتی آگ میں کیسے جا کھڑا ہوں۔ تم میں سے کوئی بھی میری کچھ مدد نہ کر سکے گا۔ اور تمہارے ہاتھ سے میں اور میرے ہاتھ سے تم ہمیشہ کے لئے جاتی رہو گی۔ لیکن خیر جو کچھ ہو۔ تم کہتی ہو۔ تو جا کھڑا ہوں گا"

عذرا (کچھ سوچ کر) "تمہارا ڈرنا کچھ تعجب خیز بات نہیں ہے۔ اور نہ بُزدلی۔ اچھا قرطیس! اگر میں اس آگ میں جا کھڑی ہوں اور سلامت نکل آؤں تب تو تمہیں اطمینان ہوگا"

امین "ہاں اس حالت میں مجھے کوئی خوف نہ رہیگا۔ لیکن اس کی بھی کیا ضرورت ہے۔ میں یوں ہی اس کے شعلوں میں کھڑا ہونے کو تیار ہوں"

میں "عذرا! اگر تم سلامت نکل آئیں تو میں بھی (آپ کی اصطلاح میں) اس آگ میں نہالونگا"

عذرا (قہقہہ لگا کر) "میں خلیف تو بھی! میں تو سمجھتی تھی کہ نوٹ کی طرح تو مدّت العمر بھی پسیجنے والا نہیں ہے۔ تیری نیت کیونکر بدل گئی"

میں (ذرا شرما کر) "یہ تو میں جانتا نہیں لیکن جی یہی چاہتا ہے کہ میں ہزاروں برس زندہ رہوں"

عذرا "چلو غنیمت ہے صبح کا بھُولا اگر شام کو بھی آ جائے تو وہ بھُولا نہیں کہلاتا اب کی مرتبہ میں پھر نہاتی ہوں۔ ممکن ہے کہ اس سے میری عمر اور حسن وغیرہ میں زیادہ ترقی ہو جائے۔ اور اگر یہ نہیں تو بہرحال مجھے کوئی نقصان تو پہنچ نہیں سکتا۔ میں اس میں اور مصلحت یہی سمجھتی ہوں کہ جب پہلے میں نہائی ہوں تو جذبات مجھ پر غالب تھے۔ دل میں اس مصریہ کا کینہ بھرا ہوا تھا۔ طبیعت میں بدی تھی۔ اور اب

توشکر ہے کہ صورت بالکل دگرگوں ہے۔ اس لئے میں پھر اس آگ میں نہا کر از سرِ نو پاک ہونا چاہتی ہوں۔ قرطیس! تم بھی جب نہانے لگو تو تمام بُرے خیالات کو اپنے دل سے نکال ڈالنا۔ اور حتی الوسع صفائی قلب کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہونا۔ تاکہ اس کا اثر باقی رہ نہ جائے بہرحال تیار ہو رہو۔

باب بست و ششم

بیا ساقی کہ من مردم کفن از برگ تاکم کن
بآب مے بدہ غسلم دریں خمخانہ خاکم کن

اس کے بعد تھوڑی دیر تک بالکل خاموشی رہی۔ عذرا نے اس آگ میں کودنے یا نہانے کے لئے اپنے حواس مجتمع کئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہی آواز پھر آنے لگی۔ اور جیسے ہی روشنی معلوم ہوئی۔ عذرا نے کپڑے اتار ڈالے اور اپنے بالوں سے اپنا تمام جسم چھپا لیا۔ میں کیا کہوں کہ عذرا اس وقت گیا معلوم ہوتی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کا دل بہلانے یا لبھانے کے لئے حضرت حوا شاید اس سے بہتر وضع میں آئی ہوں گی۔ عذرا کا حسن یوں ہی جہاں سوز تھا۔ اس پر لجانے شرمانے اور بدن کو چرانے کی ادا نے وہ قیامت ڈھائی کہ ہم نقشِ حیرت بنے رہ گئے۔

روشنی بالکل قریب آگئی۔ عذرا نے ہٹ کر ایمن کے گلے میں ہاتھ ڈالا۔ اور پیار سے کہنے لگیں "قرطیس! کاش میں اپنا دل چیر کر اپنی محبت دکھلا سکتی" عذرا کا ایک بے قراری کے ساتھ ایمن کو چومنا مجھے اس وقت تک یاد ہے۔ قلب پر ایک عجیب اثر پڑا۔ اور جس طرح کسی سے رخصت ہوتے ہوئے ایک صدمہ

ہوتا ہے۔ میری نہ معلوم کیوں وہی حالت ہوگئی۔ اور میرے آنسو نکل پڑے ؛
روشنی اور اس کے ساتھ وہ دلخراش آواز بڑھتی چلی آتی تھی۔ عذرا بڑھیں اور راستے میں جا کھڑی ہوئیں۔ اور اپنے ہاتھ پھیلا دئے۔ طرفۃ العین میں آگ نے انہیں آلیا۔ عذرا بار بار پانی کی طرح اس روشنی کو گویا اپنے جسم پر ڈالتی تھیں۔ اور بدن ملتی جاتی تھیں۔ مُنہ کھول کھول کر شعلوں کو اپنے نفس کے ساتھ اندر کھینچتی تھیں۔ اُف کس قدر خوفناک نظارہ تھا کہ میں کانپا جاتا تھا۔ لیکن عذرا ہماری پریشانی کو دیکھ کر مُسکراتی تھیں۔ اور خوش معلوم ہوتی تھیں آگ ان کی زلفوں سے شوخیاں کرتی تھی اور ان کے بالوں سے کھیلتی تھی۔ اُن کے پاکیزہ جسم پر قربان ہو ہو کر چومتی تھی۔ اور عذرا یہ معلوم ہوتی تھیں کہ پری آگ سے کھیل رہی ہے یا فرشتہ ہے کہ اس نور کو لے کر آسمان سے اترا ہے۔ الفاظ کہاں سے لاؤں کہ ان کی تصویر کھینچ کر رکھ دوں۔ لیکن یکایک میں نے دیکھا کہ ان کی صُورت پر ایک طرح کا تغیر آیا ہے۔ یہ میں بیان نہیں کرسکتا کہ وہ تغیر کس قسم کا تھا۔ لیکن ایسا تغیر تھا کہ میری آنکھیں اس کو محسوس کرتی تھیں۔ ان کے چہرے کی شگفتگی اور مُسکراہٹ دیکھتے ہی دیکھتے جاتی رہی۔ آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے۔ مجھے خیال ہُوا کہ شاید میری آنکھیں دھوکا دے رہی ہیں۔ میں نے اچھی طرح اپنی آنکھیں ملیں۔ پھر جو دیکھا تو وہ آگ یا نور یا شعلہ پھر واپس جا رہا تھا۔ اور عذرا اسی جگہ کھڑی تھیں۔ عذرا ہماری طرف دو ہی قدم بڑھی ہوں گی کہ اُن کے پَیر ڈگمگانے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کا گول چہرہ سُست ہو کر لمبا ہو گیا۔ اور آنکھیں گھُس گئیں۔ ان کے ٹٹولنے سے معلوم ہوتا تھا کہ آنکھوں نے جواب دے دیا جسم کی چلا جاتی رہی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے چہرے پر جھُریاں پڑ گئیں۔ امین بھی کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ خدا جانے کس خیال سے دو تین قدم پیچھے ہٹ کھڑے ہوئے ؛

عذرا (گھبرائی ہوئی آواز میں) "قرطیس! ہائے یہ کیا ہو گیا؟"
اُف ذرا سی دیر میں آواز کی دلکشی بھی جاتی رہی!

عذرا "قرطیس! ہائے یہ کیا ہوگیا! مجھے کیا ہُوا۔ کہیں اس آگ کی خاصیت تو نہیں بدل گئی۔ قرطیس دیکھنا! میری آنکھوں کا کیا حال ہے؟ مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا"

عذرا نے گھبرا کر اپنا سر پکڑنا چاہا۔ مگر ہاتھوں نے یاری نہ دی اور اتنی ہی حرکت سے ان کے تمام بال اُتر کر زمین پر گر گئے۔

ایوّب (گھبرا کر) "افوہ! دیکھنا۔ دیکھنا۔ یہ تو کچھ بندر سی بنی جاتی ہے"

یہ کہنے کے ساتھ ہی ایوب تیورا کر زمین پر اوندھے منہ گر گیا۔

حقیقت میں صُورت ہی بڑی خوفناک تھی۔ میری آنکھوں کے سامنے عذرا وہ عذرا نہیں رہ گئی۔ جواب سے دو منٹ پیشتر تھی۔ جھُریاں پڑیں۔ کھال لٹکی۔ کوب نکلا۔ چہرہ ذرا سا ہوگیا۔ آنکھیں جاتی رہیں۔ بال گر گئے۔ رنگ و روغن بدل کر سرخی سے زرد اور زردی سے سیاہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ قدو قامت میں بھی فرق آگیا۔ اور زمین پر گر گئی۔ میں نہیں کہ سکتا کہ یہ کس قسم کا فوری تغیر تھا کہ خدا نہ دکھلائے۔ سُنا بھی نہیں تھا۔ زمین پر پڑے ہوئے اس کا جثہ ایک بن مانس سے زیادہ نہ تھا۔ یا پانچ چھ مہینے کے بچے جتنا۔ قیاس بھی دھوکا کھا رہا تھا کہ یہی وہ عورت ہے جو کیا بلحاظ اپنے حُسن کے اور کیا بلحاظ اپنے علم و عقل کے دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ مگر اس کا کیا علاج ہو کہ یہ حقیقت میں ایک امر واقعہ تھا ہماری آنکھیں دیکھ رہی تھیں اور جس میں ہم کو شک کی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی۔ غنیمت تھا کہ اس وقت تک عذرا کے حواسوں پر کوئی صدمہ نہ آیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے کوشش کر کے اٹھیں اور ایک حسرت کے ساتھ اِدھر اُدھر مُنہ پھرا کر دیکھنے لگیں۔ مگر وہاں آنکھوں پر تمام سفیدی چھائی ہوئی تھی۔ بولنا چاہا۔ مگر آواز نے کام نہ دیا۔ بڑی کوشش سے صرف اتنا کہ سکیں۔ قرطیس! دیکھنا مجھے بھول نہ جانا۔ میری تقصیروں کو معافی کی نظر سے دیکھنا میں ایک مرتبہ پھر آؤنگی۔ اور اپنے اِسی حُسن کو لئے ہوئے۔ جو ــــ جو ــــ ہائے ــــ ہا ــــ ہا ــــ ہا ــــ"

عذرا جملہ بھی پورا نہ کرنے پائی تھیں کہ پھر گر گئیں۔ اور ساتھ ہی جان نکل گئی!

اُف کیا قیامت کا وقت تھا! کیا سانحہ تھا!! عذرا کو مرتے دیکھ کر ہم دونوں بھی بیہوش ہو کر گر گئے!!!

× × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × ×

مَیں خدا جانے کتنی دیر بیہوش پڑا رہا ہونگا۔ جہاں تک میرا قیاس کام کرتا ہے۔ شاید گھنٹوں۔ جب میری آنکھ کھلی ہے تو ابین اور ایوب کو مَیں نے بدستور بیہوش پایا۔ اور ان شعلوں کی وہ آواز دلخراش بالکل قریب ہی آ رہی تھی۔ مڑ کر دیکھا تو واقعی وہ روشنی غائب ہی ہونے والی تھی۔ عذرا کا ڈھانچہ بھی وہیں جھریوں کی چادر میں لپٹا ہوا پڑا تھا۔ اللہ اکبر! خدا وہ وقت کسی دشمن کو بھی نہ دکھلائے ؎

آخر اس ناگہانی تغیر کی وجہ ہوئی کیا۔ اس آگ کی خاصیت میں واقعی کوئی تبدیلی آگئی ہے؟ کیا اس آگ میں کسی وقت فوراً ہلاک کر دینے اور کسی وقت عمر کو صدیوں تک بڑھا دینے کا مادہ ہے یا یہ کہ جس جسم پر یہ ایک مرتبہ اثر کر چکتی ہے۔ دوسری مرتبہ وہ جسم اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔ اور فوری موت اس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہی ایک وجہ کسی قدر دل کو لگتی تھی۔ ممکن ہے کہ دو ہزار برس کے عرصہ میں بھی اس آگ کا زور جسم میں باقی رہا ہو۔ اور دوسری مرتبہ متحمل نہ ہو سکا ہو ؎

عذرا کی لاش کو دیکھ کر طرح طرح کے خیالات دل میں پیدا ہونے تھے۔ مجھے اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ اگر کسی شخص کو کسی ترکیب سے دو ہزار برس تک جلایا جائے تو اختلاط اس کو گھٹا گھٹا کر اتنا ہی بڑا اور اسی صورت کا کر دے گا۔ جو اس وقت عذرا کی تھی۔ انسان اپنے ہر فعل سے اپنے لئے نیک نتائج پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مگر تقدیر تمام چیزوں پر غالب ہے۔ اِسی عذرا کو دیکھ لیجئے۔ اور اسکی مختلف قوتوں سے اندازہ لگائیے۔ کہ اگر کہیں یہ دنیا کے اس حصہ پر نکل آتی تو کیا آفت ڈھاتی اور کیسے کیسے فتنے برپا کرتی۔ مگر شدنی بات۔ وہ اسی خیال میں رہی

کہ ان کھنڈروں میں قرطیس آ کر رہے گا۔ اور جگہ اس کی تلاش لا حاصل ہے زندہ مُردوں میں شامل رہے اور وحشیوں میں زندگی گزار دے۔ پھر قرطیس ملا تو اُس کی صورت بھی جی بھر کر دیکھنا نصیب نہ ہُوا۔ وہ بلا کا حُسن۔ وہ قیامت انتہائے علم و عقل اس کے کچھ کام نہ آیا۔ اور آخر وہ جو تمام دُنیا کے بادشاہوں کو حقیر کر کے اپنے قدموں میں گرانا چاہتی تھی۔ اہل دنیا کی طرح نہایت حسرت اور بے کسی کے ساتھ اسی راستے چل دی۔ جس پر ایک بادشاہ سے لے کر ایک فاقہ کش کو جانا پڑتا ہے۔ اس نے اپنے زعم میں فطرتِ انسانی کا دو ہزار برس تک مقابلہ کیا۔ لیکن آخر کچھ نہ بن پڑا۔ اور دم بھر میں اُس نے موت کے قدموں میں سر جھکا دیا۔

ہائے دنیا بھی عجیب بے درد ہے! یہاں رہ کر کوئی کسی چیز پر کیونکر اعتبار کر سکتا ہے؟ ہر آدمی جتنی حسرتیں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ اگر ان کی پڑتال کی جائے۔ تو ایک نیا عالم بنتا ہے۔ ذرا کوئی اس وقت عذرا کے دل سے پوچھے کہ کیا گزر رہی ہوگی۔ کتنی امیدیں اُس کے سرہانے کھڑی پیٹ رہی ہوں گی؟ اور کتنی حسرتیں خون میں تڑپتی ہونگی؟ مگر یہ کوئی نئی بات تھوڑا ہی ہے کہ دنیا نے ایسے ایسے تماشے خدا جانے کتنے دیکھے اور دکھلائے اور آئندہ کتنے دیکھے اور دکھلائے گی۔ دنیا کے بڑے بڑے کام کس دھوم دھام سے شروع ہوتے اور کس طرح ناتمام رہ گئے۔ سکندر سے پوچھئے کہ جب اُس کی فوج نے پنجاب پہنچکر آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ تو اس کے دل پر کیا گزرا ہوگا؟ شداد کا دم اس باغ کی دہلیز پر نکلا۔ جو اس کی عمر بھر کی تمناؤں کا مایۂ فخر و ناز تھا۔ بایزید یلدرم عین شباب فتوحات میں قید ہُوا۔ بونا پارٹ دنیا کو فتح کرنے سے پہلے ہی انگریزوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا۔ ذرا ان سے پوچھو تو سہی کہ مرنے والو تمہارے دل پر کیا گزر رہی ہے۔

مَیں بڑی دیر تک ان ہی خیالات میں غلطاں و پیچاں رہا۔ پھر سوچا کہ اکیلی عذرا کو رونا کونسا انصاف ہے۔ اگر ایسوں کو رونے بیٹھے گا تو کس کس کو روئیگا۔ مَیں اٹھ بیٹھا اور سب سے پہلے عذرا پر اس کا کرتہ ڈال کر ڈھک دیا۔ پھر ایوب کو سیدھا کیا تو اس کا ہاتھ کچھ اس طرح ایک طرف کو جا پڑا کہ میں بہت ہی

گھبرایا۔ بغور دیکھا تو ایک ہی نظر میں معلوم ہو گیا کہ ہمارا پُرانا وفادار رفیق ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ اس ملک کے واقعات کو دیکھ دیکھ کر پہلے ہی اُس کا دل کمزور ہو چکا تھا۔ یہ نیا تماشا دیکھ کر خوف نے اس کی دل کی حرکت بند کردی اور دفعتہً اس کا خاتمہ کر دیا۔

میرے اوپر یہ دوسرا صدمہ تھا۔ میں گھبرا کر ڈرتا ہوا این کی طرف بڑھا۔ اتنی دیر میں ان کی نسبت بھی طرح طرح کے بُرے خیالات مجھے ڈرا چکے تھے۔ لیکن الحمد للہ کہ وہ اسی وقت ہوش میں آ گئے۔ اور کوئی دس منٹ میں اُٹھ بیٹھے۔ اور ایوب کو ہوش میں لانے کا فکر کرنے لگے۔ مگر میں نے ان سے کہا کہ "بس اب ایوب کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ سونے دو۔ یہ تو اب صورِ حشر کے ہی جگائے جاگیں گے۔"

این "کیا ایوب بھی چل دیا؟"

میں "ہاں!"

این ایک ٹھنڈا سانس لے کر چپ ہو رہے۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ این کو ایوب کے مرنے کا صدمہ نہیں ہوا ان کو اس سے بہت ہی محبت تھی۔ بلکہ اب تک اس کا ذکر بڑی حسرت سے کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ پہلے صدمے نے اس وقت ہمارے دلوں میں اتنی جگہ نہ چھوڑی تھی کہ دوسرے کو ہم پوری طرح محسوس کر سکتے۔

بہرحال میں اسی پر شکر کرتا تھا کہ این سلامت رہ گئے۔ اگرچہ اتنا تغیّر ان میں بھی ضرور ہو گیا کہ اُن کے سنہری بال بالکل سفید ہو گئے۔ اور بشرے سے بھی کوئی چالیس برس سے زیادہ عمر کے معلوم ہونے لگے۔ این بڑی دیر تک خاموش بیٹھے رہے اور میں ان کی صورت دیکھتا رہا۔

این "عمو! کہئے اب کیا کرنا چاہئے؟"

میں "بھئی! میرے نزدیک تو جس طرح بنے یہاں سے نکل چلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر تمہارا جی اس آگ میں کھڑا ہونے کو چاہے تو اور بات ہے۔"

این (آہ کرکے) "اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس میں سے سلامت نہ نکلوں گا۔ تو مجھے کچھ تامل نہ ہوتا۔ مگر ایسا نہ ہو کہ میں سلامت نکل آؤں اور ہزاروں برس کی ناقابل برداشت زندگی میرے گلے کا ہار ہو جائے۔ ہائے مجھ کمبخت کے وسوسے ہی

نے اُس کی جان لی۔ اگر میں تامل نہ کرتا تو وہ کیوں اس میں جاتی اور کیوں مرتی؟ عمو! حقیقت میں اگر مجھے یہ یقین کامل ہوتا کہ میں اس آگ میں سے مر کر ہی نکلوں گا۔ تو بھی کود پڑتا۔ جس طرح اُس نے میرا دو ہزار برس تک انتظار کیا ہے۔ مجھ سے دو برس بھی انتظار نہ کیا جائے گا۔ ہائے کس قدر وفادار تھی (کچھ سوچ کر) اگر آپ اس میں کھڑا ہونا چاہیں تو جائیے“

میں صرف سر ہلا کر چپ ہو رہا۔ وہ بھی خدا جانے کیا بات تھی کہ عذرا کے سامنے ہی نے آگ میں ”غسل کر لینا“ منظور کر لیا تھا۔ اب تو میں قیامت تک بھی اس کا نام نہ لوں گا۔ علاوہ ازیں ممکن تھا کہ اگر عذرا کی مثال اچھی قائم ہوتی تو مجھے بھی جرأت ہو جاتی۔ مگر وہاں سرے سے بسم اللہ ہی غلط ہوئی۔ اور ہم کو وثوق کے ساتھ اس آگ کی خاصیت بھی معلوم نہ تھی۔

میں ”ایمن! چلنے کا فکر کرو۔ اگر یہاں رہے تو ان دونوں کا سا ہی انجام ہمارا ہوگا پہلے چراغوں کو دیکھ لو“

غنیمت تھا کہ چراغوں میں کچھ تیل باقی تھا۔ ایمن نے ایک کپّی میں کچھ تیل بھی باقی بتلایا۔ بڑا اطمینان ہو گیا۔ میں نے چقماق سے آگ جھاڑی ہی تھی۔ کہ اس شعلہ کے آنے کی پھر آواز سنائی دی۔

ایمن ”عمو! ذرا ٹھیر جائیے۔ ایک مرتبہ اسے اور دیکھ لیں۔ دنیا میں پھر یہ چیز نظر نہ آئے گی“

میں ”پھر وہی مہمل بچپن۔ اچھا اسے بھی دیکھ لو۔ اور ہاں اور کچھ نہیں تو لاؤ ایوب کے جنازہ کی نماز تو پڑھ لیں۔ یہ بھی بے چارہ شہید ہی ہوا۔ گور و کفن تو کہاں سے میسر آئے گا“

ہم نے بہزار حسرت ایوب کا جنازہ اٹھایا اور اندازاً قبلے کی طرف رُخ کر کے لٹا دیا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ دیکھو بعض وقت کا خواب بھی کیسا سچا ہوتا ہے۔ ایوب سچ کہتا تھا۔ خواب دیکھ کر چار روز بھی نہ جیا۔ عذرا کا منہ دیکھنے کی بھی ہمیں جرأت نہ ہوئی۔ اس کو یوں ہی جنازہ کی نماز پڑھ کر وہیں ڈھکا چھوڑ دیا۔ مرحوم

کے بالوں میں سے ایک لٹ میں نے اٹھائی اور ایک امین نے ؛

امین (لٹ چوم کر) "مرتے مرتے تاکید کر گئی ہے کہ میں اسے نہ بھولوں۔ زندگی تو زندگی شاید مرنے پر بھی نہ بھولونگا۔ عمو! میری قسم کے گواہ رہئے کہ عذرا کی صورت دیکھ کر میں کسی عورت کا منہ نہ دیکھونگا۔ عمر یوں ہی اس کی یاد میں گزار دوں گا"

بہرحال اس کے بعد ہم نے تن بتقدیر واپس جانے کا قصد کیا۔ اور ان دونوں کو وہیں "سرچشمۂ حیات" پر مردہ چھوڑا۔ ہائے دونوں مرنے والوں پر کس قدر حسرت برستی تھی! وہ عورت جو دو ہزار برس تک دنیا بھر میں سب سے زیادہ حسینہ اور سب سے زیادہ عقیلہ تھی۔ جس کے علوِ شان سے یہ خطہ بھر کانپتا تھا۔ آج یوں بیکسی کے ساتھ فرش زمین پر پڑی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اَور لوگوں کی طرح اس کی طینت میں بھی بدی تھی۔ لیکن اس بدی نے اس کی اَور خوبیوں کو چنداں نقصان نہ پہنچایا تھا۔ بہرحال اس کو نیکی سے یاد کرنا چاہئے ؛

بیچارہ ایوب بھی ایک طرف لیٹا ہوا زبانِ حال سے اپنی مایوسی ظاہر کر رہا تھا۔ اُف خمیر نے غریب کو کہاں کھینچا ہے اور کیسا مدفن ملا ہے؟ اللہ! اللہ! مرنے والا! اس تنہائی میں وحشت تو تمہیں ضرور ہوگی۔ بالفعل حسرت و ارمان سے جی بہلاؤ۔ بیکسی تمہاری ہر وقت محافظ رہے گی۔ چند روز صبر کرو۔ آخر تنہائی کے خوگر ہو جاؤ گے۔ لو خدا حافظ ؛

ہم نے ایک نگاہِ واپسیں ان دونوں پر ڈالی۔ اَور حسرت سے اس کھوہ اَور یہاں کی روشنی کو دیکھا اور چل پڑے۔ شاید اہل دنیا ہمیں احمق بنائیں کہ باوجودیکہ ہمیں ایک اچھا موقعہ حاصل تھا۔ مگر ہم نے اس آگ میں نہا کر اس سے فائدہ نہ اٹھایا لیکن حقیقت یہ ہے کہ صدمہ بُری چیز ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے لئے عمر عذرا کے بغیر دوزخ بن جاتی۔ کس کی کمبختی آئی تھی کہ عمر بڑھا کر ہزاروں برس کی مصیبت گلے ڈالتا۔ کوئی شخص۔ عام اس سے کہ میں ہوں یا امین۔ بکر ہو یا زید عذرا کو دیکھ کر بغیر اس کے زندگی بآسائش نہیں گزار سکتا۔ اس کی صورت ہم دونوں کے دل پر اس طرح منقش ہوئی ہے کہ محسوسات میں سے کوئی اس میں فرق نہ آنے

دے گا - ایمن کو تو خیر پھر بھی امید ہو سکتی ہے - لیکن میں؟ میری حالت بالکل ناگفتہ بہ ہے وہ پہلے ہی کہہ چکی تھیں کہ "میں تیرے واسطے نہیں ہوں" یہ جدی بات ہے کہ زمانہ ہی کوئی ایسا آ جائے کہ دو مرد ایک ہی عورت پر عاشق ہوں - اور پھر تینوں خوش رہیں اور چونکہ بالیقین ایسا کوئی زمانہ آنے والا نہیں - لہٰذا میری مایوسی اَور بھی قابل رحم ہے - لیکن اس پر بھی میں امید لگائے بیٹھا ہوں - اور اب بھی اگر کوئی مجھے ذرا کی ذرا کے واسطے عذرا کی صورت دکھلا دے تو اس پر جان نثار کرنے کو تیار ہوں اگر اس کا نام محبت کامل نہیں ہے - تو میں نہیں جانتا کہ اَور کس چیز کا نام ہوگا۔

بابِ بست و ہفتم

زادِ راہِ اہلِ ہمت ہمتِ مردانہ ایست
توشۂ شہباز غیر از چنگلِ شہباز نیست

دونوں کھوؤں کو ہم نے بآسانی طے کر لیا - سرنگوں سے مشکلات شروع ہوئیں ڈھلوان تھیں ہی - ان پر چڑھنا ایک دشوار بات تھی - اور اندھیرے کی وجہ سے اَور بھی زیادہ دقت - اس وقت خدا نے ہی کچھ دل میں ڈال دیا کہ میں نے اس راستے کا نقشہ اپنے ذہن میں جما لیا تھا - ورنہ سر ٹکرا ٹکرا کر بھوکے پیاسے مر جاتے - اور قیامت تک راستہ نہ پاتے - اس پر بھی کئی مرتبہ ہم سے غلطیاں ہوئیں - ایک مرتبہ تو ایک گڑھے میں جا ہی پڑے تھے - خدا نے بچا لیا - ان کھوؤں میں بیٹھے بیٹھے چلنا جیسا کچھ مصیبت کا کام تھا - میرا ہی جی جانتا ہے - کہیں سر ٹکراتا تھا یا پیر میں ٹھوکر لگتی تھی - تو آہ کر کے رہ جاتے تھے - بات کرنے تک کو جی نہ چاہتا تھا - اپنی مخدوش حالت سے بات کرنے کی مہلت ہی کس کو ملتی تھی - اوّل تو جو صدمے ہم اٹھا چکے تھے اُن ہی نے ہمارے سینے میں دل نہ چھوڑا تھا - پھر

تمام سعی اس پر ختم کرنا چاہتے تھے کہ کسی طرح یہاں سے نکل چلیں۔ تین چار گھنٹے یوں ہی پریشان رہے۔ اس میں دو گھنٹے وہ سمجھ لیجئے کہ جن میں ہم راستہ بھول ادھر اُدھر ٹکراتے پھرے ہیں۔ یکایک مجھے ایک چٹان نظر آئی۔ جس کی نسبت خیال ہوا کہ جاتے ہوئے ہمارے راستے میں پڑی تھی۔ حالانکہ اسی چٹان کو ہم دو مرتبہ چھوڑ گئے تھے۔ غرض اس چٹان نے دریا میں قطب نما یا ستارے کا کام دیا۔ اور اسی کے اندازہ سے ہمیں وہ راستہ مل گیا۔ جس سے اُتر کر ہم نوٹ کی کھوہ سے یہاں تک پہنچے تھے۔

نوٹ کی کھوہ میں پہنچ کر اس سے تو اطمینان ہو گیا کہ ہم کھوؤں سے نکل آئے۔ لیکن تازہ دقت تھی بغیر کسی تختہ وغیرہ کی مدد کے غار کو عبور کرنا۔ کیونکہ قارئین کو یاد ہو گا کہ مرحوم ایوب کی گھبراہٹ سے تختہ نیچے جا پڑا تھا۔ اب نئے سرے سے سوال پیدا ہوا کہ کیا کیا جائے؟ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے تھے۔ کسی طرح کود کر پار ہو جانا۔ یا یہیں مر رہنا۔ اگرچہ فاصلہ چنداں زیادہ نہ تھا۔ یعنی کل تین ساڑھے تین گز۔ امین تو اکثر کھیل کود میں سات آٹھ گز تک کی جست کرتے رہے ہیں۔ لیکن اندازہ کیا جائے موجودہ حالت کا کہ ادھر ایک نوکیلی چٹان۔ اور وہ بھی (بقول عذرا کے) کمزور کہ خیال تھا کہ ہوا ہی کسی روز اسے اٹھا کر پھینک دیگی اُس طرف ایک تنگ چٹان پر پہنچنا ہے۔ اور وہ اس قدر مخدوش کہ ایک طرف پہاڑ اور دو طرف غار۔ اس پر ہم دونوں تھکے ہوئے۔ دل ٹوٹے ہوئے۔ بھوکے پیاسے۔ مختلف خراشوں سے خون بہتا ہوا۔ اس پر مصیبت وہاں کی ہوا۔ میری ذات خاص کی نسبت اتنا اَور بڑھا لیجئے کہ عمر چالیس سے متجاوز۔ میں نے یہ تمام باتیں امین کے سامنے پیش کیں۔ ان کا فیصلہ مجھے بہت ہی پسند آیا کہ یہاں کھوہ میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے تو اس غار کی تہ میں پہنچتے پہنچتے مر جانا لاکھ جگہ بہتر ہے۔ جان تو آسانی سے نکل جائیگی۔ اور اگر کہیں اُدھر پہنچ گئے تو فہو المراد اور حقیقت میں سوائے اس کے اَور چارہ بھی کیا تھا۔ لیکن اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ اس کا علاج بجز اس کے اَور کیا ہو سکتا تھا کہ اس وشنی

کا انتظار کریں۔ اب یہ خبر نہیں کہ روشنی کے وقت میں دیر ہے یا قریب ہی ہے روشنی آئی بھی تو دم کے دم کے لئے۔ نکان کہتی تھی کہ ابھی سو رہو۔ احتیاط مقتضی تھی کہ جاگو اور انتظار کرو۔ لامحالہ یہی سوچا گیا کہ اُوپر چل بیٹھیں۔ اور جیسے ہی روشنی آئے کودنے کا فکر کریں۔ لطف یہ تھا کہ چراغ بھی جواب دے چکے تھے۔ نیچے کم سے کم ہَوا سے تو امن تھا۔ مگر اندھیرے میں کس سے ٹھیرا جائے لاچار اوپر چلے گئے۔ بیٹھا تو کس سے جاتا۔ وہیں چٹان سے چمٹ کر جس طرح بنا لیٹ گئے ؛

اُف! خدا وہ وقت نہ دکھائے۔ چاروں طرف اندھیرا۔ نیچے غار ہَوا کے تھپیڑے۔ ہَوا کی گونج سے مختلف آوازوں کا سُنائی دینا۔ بھلا یہ پریشانیاں کہیں نیند آنے دیتی تھیں۔ انتظار تو دس منٹ کا بُرا ہوتا ہے۔ یہاں گھنٹوں کا انتظار۔ اللہ اکبر! موت ہی موت نظر آتی تھی ؛

یہاں پڑے پڑے ایک عجیب بات پیش آئی۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ جاتے ہوئے عذرا کا کالا بُرقعہ (ہائے میری زبان سے جب نکلا "کفنی" ہی نکلا۔ مگر خدا نے اسے کفنی بھی نہ بنایا) ہَوا میں اڑ گیا تھا۔ اور اسی وقت کہیں غائب ہوگیا تھا۔ اس وقت ہم یہاں روشنی یا موت کے انتظار میں لیٹے تھے۔ کہ یکایک ہی بُرقع کہیں سے اُڑتا ہوا آیا۔ اور ایبن کو سر سے پیر تک چادر کی طرح لپیٹ لیا۔ ابتداً تو بڑا خوف معلوم ہوا۔ اَور بڑی ہی وحشت معلوم ہوئی کہ کس بلا میں پھنس گئے۔ لیکن کچھ تو ٹٹولنے اور کچھ عذرا کے جسم نازک روائح جان پرور سے یہ معلوم ہوگیا کہ یہ بُرقعہ ہے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں نے ایبن کو عذرا کے غم میں روتے دیکھا تھا۔ اُف! کس درد کے ساتھ روئے ہیں کہ باوجود ضبط میرے بھی آنسو نکل پڑے۔ عجب نہیں کہ اُس وقت بُرقع اڑ کر کسی پتھر میں اُلجھ رہا ہوگا۔ اور اب ہَوا نے پھر اُٹھا کر ایبن کے اوپر لا ڈالا ہو۔ بہرحال واقعہ نہایت عجیب اَور دردناک تھا ؛

اندازاً اس کے دو گھنٹے کے بعد کچھ کچھ چاندنی چھٹکنا شروع ہوئی۔ پہلے

ہمیں شبہ ہی رہا۔ لیکن جیسے ہی چاندنی اُتری ہم تیار ہو گئے ؛

امین "لیجئے عموس یہی وقت ہے "؛

میں "اچھا تو پہلے کون جائے "؛

امین۔ پہلے آپ ہی جائیے۔ میں اس چٹان کے اُس کنارے جا بیٹھتا ہوں۔ تاکہ بوجھ زیادہ رہے۔ اور کھسکنے نہ پائے ؛

میں کھڑا ہو گیا۔ امین سے بغلگیر ہوا۔ اور ان کی پیشانی چوم لی ؛

میں "تو خدا حافظ! دیکھئے ہم تم اب کہاں ملتے ہیں۔ امین تم میری بیس برس کی کمائی ہو۔ اس اثنا میں اگر تمہارے نزدیک مجھ سے کچھ فروگزاشت ہوئی ہو تو معاف کرنا "؛

میں یہ کہتے ہی کچھ پیچھے ہٹا۔ مگر ہوا نے مجھے آگے ہی کو دھکیلا۔ میں نے اسے اور بھی تائید غیبی سمجھ کر دوڑ کر خدا کے توکل پر جست کی۔ اس وقت اپنے دل کی حالت مجھے ہی خوب معلوم ہے۔ یا عالم الغیب جانتا ہے۔ اور خاص کر اس وقت کہ مجھے یقین ہو گیا کہ جست اوچھی پڑی ہے۔ اور میں اب چلا۔ اور حقیقت میں اگر میرا ہاتھ ایک پتھر پر نہ پڑتا تو خدا جانے کہاں کا کہاں پہنچا ہوتا۔ حواس تو کبھی کے بجا تھے۔ یہ بھی ایک اتفاقی اور اضطراری بات تھی کہ پتھر میرے ہاتھ آ گیا۔ غرض میں اب ادھر لٹک رہا ہوں۔ جس پتھر کو میں پکڑے ہوئے تھا وہ بالکل میرے سر پر تھا۔ جس نے سر ابھارنا بھی ناممکن کر دیا تھا۔ تکان تو پہلے ہی تھی۔ ہاتھوں میں اتنی سکت نہ تھی کہ میں اپنے حواس بجا ہونے تک بھی ٹھیرتا اور کوئی تدبیر سوچ لیتا۔ بہرحال میں نے یہ سوچ لیا کہ منٹ ہی دو منٹ میں ہاتھ بالکل بیکار ہو جائینگے۔ اور میں نیچے غار میں جا پڑونگا جس کی تھاہ ہی نہیں ہے۔ شاید کوئی شخص بھی اس سے زیادہ مخدوش حالت نہ بتلا سکے گا۔ میرا دماغ تو اسی آدھے منٹ میں بیکار ہو گیا ؛

امین بھی میری یہ حالت دیکھ چکے تھے۔ وہ بھی فوراً کودے اور خدا کا شکر ہے کہ اس طرف سلامت پہنچ گئے۔ مجھے بکایک ایک زلزلہ سا محسوس ہوا۔

اور ساتھ ہی کسی چٹان کے گرنے کی آواز آئی۔ میں نے سمجھا کہ یہ چٹان جس میں مَیں لٹک رہا ہوں۔ امین کا بوجھ اور جھٹکا نہ سہار سکی۔ اور مجھے لے کر نیچے چلی۔ لیکن خود کو پھر صحیح سلامت پا کر شکر کیا۔

امین وہیں میرے قریب ہی اچھی طرح لیٹ گئے۔ اور دونوں ہاتھوں سے میرا ایک ہاتھ پکڑ لیا۔

امین "میں آپ کو پکڑے ہوئے ہوں۔ آپ اطمینان کے ساتھ اپنا ہاتھ چھوڑ دیجئے۔ یا تو میں نے آپ کو کھینچ لیا۔ یا آپ کے ساتھ خود بھی اندر ہی گیا۔ تنہائی سے مرنا ہزار درجہ بہتر ہے۔

میں نے امین کو ہوشیار کر کے چھوڑ دیا۔ یہ وقت نہایت ہی جانستان تھا تھا۔ اگرچہ امین طاقتور جوان ہیں۔ مگر مجھے اندیشہ تھا کہ وہ میرا بوجھ نہ سنبھال سکینگے۔ چند سیکنڈ تو میں ضغطہ ہی میں لٹکتا رہا۔ پھر امین نے ایک مرتبہ زور کر کے اوپر کھینچا۔ میرا سینے تک اوپر اُبھر آنا کافی تھا۔ کچھ امین نے کھینچا کچھ مَیں نے زور کیا۔ الحمد للہ کہ میں اُوپر آ گیا۔ میرے حواس تو معطل تھے ہی۔ امین بھی پسینے میں بالکل شرابور ہو گئے۔ بہرحال ذرا ٹھیر کر ہم دونوں نے یہاں تک سلامت پہنچنے پر سجدۂ شکر کیا اور ذرا سستانے کو بیٹھ گئے۔

امین "عمو! یہ بھی معلوم ہے ابھی گرا کیا تھا؟"

میں "میرے ہوش ہی بجا نہ تھے۔ آواز تو کچھ سُنی تھی۔"

امین "وہ سامنے کی چٹان آخر لڑھک گئی (ابھی کچھ کچھ روشنی باقی تھی) وہ دیکھیئے اس نے نوٹ والی کھوہ کو بالکل بند کر دیا ہے۔"

میں نے دیکھا تو واقعی غار کا مُنہ چوگنا ہو گیا تھا۔ اور نوٹ کی کھوہ میں اُترنے کے لئے بالکل راستہ نہ رہا تھا۔

مَیں "بھئی! خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے گیا۔ اوّل تو اِدھر آتا ہی کون ہے۔ اور اگر آیا بھی تو نیچے پہنچنے کا راستہ ہی باقی نہیں رہا۔ امین! سچ جانو۔ مجھے اس وقت بڑی خوشی ہوئی۔"

کوئی آدھ گھنٹہ تو ہم یونہی بیٹھے رہے ہونگے۔ آخر آگے چلنے کا فکر کیا۔
پچھلی کھوؤں کے طے کرنے میں ہمیں چراغ نے بہت مدد دی تھی۔ اب چراغ بھی نہ رہے۔ اور سب سے بڑی کھوہ ہمیں طے کرنے کو تھی۔ سنگ آمد و سخت آمد یوں ہی ٹٹولتے ہوئے بڑھے۔ ایک سیدھ باندھ لی تھی۔ اور چلے جاتے تھے۔ ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے تھے۔ تمام بدن لہو لہان تھے۔ مگر جان کا لالچ اور ایک موہوم اُمید ہمیں کھینچے لئے جا رہی تھی۔ ورنہ اکیلے تکان ہی کے مارے ایک قدم نہ اُٹھتا تھا۔ کہاں تک قصۂ درد سُناؤں۔ مختصر یہ ہے کہ جب ہم نے اس آخری کھوہ سے نجات پائی تو صبح صادق تھی۔ وہ آسمان جس کے دیکھنے سے ہم قطعی نااُمید تھے۔ ستاروں سے گود بھرے ہوئے موجود تھا۔ نسیم صُبح نے پھُولوں پر وہ احسان نہ کیا ہوگا جو ہمارے دماغوں کے ساتھ کیا۔ اس بڑے مہلکہ سے نجات پا کر ہم نے پھر سجدہ کیا۔ بیٹھے تو اُٹھا کس سے جاتا تھا۔
امین:۔ عمو! دیکھئے کس طرح گئے تھے۔ اور کیونکر واپس آئے (آنسو نکل پڑے) دو رات اور ایک دن میں کیسی کیسی نئی باتیں دیکھیں اور کیسی کچھ پریشانی اٹھائی۔ اللہ اکبر! یہاں پہنچنے کی کسے اُمید تھی۔ صرف اس آخری کھوہ کے طے کرنے میں پوری رات اور کچھ حصّہ دن کا لگ گیا۔ مگر اب کسی طرح نہیں اٹھا جاتا بیٹھے ہیں تو پیر ہی نہیں کھلتے۔ پیاس کے مارے زبان میں کانٹے پڑے ہوئے ہیں۔ اور بھوک تو خیر——"
مَیں:۔ میری بھی یہی کیفیت ہے۔ اب ایک مرتبہ اور ہمّت کرو۔ پہاڑ کے نیچے بالیقین یاقوت ہمارا انتظار کر رہا ہوگا۔ بس وہیں چل کر گونہ آرام اور اطمینان ہوگا۔"
میں بمشکل تمام اُٹھا۔ امین کو اٹھایا۔ اور بمشکل تمام پہاڑ کے نیچے اُترے پھر آگے نہ چلا گیا اور وہیں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر آرام کر کے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل بچوں کی طرح اُن جھاڑیوں کی طرف چلے۔ جہاں اُس جانِ حسن اور کانِ حُسن جانِ نہار نے یاقوت اور اپنے حمالوں کو ٹھیرنے کا حُکم دیا تھا۔

ہم کوئی پچاس ہی قدم بڑھے ہونگے کہ دُور سے ایک گونگا آتا دکھائی دیا - ہم پر بھی اس کی نظر پڑی - اور وہیں ٹھٹک رہا - روشنی اچھی طرح ہو ہی گئی تھی - وہ بڑی دیر تک ہمیں دیکھتا رہا - مگر شاید اُسے یقین ہوگیا کہ ہم کوئی عجیب الخلقت جانور نہیں ہیں - بلکہ وہی ہیں جو اس ملکہ کے ساتھ گئے تھے - اس کا ہمیں نہ پہچاننا کچھ عجب نہ تھا - کیونکہ ایمن کے سنہری بال اب بالکل سپید تھے - اور یوں بھی ان پر ایک طرح کا بڑھاپا معلوم ہوتا تھا - سر سے لے کر پیر تک ہم دونوں کے سینکڑوں خراشیں آئی تھیں - اور خون بہ بہ کر تمام جسم پر جما ہؤا تھا - کپڑوں کے چیتھڑے ہوگئے تھے - دو روز کے بعد جو مَیں نے آئینہ دیکھا ہے - تو واللہ میں نے خود کو نہیں پہچانا - اس پر ہم چل رہے تھے جانوروں کی طرح ؛

غرض وہ گونگا اپنا اطمینان کر چکا تو بجائے اس کے کہ ہماری طرف آتا - واپس بھاگا - مجھے بڑی ہی مایوسی ہوئی - لیکن تھوڑی دیر میں ہم نے یاقوت کو اپنی طرف آتے دیکھا تو کہیں اطمینان ہؤا - ہم دونوں نے یاقوت کو سلام کیا ؛

یاقوت "نسناس! نسناس! یہ تیرا کیا حال ہے؟ اور اسد کو کیا ہوگیا - اس کے بال کیسے سفید ہوگئے - ملکہ مطاع الکل کہاں ہیں؟ کیش پیچھے ہی ہوگا؟"

مَیں "دونوں مرگئے - ابوی! ہم میں بات کرنے کی بالکل طاقت نہیں ہے - کچھ کھانا اور پانی لاؤ - ورنہ کوئی دم میں ہم بھی مرا ہی چاہتے ہیں - ہم سے بالکل بات نہیں کی جاتی ؛"

یاقوت (فکرمندانہ اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر) "مرگئے! حیّہ کیونکر مرسکتی ہے - بالکل ناممکن"!

چونکہ گونگے اس کی حرکتوں کو بغور دیکھ رہے تھے - اُس نے کچھ اشارہ کیا - اور دونوں ہمیں چڑھی چڑھا کر اُس جھاڑی کے پیچھے لے گئے - جہاں وہ ٹھیرے ہوئے تھے - اتفاق سے ان کا کھانا بھی تیار تھا - ہم نے بلا تمیز حلال و حرام گوشت کا شوربہ پیا - اور کچھ روٹی کھائی - کچھ ہوش ہؤا - یاقوت نے ہمارے زخم دُھلوائے - وہیں گھاس کے ڈھیر لگا کر بستر بنا ہؤا تھا - ہم دونوں پڑ کر بے خبر سوگئے ؛

باب بست و ہشتم

شب آخر آمد وافسانہ از افسانہ مے خیزد

مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں کتنا سویا ہونگا۔ کسی قدر آنکھ کھلی تو مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے میرے ہاتھ پیر توڑ دئے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی طبیعت میں کچھ اضطراب سا ہوا اور میں اُٹھ بیٹھا۔ ہوش آتے ہی سب سے پہلے میری نظر یاقوت کی متبرک صورت پر پڑی۔ اور اس کے ساتھ ہی تمام پچھلی باتیں یاد آگئیں۔ ایمن ابھی تک غافل پڑے سو رہے تھے۔ اُن کا سفید سر[1] اور جا بجا کے زخم نہ دیکھے گئے اور میں نے اُن کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔

یاقوت:۔ "نسناس! تُو تو خوب سویا!"

میں:۔ "ابوی! میں کتنی دیر سویا ہونگا"؟

یاقوت:۔ "ایک سُورج چمک کر ڈوب گیا۔ ایک چاند نکل کر چھپ گیا۔ اور تو برابر سوتا ہی رہا۔ دیکھ! اسد اب تک سو رہا ہے"۔

میں:۔ "اللہ اکبر! میں ایک دن اور ایک رات برابر سوتا رہا۔ اور مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔ نیند بھی عجب نعمت ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے پچھلی جانفرسا باتوں کو بھلا دیتی ہے"۔

یاقوت:۔ "نسناس! ذرا اپنا قصّہ تو سنا۔ یہ تم دونوں کا کیا حال ہے۔ اور ملکہ "مطاع الکل" جس کو کبھی مُوت آنے والی نہ تھی۔ کیسے مرگئی۔ اسد کے بال کیونکر سفید ہو گئے۔ اگر حقیقت میں حیہ مرگئی ہے تو تم دونوں کا زندہ بچنا بھی یہاں مشکل ہے۔ ان لوگوں کا تو تمہارے واسطے لال ہے اور یہ لوگ تمہارے گوشت

---

[1] کیسے تعجب کی بات ہے کہ ایمن کے بال پھر اپنی اصلی حالت پر آتے جاتے ہیں۔ یقین ہے کہ چند روز میں بالکل دُرست ہو جائیں گے۔ (حنیفہ)

کے بہت ہی بھوکے ہیں - بنو الجز تمہارے سخت دشمن ہیں - اُن کی دشمنی خاص کر اس واسطے اَور بھی بڑھ گئی ہے کہ ملکہ مطاع الکل نے ان کے بیسیوں آدمیوں کو تمہارے ایک آدمی کے واسطے مروا ڈالا - اگر ان کو کہیں معلوم ہو جائے کہ اب ان کو "ملکہ مطاع الکل" کا کچھ خوف باقی نہیں ہے - تو وہ فوراً تمہیں مار ڈالیں گے - لیکن خیر پہلے اپنا قصہ تو بیان کر"

مَیں نے بہت اختصار کے ساتھ اس کو کچھ قصہ سُنایا - اَور یقین دلانے کی کوشش کی کہ "ملکہ مطاع الکل" ایک آگ میں جل مری ہے - کیونکہ میں جانتا تھا - کہ وہ میری باتیں سمجھ بھی نہ سکے گا - لیکن اس پر بھی یاقوت کو بالکل یقین نہ آیا ⁂

یاقوت (ہنسکر) "گو تیرے نزدیک ملکہ مر چکی ہے - مگر نسناس! یہ خیال بالکل غلط ہے - حیبہ کبھی نہیں مر سکتی - یہ ہو سکتا ہے کہ وہ چند روز کے لیئے کسی مصلحت سے چھُپ رہی ہو - کیونکہ ایک مرتبہ میری نانی کے وقت بھی سُنا ہے کہ ایسا ہی ہوُا تھا - کہ بارہ برس تک وہ پوشیدہ رہی تھی - اور یہ بھی مشہور ہے کہ اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ ملکہ کوئی پچاس برس تک نظر نہیں آئی - حتےٰ کہ ایک اَور عورت بھی تخت پر بیٹھ چکی تھی - اور اُس نے خود کو حیبہ بتلایا تھا - آخر ملکہ نے آکر اس کو سزا دی اور اپنا تخت خالی کرالیا"

مَیں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور سر ہلا کر چُپ ہو گیا - کیونکہ مجھے اچھی طرح یقین تھا کہ عذرا کا اب دنیا میں آنا - یا کم از کم یاقوت سے ملنا بالکل ناممکن تھا ⁂

یاقوت "نسناس! اب بتلا اب تو کیا کرے گا"

میں "کیا بتلاؤں؟ آرزو تو یہ ہے کہ کسی طرح ہم تمہارے اس ملک سے اپنی جان سلامت لے کر نکل جاتے"

یاقوت (کچھ سوچ کر) "بس یہی مشکل ہے - کور کے راستے تم جا نہیں سکتے - اگر گنتے اور لوگوں نے تمہیں تنہا دیکھ پایا تو تمہارا زندہ رہنا مشکل ہے - ہاں ایک تدبیر ہے کہ تم کسی ترکیب سے پہاڑ سے ہو کر نکل جاؤ - شاید ایک مرتبہ میں نے تجھ سے بیان بھی کیا تھا کہ یہاں کے لوگ اپنے جانوروں کو اس طرف چرنے کو چھوڑ دیتے

ہیں۔ اور سال میں دو مرتبہ آگرے جاتے ہیں۔ مَیں نے یہ راستہ کبھی نہیں دیکھا اتنا سُنتا ہوں کہ وہ جگہ دلدلوں سے تین روز کی راہ ہے۔ اور دلدلوں سے سات روز کا راستہ بڑا دریا ہے۔ جو سب سے بڑے دریا میں جا ملتا ہے۔ اگر تم دونوں اس راستے سے جا سکو تو شاید بچ جاؤ۔ لیکن کیسے جا سکتے ہو؟"

میں "ابوی! تمہیں یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ مَیں نے تمہاری جان بچائی ہے۔ وہ ایک قسم کا قرض تھا۔ اب ہماری جان بچانا یا میرا قرض ادا کرنا تم پر فرض ہے یہ ممکن نہیں کہ تم نے عمر بھر کبھی کوئی برائی نہ کی ہو۔ ہمارے ساتھ نیکی کرنے سے اُن برائیوں کا کفارہ بھی ہو جائے گا۔ اور نیز اگر بقول تمہارے ملکہ مطاع الکل مصلحتاً چھپ بیٹھی ہیں۔ تو واپس آکر وہ تم سے بہت ہی خوش ہونگی اور تمہیں انعام دیں گی؟"

یاقوت "نسناس مَیں تجھے اپنے بیٹے کے برابر سمجھتا ہوں۔ تُو نے جو میری جان بچائی ہے اس کو کبھی نہ بھولونگا۔ اس کے بدلے میں تیری اور تیرے ساتھی کی فوراً جان بچاؤنگا۔ چاہے میری ہی جان کیوں نہ جاتی رہے۔ لے میں ابھی جاتا ہوں کل صبح تک ڈولیاں یہاں پہنچ جائیں گی۔ تم دونوں تیار رہنا۔ مَیں اسی وقت چل کر تمہیں دلدلوں کے پار کر آؤں گا۔ اتنا تو میں کرسکتا ہوں۔ آگے دریا کو عبور کرنے کا میں کوئی انتظام نہیں کرسکتا۔ تمہاری کشتی تک پہنچا دینا میرا ذمہ ہے۔ اچھا دیکھو وہ اسد بھی انگڑائیاں لے رہا ہے۔ اگر جاگ اُٹھے۔ تو پہلے کھانا کھا لو۔ مَیں نے تمہارے واسطے تیار کرا رکھا ہے"

امین اُٹھے تو ان کی طبیعت بالکل درست تھی۔ ہم نے مل کر کھانا کھایا۔ ایک چشمے پر جا کر خوب نہائے اور پھر سو گئے۔ مغرب کے وقت آنکھ کھلی۔ نماز پڑھ کر معلوم ہوا کہ یاقوت صبح سے کہیں گیا ہوا ہے۔ عجب نہیں کہ حمال اور ڈولیوں کا کہیں انتظام کر رہا ہوگا۔ آدھی رات کو بہت سے آدمیوں کی آہٹ سے ہماری آنکھ کھلی۔ لیکن ان میں یاقوت کو نہ دیکھ کر ہمیں بڑی ہی وحشت ہوئی۔ صبح ہونے ہوتے یاقوت بھی آگیا۔ اس کی زبانی معلوم ہوا کہ "ملکہ مطاع الکل"

کا نام لے کر بمشکل تمام اس کو ڈولیاں ۔ حمّال اور دو شخص بطور بدرقہ کے مل سکے بقول اس کے پھر بھی اندیشہ تھا ۔ اس لئے اس نے خود ساتھ چل کر پہنچا آنے کا وعدہ کیا ۔ تاکہ کچھ نقصان نہ پہنچ سکے ۔ یاقوت کے اس خیال پر میں بہت ہی ممنون ہوا ۔ اور حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو ایک معمّر آدمی کا بیکسوں کے بچانے کے لئے چھ روز کی صعوبتِ سفر اٹھانا کچھ کم بات نہیں ہے ۔ بنوا لبحر ہزار شقی القلب اور خونخوار وحشی ہوں ۔ لیکن ان میں بھی کوئی نہ کوئی نیک دل ضرور ہوتا ہے ۔ بقول شخصیکہ دنیا ایسے ہی آدمیوں کے وجود سے ٹکی ہوئی ہے بہر حال میں جب تک جیونگا ۔ اپنے مُنہ بولے باپ کا کبھی احسان نہ بھولونگا ؁

ہم نے اسی وقت جلدی جلدی میں کھانا کھایا ۔ اور ڈولیوں میں بیٹھ کر فوراً روانہ ہو گئے ۔ ہمارے دلی خیالات کا ناظرین خود اندازہ لگالیں کہ کیا ہونگے ؁

پہاڑ کی چڑھائی کچھ آسان کام نہ تھی ۔ بعض جگہ تو بالکل پہاڑی سڑک جیسی ملتی تھی ۔ جو میرے خیال میں باشندگان کور کی بنائی ہوئی ہوگی ۔ اور اکثر جگہ ہمیں جھاڑیوں میں سے بچ بچ کر نکلنا پڑا ۔ چونکہ ایسے موقعوں پر ڈولیاں بیکار تھیں ۔ اس لئے ہم کو اکثر پیدل چلنا پڑا ؁

دوپہر کو ہم اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے ۔ یہ جگہ ایک حد تک بالکل مسطح اور نہایت سرسبز تھی ۔ عجب نہیں کہ یہ مقام کسی زمانے میں باشندگان کور کی سیرگاہ رہی ہو ۔ یہاں عظیم الشان شہر کور کے کھنڈرات اور خاص کر صداقت کے مندر اور بُت کا نظارہ بہت ہی دلکش تھا ۔ اس کے اس طرف جہاں تک نظر کام کرتی تھی ۔ دلدل ہی دلدل نظر آتی تھی ؁

یہاں کچھ آرام کیا ۔ اور اُترائی شروع ہو گئی ۔ گو بہ نسبت چڑھائی کے اُترنا آسان تھا ۔ مگر پھر بھی بڑی دقتیں پیش آئیں اور شام تک ہم دلدل کے کنارے پہنچ گئے ۔ رات کو وہیں آرام کیا ۔ اور صبح بھی وہی دلدل کا سفر کرنا پڑا ۔ جس کو میں پہلے بیان کر چکا ہوں ؁

تین دن میں یہ کٹھن راستہ بھی طے ہوا ۔ چوتھے روز کہیں جا کر خشکی پر پہنچے

اس روز دن بھر ہم کشتی کی تلاش میں رہے - آخر الحمدللہ کہ ہم نے کشتی کو بالکل صحیح و سالم اُسی حالت میں پایا - جس میں ہم نے چھوڑا تھا۔ رات وہیں کشتی پر گزاری اور یاقوت بھی ہمارے پاس ہی سویا اور صبح اُٹھتے ہی رخصت ہو گیا ۔

یاقوت :- "نسناس! لے اب میں اسد سے اور تجھ سے رخصت ہوتا ہوں - افسوس ہے کہ تمہیں اور کچھ مدد نہیں دے سکتا - اگر تم ایک مرتبہ پھر اپنے ملک میں پہنچ جاؤ تو اس کا خیال رکھنا کہ پھر کبھی ایسے ملک کی طرف رُخ نہ کرنا کہ جس کے حالات تمہیں معلوم نہ ہوں - ورنہ خوب سمجھ لو کہ یہ ہڈیاں سلامت نہ ملینگی - مجھے ہمیشہ یاد رکھنا - مَیں بھی تمہیں کبھی نہ بھولونگا ۔"

یاقوت سے مَیں نے اور امین نے مصافحہ کیا - وہ فوراً اپنے حمالوں کو لیکر واپس ہو گیا - جب تک وہ ہماری نظروں سے غائب نہ ہو گئے - ہم برابر ایک حسرت اور محبت کی نگاہوں سے یاقوت کو دیکھتے رہے - اس کے بعد ہم نے پھر کبھی کسی بنوالبحر کی صُورت نہیں دیکھی ۔

تین ہفتے ہوئے کہ اس سرزمین پر چار مسافر آئے تھے - دو تو یہیں رہے اور مابقیٰ دونوں نے وہ وہ باتیں دیکھیں اور وہ وہ تجربے حاصل کئے کہ خدا کسی کو نہ دکھلائے - تین ہفتے کچھ بہت نہیں ہوتے - حقیقت یہ ہے کہ اگر نئے نئے واقعات اِنسان پر نہ گزرتے رہیں تو اس کو اپنی عمر کا زمانہ بھی یاد نہ رہے یہی نئے نئے واقعات بھی زمانے کا اندازہ کراتے ہیں - ورنہ منٹ اور گھنٹے تو لاکھوں کروڑوں گزرتے ہی ہیں اور گزرا ہی کریں گے ۔

مَیں :- "لو امین! اب دریائے زمبسی کا رُخ کرنا چاہیئے - بندوقیں اور کوئی سَو دو سَو فیر کا سامان موجود ہی ہے - اسی سے شکار کرو - اور زندگی گزارو - جس خدا نے ہمیں ایسے ایسے بڑے مہلکوں سے نجات دی ہے - وہ شاید ہمیں قاہرہ کی بھی صُورت دکھلائیگا ۔"

ناظرین کو یاد ہوگا کہ یہ وہی بندوقیں تھیں جو ہم نے عذرا کے ساتھ جاتے ہوئے احتیاطاً ہمراہ لے لی تھیں - اور اب واپسی کے وقت یاقوت نے

پھر ہمارے سپرد کردی تھیں ÷

امین نے وہ چُپ سادھی تھی کہ کچھ جواب نہ دیا۔ مَیں کشتی میں سوار ہو گیا۔ میرے ساتھ امین بھی آ گئے۔ اور ہم نے قدیم سلطنت کور کو (شاید) ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا ÷

اس کے بعد جو کچھ واقعات ہم پر گزرے۔ گو نہایت دلچسپ ہیں۔ مگر اُن کو بالتفصیل لکھنا میرے نزدیک چنداں ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ میرا اصل منشا سرزمین کور کے حالات قلمبند کرنے کا تھا۔ جو میرے نزدیک نہایت تعجب خیز اور بے نظیر تھے۔ اور یہ بھی اس غرض سے کہ بھُول جانے سے پہلے محفوظ ہو جائیں۔ ورنہ ان کو شائع کرنے کا قصد نہیں تھا ÷

باقی حالات چنداں دلچسپ نہیں ہیں۔ سلسلہ قائم رکھنے کے لئے اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم بڑے بڑے مصائب اٹھا کر دریائے زمبسی پر پہنچ گئے۔ اور وہاں امین کی گوری رنگت اور سنہری بالوں کی بدولت وحشی حبشیوں کے ہاتھ اس دھوکے میں گرفتار ہو گئے کہ ہم کوئی آسمانی مخلوق ہیں۔ چھ مہینے میں وہاں سے چھٹکارا ہؤا۔ چلے تو غلطی سے جنوب کی جانب۔ ایک جگہ غیر آباد خشکی میں پریشان رہے۔ بھوکے مر ہی گئے ہوتے۔ اگر اتفاق سے وہاں ایک انگریز نہ مل گیا ہوتا۔ جو کسی غرض سے اُدھر آ نکلا تھا۔ اس انگریز کے ہم بہت ہی مشکور ہیں کہ ہمارے ساتھ بڑی ہی عنایت سے پیش آیا۔ اور اپنے آذوقہ میں ہمارا بھی حصہ لگا لیا۔ چونکہ وہ اس نواح میں کسی قدر تجربہ کار ہو گیا تھا۔ اس لئے خلیج ڈیلوگا تک ہم بآسانی پہنچ گئے اور وہاں سے بآسانی قاہرہ پہنچ گئے ÷

ٹھیک دو برس کے بعد مَیں نے پھر اپنے اُسی حجرے میں قدم رکھا جس میں رہ کر مَیں نے طالب علمی کی تھی۔ اور اس کے ساتھ امین کے مرحوم والد کی صورت اور اس رات کے تمام واقعات سامنے آ گئے ÷

× × × × × × × × × × ×

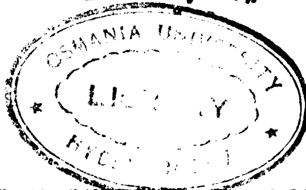
× × × × × × × × × × ×

جہاں تک سائنس اور بیرونی دنیا کو تعلق ہے یہ قصہ ختم ہوتا ہے۔ لیکن ابھی یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ میرے اور این کے متعلق اس کا اختتام کہاں ہوگا۔ اتنا ہمیں ضرور یقین ہے کہ ابھی تک اختتام کی کوئی صورت نہیں ہے۔ جو قصہ اب سے دو ہزار برس پیشتر شروع ہؤا۔ ممکن ہے کہ آج سے ہزاروں ہی برس بعد کہیں جاکر ختم ہوگا۔

کیا واقعی این قرطیس اولٹے ہے۔ یا عذرا نے خاندانی مماثلت کی وجہ سے دھوکا کھایا ہے۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب ناظرین کو خود اپنے دل سے پوچھنا چاہئے۔ میرا تو یہ خیال ہے۔ خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو کہ عذرا نے کوئی دھوکا نہیں کھایا۔

میں اکثر رات کو تنہائی میں دل کی آنکھوں سے زمانۂ آئندہ کی اندھیری یا خیالی کوٹھڑی کا کونہ کونہ ڈھونڈھا کرتا ہوں۔ مگر کچھ پتہ نہیں لگتا کہ اس عجیب و غریب ڈرامے کا کیا انجام ہوگا۔ اور بالآخر کس مقام پر ہوگا۔ یہ ضرور ہے کہ ہم تک اس کا انجام نہیں ہؤا۔ بلکہ کہیں اَور۔ اور کسی اَور ایکٹروں کے ہاتھ اس کا انجام ہونے والا ہے۔ مقدّرات نہیں بدلے جاسکتے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہوکر رہیگا اس صورت میں دیکھئے وہ ماہوش مصریہ شاہزادی امیزاٹس آئندہ کیا کرتی ہے جس نے جوشِ محبت میں فرعون جیسے بادشاہ کے تخت پر لات مارکر اور اپنے منقندا قرطیس کے مذہبی عہود و مواثیق کو توڑوا اور مجنوں بناکر مصر سے لے نکلی۔ اور۔۔تو افریقہ کے میدانوں میں بادیہ گردی کرکے آخر کور کے کھنڈروں میں ایسا سرگرداں چھوڑا کہ قیامت تک اس کی رُوح ڈھونڈتی رہے گی۔ غرض ؎

جنون گل کردن مجنوں نگہ ناکردن لیلےٰ
زہر دیوانہ در زیر لب افسانہ دارم



مسلم پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام کرامت علی منیجر چھپا اور سید حمید علی نے دارالاشاعت پنجاب ریلوے روڈ لاہور سے شائع کیا

سلسلہ کہکشاں کی تصانیف

پریم بتّیسی - ہندوستان کے بے نظیر افسانہ نویس منشی پریم چند کے بتّیس افسانوں کا مجموعہ - جو اصلاحِ اخلاق پر مبنی ہیں - اور جن کا مقصد شریفانہ جذبات مثلاً غیرت - حیا - خوفِ خدا - شجاعت اور آزادی ضمیر کو برانگیختہ کرنا ہے حصہ اوّل ۱۲/۱۱ پائی دوم عہ/۲ پائی

پریم پچیسی - ادیب فطرت نگار منشی پریم چند کے پچیس افسانوں کا مجموعہ - اس میں مامتا - بڑے گھر کی بیٹی - نمک کا داروغہ - رانی سارندھا - بے غرض محسن - آہ بیکس - خون سفید - صرف ایک آواز - کرموں کا پھل - غیرت کی کٹاری - منزل مقصود وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں - حصہ اول ۱۲/ا حصہ دوم ۱۲/۹ پائی

گوشۂ عافیت - منشی پریم چند صاحب کا تازہ ناول جس میں دیہاتی زندگی کی تصویر کھینچی گئی ہے - اور اقتصادی مسائل کے مشکل ترین معموں کو حل کیا گیا ہے - قیمت حصہ اوّل عہ/ حصہ دوم ۱۲/ا

چوگانِ ہستی - ادیب فطرت منشی پریم چند کا ایک حیرتناک مؤثر افسانہ جو بے مثال قادر الکلامی سے بیان کیا گیا ہے - اور جس میں معاشرت کی صحیح مصوری اور کردار نگاری - نکتہ رسی اور فلسفیانہ غور و خوض کی خصوصیات اپنے پورے شباب پر ہیں - قیمت حصہ اوّل عہ/۸ پائی حصہ دوم عہ/۲ پائی

بازارِ حسن - ادیب فطرت نگار منشی پریم چند کا لاجواب ناول جس میں ایک حسین اور نازو نعم میں پلی ہوئی لڑکی کی سرگذشت لکھی گئی ہے حصہ اول عہ/ دوم عہ/

ملنے کا پتہ :- **دار الاشاعت پنجاب - لاہور**